حسین سحر۔ ایک مطالعہ

ڈاکٹر خان محمد ساجد

حسین سحر۔ایک مطالعہ

مرتب

ڈاکٹر خان محمد ساجد

سحر سنز۔لاہور،ملتان

ضابطہ
(جملہ حقوق محفوظ)

اشاعت اوّل: 2010ء
کتابت وتزئین: الکتاب گرافکس ملتان
طباعت: عاتکہ پرنٹرز ملتان
قیمت: -/500روپے

ملنے کا پتا

کتاب نگر۔حسن آرکیڈ ملتان

فہرست

شمار	عنوان	تحریر	صفحہ
1	عرض مرتب	ڈاکٹر خان محمد ساجد	8
2	کوائف نامہ	ڈاکٹر خان محمد ساجد	12

حسین سحر کی شخصیت (خاکے):

1	جلوہ بہ جلوہ، نو بہ نو	ڈاکٹر عاصی کرنالی	18
2	حسین سحر میرا ہمزاد	اقبال ارشد	21
3	حسین سحر	محمد افسر ساجد	35
4	سحر رومانی	اعتبار ساجد	36
5	مسافر اپنی کوئی سرزمین نہیں رکھتے	عذرا نقوی (ریاض)	40
6	حسین سحر جو حسین بھی ہیں سحر انگیز بھی	حافظ عبدالوحید (ریاض)	44
7	حسین سحر کا سحر	محمد یونس قاضی (دمام)	46
8	حسین ساحر	محمد اظہر سلیم مجوکہ	49
9	عظیم ادیب اور مقبول شاعر	منیر احمد بھٹہ	52
10	حسین سحر کی شخصیت	خالد بیگ	55
11	شعر و ادب کی حسین سحر	وحید الرحمٰن خاں	59
12	دل نشیں انسان	ابو میسون اللہ بخش	63

منظوم خراج تحسین (66 تا 72)

1۔	عیش شجاع آبادی	2۔	محمود عالم	3۔	علی محمد ملوک
4۔	اسلم یوسفی	5۔	احمد شہباز خاور	6۔	اختر معظم
7۔	نسیم کاظمی	8۔	ناصر الہ آبادی	9۔	افتخار نقوی

انٹرویوز (مصاحبے)

1	روزنامہ ''سنگ میل'' ملتان	74
2	روزنامہ ''امروز'' لاہور	85
3	ہفت روزہ ''اردو میگزین'' جدہ	94
4	روزنامہ ''اوصاف'' ملتان	99
5	ہفت روزہ ''اردو میگزین'' جدہ	106
6	روزنامہ ''پاکستان'' ملتان	111

کتابوں پر تبصرے: (119 تا 136)

☆باب العلم ☆لہولہو ☆اشتیاق اظہر فن اور شخصیت ☆خالد۔شخص و شاعر

☆منزل کی طرف ☆اختر مہران ☆تخاطب ☆تقدیس

☆تطہیر ☆تجلی ☆صحرا میں گلاب ☆ستارہ و ہلال

☆ پھلکاری ☆فانوس حرم ☆پھول اور تارے ☆فرقان عظیم ☆تحسین اور کتب نما

شاعری (عمومی تاثرات):

1	تاثرات	ڈاکٹر ابوالخیر کشفی	138
2		پروفیسر سحر انصاری	139
3		ڈاکٹر فرمان فتح پوری	141
4	حسین سحر اپنی تلاش میں	پروفیسر مشکور حسین یاد	143
5	حسین سحر کا شعری رنگ	ڈاکٹر عاصی کرنالی	145
6	حسین سحر کی غزل پر سرسری نظر	وزیری پانی پتی	149
7	حسین سحر کی غزل	ڈاکٹر محمد امین	153
8	ادھورے خوابوں کی سرزمین کا مسافر	رضیہ انوار رضی	157
9	ایک جمالیاتی اور سماجی شاعر	طارق محمد طارق (دمام)	165
10	حسین سحر اور دبستان ملتان	شہزاد احمد خان	167

خصوصی اظہار خیال:

1	وسیع کینوس کا شاعر	ڈاکٹر اقبال واجد	170
2	چشم بر آواز	ڈاکٹر انور سدید	178
3	دھیمے لہجے کا شاعر	ڈاکٹر احسن زیدی	186
4	نئے موسموں کی ہواؤں کا استعارہ	ڈاکٹر طاہر تونسوی	189
5	منبع علم وفن	جاوید اختر جاوید۔ ریاض	193
6	حسین سحر کا انداز تخاطب	سید معراج جامی	194
7	سبز پیڑ کی ہتھیلی پہ جلتا دیا	جمیل احمد عدیل	197
8	آئنہ ہے درمیاں	غلام حسین ساجد	204
9	جمالیاتی نقطہ کمال کی تلاش	انور جمال	208
10	تخاطب	ناصر بشیر	212
11	تخاطب ایک تاثر	مبارک مجوکہ	215
12	حسین سحر کا انداز تخاطب	حسن سوز	219
13	دیدۂ بینا کا حامل شاعر	شبیر احمد قادری	225
14	فطرت سے اکتساب اور اقدام امن	ڈاکٹر اقبال واجد	230
15	حسین سحر اور ہیکنی تجربوں کی فسوں کاریاں	ڈاکٹر شفیق ندوی	251
16	کہرے میں دھنک	اسلام عظمی	256
17	تطہیر	ڈاکٹر اسد اریب	261
18	تقدیس اور نور اول کے مظاہر	ڈاکٹر شمیم ترمذی	263
19	حسین سحر کی تخلیقی سحر کاری اور شہر خواب	پروفیسر حسن عسکری کاظمی	271
20	فانوس حرم	مختار احمد کاشف	278
21	فانوس حرم	ڈاکٹر خان محمد ساجد	284

تراجم:

1	کلام سموالامیر خالد الفیصل	ڈاکٹر صادق رضاوی	292
2	نظمیں	مختار احمد کاشف	294

فرقانِ عظیم:

1	فرقان عظیم ایک تاثر	آیت اللہ علامہ عقیل الغروی	310
2	فرقان عظیم ایک رائے	علامہ عبدالعزیز خالد	311
3	حسین سحر بطور مترجم قرآن	ڈاکٹر محمد صادق رضاوی (ریاض)	312
4	ترجمان فرقان عظیم	ابوالامتیاز ع،س،مسلم	315
5	ایک عظیم کارنامہ	پروفیسر حسین عسکری کاظمی	328
6	حسین سحر کا قابل قدر کارنامہ	سید عارف معین بلے	332
7	فرقان عظیم	ابن کلیم	337
8	منفرد منظوم ترجمہ قرآن	شاکر حسین شاکر	339
9	فرقان عظیم اور حسین سحر	ڈاکٹر خان محمد ساجد	342

بچوں کا ادب:

1	پھول و ستارے	عابد نظامی	350
2	پیارے رسول	ڈاکٹر محمد امین	353
3	حسین سحر اور بچوں کا ادب	سمیرا گل	356

پنجابی ادب:

1	سوچ وچار	ڈاکٹر شوکت علی قمر	360
2	حسین سحر دیاں پنجابی نظماں دا مختصر ویرا	ڈاکٹر نوید شہزاد	363
3	حسین سحر تے پنجابی ادب	شفیق آصف	369
4	دو جگ دا والی	ڈاکٹر خان محمد ساجد	371

انتساب

محبانِ سحرؔ کے نام

عرضِ مرتب

دبستان ملتان کا جب بھی ذکر کیا جائے تو یہ ذکر حسین سحر کا نام لیے بغیر مکمل نہیں ہوتا بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ وہ اس تخلیقی شجر کی جڑ اور بنیاد ہیں جو گزشتہ چھ دہائیوں سے اس خطہ میں پروان چڑھتا رہا ہے۔ ملتان کی ادبی تاریخ کافی قدیم ہے۔ اس عرصے میں ملتان میں نئے نئے ادبی راستوں کی جستجو کی گئی۔ اور آج الحمد للہ ملتان ادبی سرگرمیوں میں کسی علاقے سے پیچھے نہیں۔ اس سلسلے میں حسین سحر کی خدمات لازوال ہیں۔ انہیں بجا طور پر ایک عہد ساز شخصیت کہا جا سکتا ہے۔ گزشتہ ساٹھ سالوں میں جہاں ہمیں فیض احمد فیض، احمد فراز، منیر نیازی جیسے لوگ شمعِ ادب کو جلا دیتے نظر آتے ہیں وہیں جنوبی پنجاب میں یہ شمع حسین سحر اور ان کے احباب کے ہاتھوں میں لو دیتی نظر آتی ہے۔ اور اس شمعِ فروزاں اور اس کے ضیا پاشیوں کا مجھ پر اور میرے جیسے دوسرے طالبانِ علم پر کم از کم اتنا حق ضرور ہے کہ اس کی کچھ بکھری کرنوں کو سمیٹ کر اہلِ ذوق کے حضور پیش کریں۔ لہٰذا ان کی علمی کاوشوں اور شخصیت پر لکھی گئی تحریروں، تبصرہ، اور تخلیقات کے بحر بے کراں کا کچھ حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

حسین سحر کی علمی کاوشوں کو کئی گوشوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ہر گوشہ وسیع الباد Dimensions اپنے اندر رکھتا ہے۔ میں یہاں چند ایک پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

ایک معلم کی حیثیت سے انہوں نے تقریباً 35 سال تک خدمات انجام دی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے خاندانی بہبود کے محکمہ میں بھی فیملی پلاننگ آفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام

دیں۔ اس دوران انہوں نے اپنی فلاحی اور انتظامی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا اور متعدد اعزازات سے سرفراز ہوئے۔

تعلیم کے شعبے میں ان کے شاندار کارنامے اب بھی زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ انہوں نے نہ صرف اعلیٰ منتظم کی حیثیت سے اپنی صلاحیتیں منوائیں بلکہ تعلیم کے میدان میں نئی راہیں دریافت کیں۔ مثلاً وہ ان اولین اساتذہ میں سے ہیں جنہوں نے پنجابی زبان کی تعلیم کو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں روشناس کرایا۔ اور بہت سے اساتذہ اب بھی انہی کی کوششوں کی وجہ سے پنجابی کے فروغ کے میدان میں نام کما چکے ہیں۔ وہ عربی، فارسی، انگریزی اور اردو زبانوں پر بھی یکساں عبور رکھتے ہیں اور ان مضامین میں معلّمی فرائض انجام دے چکے ہیں۔

وہ ایک عالم دین بھی ہیں اور قرآن پاک کا وسیع مطالعہ رکھتے ہیں تقابل ادیان ان کی دلچسپی کا خاص موضوع ہے۔ اور اسی طرح اسلامی فکر و فلسفہ پر تحقیق ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔

وہ کئی ملکوں کی سیاحت کر چکے ہیں۔ اور وہاں کی تہذیب و ثقافت کے بارے میں وسیع علم رکھتے ہیں۔ بیرونِ ملک قیام کے دوران ان کے جمع کردہ علمی مواد کا بہت کم حصہ منظرِ عام پر آیا ہے۔ اس سلسلے میں میری نظر سے ان کی صرف ایک کتاب گزری ہے۔ اس کتاب کا نام ''نظمیں از خالد الفصیل'' ہے اور یہ سعودی شہزادہ خالد الفصیل کی عربی نظموں کا ترجمہ ہے۔

وہ اردو پنجابی اور سرائیکی نظم و نثر پر یکساں عبور رکھتے ہیں۔ انہوں نے شاعری کی تقریباً ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی معروف مطبوعہ کتب کی تفصیل ان کے کوائف میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ان کا سب سے بڑا ادبی کارنامہ قرآن پاک کا منظوم اردو ترجمہ ''فرقان عظیم'' ہے۔ وہ اس حقیقت سے مکمل طور پر باخبر ہیں کہ کسی بھی کتاب کا لفظی ترجمہ تقریباً ناممکن ہے۔ البتہ مفہوم کسی حد تک بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے ترجمے کیلئے ترجمانی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ بحرِ ہزج میں کیا گیا ہے اور اتنی سادہ، سلیس اور قابلِ فہم زبان میں ہے کہ قاری کے ذہن میں کوئی ابہام نہیں رہتا۔ منظوم کلام میں شیرینی اور روانی اس قدر ہے کہ دل پر اثر کرتی ہے۔ اس

ترجمہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ فرقہ وارانہ مباحث اور طویل حاشیوں سے مبرا ہے اور اس کی پذیرائی ہر مکتبِ فکر نے کی ہے۔ ہماری مذہبی فکر جس کو فرقہ وارانہ انتہا پسندی دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے امید ہے ان کی اس کوشش سے اعتدال پسندی کی طرف راغب ہوگی۔

حسین سحر نے متعدد مرتبہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر انٹرویوز دیے اور کئی دفعہ علمی لیکچر دیے۔ ان کی تفاصیل کو منضبط اور مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے اہلِ دانش مالی مشکلات کی وجہ سے اپنا علمی سرمایہ طالبانِ علم تک منتقل کرنے سے قاصر ہیں۔ اور ہمارے ہاں کا صاحبِ ثروت طبقہ اپنی عیاشیوں میں مگن ہے۔ اور یہ علمی دولت عدم توجہی کی وجہ سے ضائع ہو رہی ہے۔ ہم اس حقیقت سے مجرمانہ حد تک غافل ہیں کہ کسی بھی تہذیب اور قوم کی ترقی کا معیار اس کے دانشوروں کے نظریات سے وابستہ ہوتا ہے۔ حسین سحر سے میری شناسائی کوئی زیادہ پرانی نہیں لیکن ان سے ملاقاتوں کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ انہوں نے اپنی تخلیقات کا بہت کم حصہ طبع کروایا ہے۔ جس کی وجہ سے تشنگانِ علم ان سے اتنا فائدہ حاصل نہیں کر سکے جتنا کرنا چاہیے۔ ان کی ایک عجیب عادت جس سے مجھے خوشی بھی ہوتی ہے اور تشویش بھی یہ ہے کہ وہ اپنی تخلیقات کے شائع کرنے میں اتنے سنجیدہ نہیں جتنے اس بات میں کہ دوسروں کی تخلیقات لوگوں کے سامنے آئیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ادبی رسائل کے بانی اور ایڈیٹر ہونے کے باوجود وہ اپنا بہت کم علمی اثاثہ منظرِ عام پر لائے ہیں۔

یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ حسین سحر نے بہت لوگوں کی طباعت کے میدان میں رہنمائی کی اور کئی دفعہ اپنے ذاتی خرچ پر ان کی تخلیقات کو شائع کروایا لیکن ان کا اپنا بہت سا علمی مواد ابھی تک اشاعت کا منتظر ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ان کے پاس جو علمی سرمایہ ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو اب تک کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے میرے جیسے چند ارادت مندوں اور اپنے فرزندوں کی گزارشات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنے کام کو کتابی شکل دینا شروع کر دیا ہے اور گزشتہ چند سالوں میں ان کی متعدد کتابیں شائع ہو کر اہلِ علم سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ مثلاً ان کی کتاب ''فانوسِ حرم'' کو حال ہی میں پنجاب گورنمنٹ نے ایوارڈ

سے نوازا ہے۔ ہماری ناقدری دیکھیے کہ ہمارے اہلِ دانش کو اپنی تخلیقات کی طباعت کے تمام اخراجات خود ہی برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ حسین سحر بھی اپنی کتابوں پر زرِ کثیر خرچ کر رہے ہیں۔ میں انہیں ان مجاہدانہ کوششوں پر (جو میں سمجھتا ہوں کہ آنے والی نسلوں پر ان کا احسان ہے) ہدیہ تحسین پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

حسین سحر کے کام پر بے شمار تحقیقی مضامین اور تبصرے شائع ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان مقالات کی بھی کمی نہیں جو مختلف علمی محفلوں میں پڑھے گئے۔ ان پر یونیورسٹی کی سطح پر تحقیقی کام بھی ہوا ہے۔ اس سلسلے دو اہم مقالے حال ہی میں منظرِ عام پر آئے ہیں۔ ایک پرمغز مقالہ بہاءالدین زکریا یونیورسٹی کی شعبہ اردو کی طالبہ سمیرا گل کا ہے جس کا عنوان ہے ''تدوینِ کلیاتِ حسین سحر'' اس مقالے میں انہوں نے ان کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام کو ایک بسیط مقدمے کے ساتھ یکجا کیا ہے۔ دوسرا جامع مقالہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ایم فل کے طالب علم شہزاد احمد خان نے ''حسین سحر فن اور شخصیت'' کے عنوان کے تحت تحریر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اُن کے ترجمہ قرآن مجید ''فرقانِ عظیم'' کے حوالے سے بھی لاہور کے ایک ریسرچ سکالر تحقیق کر رہے ہیں۔

موجودہ کتاب سحر شناسی کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں سحر صاحب کی شخصیت اور ان کے فن اور اس کے علاوہ ان کی علمی و ادبی خدمات پر مختلف اربابِ نظر کے مضامین شامل ہیں۔

میری کوشش یہ رہی ہے کہ اس وسیع مواد سے جو میرے سامنے ہے کم از کم اتنا ضرور شاملِ کتاب کرلوں جو اس کتاب کے حجم کو مناسب حد تک رکھنے کیلئے ضروری ہو۔ اور حقیقت ہے کہ اس علمی سرمایہ کو مکمل طور پر یکجا کرنے کیلئے متعدد کتابوں کی ضرورت ہے۔ یہ کتاب نمونہ از مشتے مز خروارے کے طور پر پیش کی جارہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ ادنیٰ کوشش تشنگانِ علم کی پیاس کو ضرور کم کرے گی۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ یہ سلسلہ مزید آگے بڑھے گا اور شجرِ سحر سے میری یہ خوشہ چینی میرے اور قارئین کیلئے نشانِ راہ ثابت ہوگی۔ میں اپنی اس کوشش ناتمام میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کیلئے قارئین کی آراء کا منتظر رہوں گا۔

ڈاکٹر خان محمد ساجد

کوائف نامہ:

پروفیسر حسین سحرؔ

اصل نام:	خادم حسین
قلمی نام:	حسین سحرؔ
ولدیت:	میاں برکت علی مرحوم
تاریخ پیدائش:	01.10.1942 (بمطابق S.S.C)
مقام پیدائش:	جلال آباد ضلع فیروز پور (بھارت)
تعلیم:	ایم۔اے (اردو) پنجاب یونیورسٹی لاہور 1964ء
	ایم۔اے (پنجابی) پنجاب یونیورسٹی لاہور 1970ء
	ایم۔اے (علوم اسلامیہ) بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان 1977ء
	بی۔ایڈ ..... بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان 1980ء
	ایل ایل بی ..... بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان 1982ء
پیشہ:	سرکاری ملازمت
موجودہ حیثیت:	ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ ڈگری کالج ملتان
ٹریننگ:	۱۔بین الاقوامی زبانوں سے اردو تراجم کی ورکشاپ زیر اہتمام نیشنل بک کونسل آف پاکستان منعقدہ 1987ء لاہور میں شرکت۔
	۲۔مین پاور انسٹی ٹیوٹ اسلام آباد کے زیر اہتمام HRD & Educational Planning کورس میں شرکت جون 1993ء
	۳۔پراجیکٹ پلاننگ زیر اہتمام محکمہ پلاننگ حکومت پنجاب 1.1.1995 تا 20.1.1995
	۴۔آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس ٹریننگ جولائی 1996ء
دائرہ قلم:	شاعری۔تنقید۔تحقیق۔تاریخ۔بچوں کا ادب۔تراجم
زبان تحریر:	اردو، پنجابی، سرائیکی اور انگریزی
تصانیف (مطبوعہ):	۱۔اشتیاق اظہر فن اور شخصیت 1974ء

13

۲۔منزل کی طرف (ڈراما) 1975ء

۳۔خالد۔شخص وشاعر (تنقیدی مضمون) 1976ء

۴۔پھول اور تارے (بچوں کے لئے نظمیں) پاکستان رائٹرز گلڈ اور

اہل قلم ایوارڈ یافتہ 1976ء

۵۔باب العلم (مناقب) 1980ء

۶۔اختر مہران (مضامین) 1980ء

۷۔لہولہو (اسلام) 1981ء

۸۔پیارے رسول ﷺ (بچوں کے لئے سیرت نبویؐ)

قومی سیرت انعام یافتہ 1988ء

۹۔تقدیس (حمد ونعت) صدر پاکستان کی جانب سے قومی سیرت

انعام یافتہ 1989ء

۱۰۔بے داغ محل شائع کردہ ادارہ ''نقوش'' لاہور

(بچوں کے لئے مصور کہانی) 1990ء

۱۱۔غریب طالب علم ۔شائع کردہ ادارہ ''نقوش'' لاہور

(بچوں کے لئے مصور کہانی) 1990ء

۱۲۔تخاطب (غزلیں) 1990ء

۱۳۔تطہیر (سلام ومناقب) 1990ء

۱۴۔سپنوں کی وادی (بچوں کے لئے کہانیاں) نیشنل بک کونسل

آف پاکستان کی طرف سے 1990ء

۱۵۔ننھا تیر انداز (بچوں کے لئے کہانیاں) نیشنل بک کونسل

آف پاکستان کی طرف سے منتخب ومنظور شدہ 1991ء

۱۶۔تحسین (مضامین) 1997ء

۱۷۔کتب نما (مضامین) 1997ء

۱۸۔تجلی (دینی شاعری) 1998ء

۱۹۔صحرا میں گلاب (انتخاب) 1999ء

۲۰۔سعادت (حمد ونعت) 1999ء

14

۲۱۔مودت (سلام ومناقب) 1999ء

۲۲۔پھول کلیاں (بچوں کے لئے پنجابی نظمیں) 1999ء

۲۳۔ستارہ وہلال (قومی وملی نظمیں) 2000ء

۲۴۔ڈھیاں چھاواں (پنجابی شاعری) 2000ء

۲۵۔تنویر (دینی شاعری) 2000ء

۲۶۔ہم کلیاں ہم پھول (بچوں کے لئے) 2001ء

۲۷۔کہرے میں دھنک (اردو نظموں کا مجموعہ) 2002ء

۲۸۔نظمیں (خالد الخیصل کی عربی نظموں کا منظوم اردو ترجمہ) 2002ء

۲۹۔ننھی منی نظمیں (بچوں کے لئے) نیشنل بک کونسل

کی طرف سے انعام یافتہ 2003ء

۳۰۔فرقان عظیم (قرآن مجید کا منظوم ترجمہ) 2006ء

۳۱۔اِک سی بادشہ (بچوں کے لئے پنجابی کہانیاں)

مسعود کھدر پوش ایوارڈ یافتہ 2008ء

۳۲۔ہمارے قائد اعظم (بچوں کے لئے سوانح) 2008ء

۳۳۔پھلکاری (پنجابی سرائیکی ادب کے تراجم)

مائی جانسی ایوارڈ 2008ء

۳۴۔فانوسِ حرم (حمد ونعت) محکمہ اوقاف پنجاب نعت ایوارڈ 2008ء

۳۵۔تو سیف (مناقب وسلام) 2009ء

۳۶۔ضمیر خواب (غزلیات) 2009ء

۳۷۔دوجگ داوالی (پنجابی نعتیں) 2008ء

۳۸۔سوچ وچار (پنجابی مضامین) 2009ء

نصاب میں شمولیت: پنجاب یونیورسٹی کے ایم۔اے پنجابی کے نصاب میں چند نظمیں اور سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ کے تحت پرائمری اور مڈل کے نصاب

اردو میں نظموں کی شمولیت ۔اس کے علاوہ انٹر اور ڈگری سطح کی امدادی اور نصابی کتابوں کی تالیف وترتیب۔

شرکت: اندرون وبیرون ملک متعدد کل پاکستان اور عالمی مشاعروں اور کانفرنسوں میں شرکت

بیرون ملک سفر: ۱۔ 1977ء میں عمرہ اور 1988ء اور 1998ء میں حج بیت اللہ کی سعادت کے لئے سعودی عرب کا سفر اور قیام

۲۔ 1992ء میں امام خمینی کی برسی کے موقع پر سرکاری وفد میں شامل ایران کا دورہ

۳۔ 2002ء میں تا حال متحدہ عرب امارات کا سفر اور قیام

۴۔ 2004ء میں بحرین کا سفر

۵۔ 2006ء اور 2009ء میں زیارات کے لئے شام کا سفر

اعزازی ادارت: ۱۔ سالانہ ادبی مجلہ ''اہل قلم'' ملتان

۲۔ کالج میگزین ''دلیل سحر'' ملتان

۳۔ ''اوپن یونیورسٹی میگزین'' ملتان

۴۔ ہفت روزہ ''کلیم'' ملتان

۵۔ ہفت روزہ ''تحریک'' ملتان

ادبی مناصب: ۱۔ صدر چناب اکیڈمی ملتان

۲۔ سیکرٹری مجلس اہل قلم ملتان

۳۔ سیکرٹری پاکستان رائٹرز گلڈ ملتان سب ریجن

۴۔ سیکرٹری پاکستان چلڈرز اکیڈمی ملتان

۵۔ رکن پاکستان پنجابی ادبی بورڈ۔ لاہور

۶۔ رکن امریکن انٹرنیشنل بائیوگرافیکل سوسائٹی

۷۔ صدر پاکستان رائٹرز فورم۔ ریاض (سعودی عرب)

۸۔ تا حیات رکن پبلک لائبریری باغ لانگے خان ملتان

۹۔ رکن بزم ثقافت ملتان

اعزازات: ۱۔ پاکستان رائٹرز گلڈ ادبی انعام 1977ء

۲۔ اہل قلم ایوارڈ 1984ء

۳۔ قومی سیرت انعام 1988ء

۴۔ صدارتی ایوارڈ برائے نعت 1990ء

۵۔ یونیسف کے تحت بچوں کے مصنفین کی ڈائریکٹری میں شمولیت 1992ء

۶۔ تعلیمی بورڈ ملتان سلور جوبلی ایوارڈ 1993ء

۷۔ نیشنل یوتھ ایوارڈ 1993ء

۸۔ امریکہ اور کیمبرج (انگلستان) کے زیر اہتمام شائع ہونے والی ڈائیریکٹریوں World's whose who میں شمولیت 1995ء

۹۔ قرآن مجید کانفرنس ایوارڈ 1995ء

۱۰۔ امرشاہ وارثی ایوارڈ 2001ء

۱۱۔ کمال فن ایوارڈ زیر اہتمام حامد کرتارپوری ادبی ٹرسٹ 2002ء

۱۲۔ نیشنل بک کونسل انعام 2003ء

۱۳۔ دو قومی نظریہ ایوارڈ 2004ء

۱۴۔ شاعر اہل بیت ایوارڈ 2007ء

۱۵۔ مسعود کھدر پوش ایوارڈ 2008ء

۱۶۔ مائی جائی ایوارڈ 2008ء

۱۷۔ محکمہ اوقاف پنجاب نعت ایوارڈ 2009ء

فن وشخصیت پر تحقیقی کام:

۱۔ حسین سحر۔ فن وشخصیت علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے زیر اہتمام شہزاد احمد خان نے ایم فل کا مقالہ 2008ء میں تحریر کیا

۲۔ تدوین کلیات حسین سحر مع مقدمہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کے تحت سمیرا گل نے ایم فل کا مقالہ 2008ء میں مکمل کیا۔

فن وشخصیت پر گوشہ ہائے خاص:

۱۔ روزنامہ ''سنگ میل'' ملتان ۲۔ سہ ماہی ''دریافت'' کراچی ۳۔ سالانہ ''نقیب ادب'' ملتان

پتا: 265-A چاہ دو ہڑ والا، ملتان (پاکستان) فون: 0092-614548054

موبائل: 0312-4548054

Email:contact@hussainsahar.com

حسین سحر کی شخصیت

جلوہ بہ جلوہ۔ نو بہ نو

ڈاکٹر عاصی کرنالی

حسین سحر پر گفتگو کا آغاز صرف اور صرف اس بات سے ہوسکتا ہے کہ وہ بہت خوبصورت ہیں چہرے سے دل تک۔ اور بہت شریف ہیں ظاہر سے باطن تک۔ ان کی ذات سے کوئی سکینڈل وابستہ نہیں۔ وہ اس سبزہ بیگانہ کی طرح ہیں جس پر کسی گائے بھینس نے منہ نہیں مارا۔ ان کی زندگی شریف بہو بیٹیوں کی طرح گزر رہی ہے۔ انہوں نے صرف ایک عشق کیا ہے۔ وہ بھی اپنی بیوی سے اور وہ بھی شادی کے بعد۔ یہ بات ان کے بارے میں بہت مشہور ہے کہ وہ ایک دفعہ کہیں باہر گئے اور ایک ہوٹل میں انہیں رات گزارنی پڑی۔ راوی جو کہ اُن ہی کے کمرے میں مقیم تھا' اس کا بیان ہے کہ اچانک اس کی آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ حسین سحر باقاعدہ آہوں اور سسکیوں کے تلازمات کے ساتھ رو رہے ہیں اور آنسو ان کی آنکھ سے ٹپ ٹپ گر رہے ہیں۔ ساتھی نے پریشان ہوکر پوچھا خیر تو ہے' حسین سحر بولے' بیوی یاد آرہی ہے' تو جس کی زندگی میں ایسا وصال اور ایسا فراق ہو تو اس کی بے داغ خوبصورتی اور حیادار شرافت میں کسے کلام ہوسکتا ہے۔ ہم نے سنا ہی نہیں' بلکہ دیکھا بھی ہے اور بار بار دیکھ کر عبرت بھی پکڑی ہے کہ جن کو ہم حسین سمجھتے تھے وہ سال دو سال میں ایسے کملائے اور ایسے مرجھائے کہ ان کے چہرے حسرت کا مزار نظر آنے لگے اور پانچ دس سال کے بعد تو وہ شکستہ قبریں نظر آنے لگے۔ لیکن میں حُسین سحر کو ایک ہزار سال سے دیکھتا آرہا ہوں' وہ ویسے ہی ہیں جیسے تھے۔ عمر کی رفتار اور حالات کے نشیب و فراز اور روز و شب کی گردش اور موسموں کے تغیر کا ان پر ذرہ برابر اثر نہیں' گویا انہوں نے شباب کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی ہے اور موسم بہار کو اپنا خانہ زاد بنا لیا ہے۔ آپ ان کی صحیح عمر کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اُنہیں خود بھی اس کا اندازہ نہ ہوگا اور شاید کاتب تقدیر نے بھی اُن کی عمر کا بہی کھاتہ لپیٹ کر رکھ دیا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ حسن صورت آخر کیا ہوتا ہے اور اس کے اسباب کیا ہوسکتے ہیں اور پھر میں آسانی سے اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہوں کہ یہ سب جمال سیرت کا اثر اور حسن باطنی کی

برکات ہیں ۔ جب کوئی شخص طبعی شرافت کے سانچے میں ڈھلا ہو تو اس کے حسن کو زوال کا کیا اندیشہ ہوسکتا ہے۔ حُسین سحر کے حُسن کا ملتان ہی میں نہیں، قومی سطح پر بھی اعتراف ہو چکا ہے۔ جب قومی سیرت کانفرنس کے موقع پر اپنے ایوارڈ کی وصولی کے لئے ان کا نام پکارا گیا تو پہلی بار حسین سحر کہا گیا اور کوئی مضائقہ نہیں کہ پکارنے والے صاحب نے انہیں خاتون ہی سمجھا ہو کہ ''حسین سحر'' نسوانی نام ہی ہوسکتا ہے۔ ایک بار اور یہ پچیس تیس سال پرانی بات ہے، جب یہ حضرت سحر رومانی ہوا کرتے تھے، میرے پاس آئے اور تشویش کے انداز میں کہنے لگے۔ میں سحر رومانی کی بجائے اپنا تخلص کچھ اور رکھنا چاہتا ہوں ۔ پھر شرما کر کہنے لگے دیکھئے نا! اب تو میں رومانی کا تلازمہ اپنے ساتھ لگا سکتا ہوں لیکن آخر ایک دن بڑھاپا بھی آنا ہے اس وقت رومانی کہلاتے ہوئے شرم نہیں آئے گی کیا؟ میں نے عرض کی کہ آپ کی حد تک یہ مفروضہ غلط ہے کہ آپ پر بڑھاپا آئے گا آپ کا بڑھاپا بھی شباب کے تسلسل کا دوسرا نام ہوگا۔ آپ ابھی کسی تبدیلی پر مصر نہ ہوں ۔ خود کو رومانی کہلائیے، اگر بالفرض بڑھاپا آیا تو رومانی کو روحانی بنا لیجئے گا یعنی رومانی کے م کی گمہٹی کو ذرا کھلا لکھنے لگئے گا! بہر حال یہ اس لفظ سے ایڈجسٹ نہ کر سکے۔ حسن کو تقدس کی آب عطا کر دی یعنی حُسین ۔

خواتین وحضرات! مجھے معلوم نہیں کہ میرا ان سے کب کا رابطہ ہے۔ لیکن ایسے رابطوں کا نہ کوئی آغاز ہوتا ہے نہ انجام ۔ نہ ابتدا نہ انتہا۔ شاید عالم ارواح میں بھی ہم باہم آشنا تھے اور شاید ابدالآباد کی بیکرانی میں بھی یہ ربط روحانی قائم رہے گا۔ اس دوستی کے تسلسل میں باہمی محبت اور احترام کی وہ بلند سطح موجود ہے جہاں کوئی ذہنی اختلاف کوئی مغائرت حتیٰ کہ رائے یا خیال میں بھی کوئی دورنگی وجود نہیں پا سکتی۔ حسین سحر ہمارے شعر وادب کا ایک معتبر نام ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ ان کے سفر میں ہمیشہ ایک پیشرفت دکھائی دیتی ہے۔ آگے ہی کی طرف سفر، منزل ہی کی جانب رخ، ایک منزل سر کرنے کے بعد دوسری بلند تر منزل کی طرف گرم رفتاری! تعلیم کا رخ کیا تو ایم اے اردو، ایم اے پنجابی، ایم اے اسلامیات، بی ایڈ اور بی ایل ایل بی ۔ معاشرے پر دھیان دیا تو انیسویں گریڈ کے ایک معزز پروفیسر۔ ادب کی جانب آئے تو کتنے ہی محاذ کھول دیئے۔ بچوں کا ادب یہ تخلیق کر رہے ہیں ۔ تنقید وتحقیق پر یہ قلم اٹھا رہے ہیں ۔ نظم وغزل

یہ لکھ رہے ہیں ۔ افسانے، فیچر، ڈرامے، خاکے یہ تخلیق کر رہے ہیں ۔ دینی شاعری کی حدوں میں قدم رکھا تو حمد ونعت، سلام، منقبت ان کے مطلع فکر سے طلوع ہو رہے ہیں ۔ اردو، سرائیکی اور پنجابی یعنی تین زبانوں میں یکساں معیار سے شعر کہہ رہے ہیں رسالے نکالنے پر آئے تو السعید سے لے کر اہلِ قلم تک کئی رسائل کے ذریعے ادب وفن کی زلف آرائی اور مشاطگی اپنوں نے کی ۔ انجمن سازی پر آئے تو چناب اکادمی سے لے کر مجلس اہلِ قلم تک ان کی فتوحات کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں ۔ پبلشنگ کی جانب چلے تو مکتبہ اہلِ قلم جیسا منفرد، ممتاز اور تاریخ ساز ادارہ اشاعت قائم کرتے ہیں جس کے تحت ادباء اور شعراء کی درجنوں تصانیف کی اشاعت کا یہ اہتمام کرتے ہیں ۔ اور طباعت واشاعت میں نفاست اور معیار کا وہ رکھ رکھاؤ ملحوظ رکھتے ہیں کہ لاہور اور کراچی اور اسلام آباد کے طباعتی ادارے ان کی کاوشوں کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں ۔ میں کہاں تک حسین سحر کی شخصیت اور علمی وادبی خدمات گنواؤں ۔ حقیقتاً حسین سحر ایک دریا ہیں اور میں ان کے کنارے کھڑا صرف ان کی چندلہریں گن رہا ہوں ۔ ان کے تاج عظمت وشہرت کا سب سے آبدار موتی ان کی نعت گوئی ہے جو تقدیس کی صورت میں طلوع ہوئی ہے۔ حسین سحر کی نعت، ہماری تاریخ نعت گوئی میں ایک اضافہ ہے۔ اس تصنیف کے ذریعے نعت کا سفر آگے کی طرف بڑھا ہے۔ حسین سحر کی طبعی شرافت اور ان کے ظاہر وباطن کا حسن، نعت کی صورت میں ڈھل کر اور چمکا ہے، حسین سحر نعت کو نعت سمجھ کر کہتے ہیں ۔ یہ احساس ان کے ذہن پر طاری رہتا ہے کہ وہ کس کی ثنا رقم کر رہے ہیں ۔ ان کے نزدیک یہ تلوار کی تیز دھار پر چلنے کا عمل ہے اسی لئے ان کے یہاں ہر قدم پر احتیاط ملتی ہے اور اسی لئے شانِ رسالت کے مضامین ان کے یہاں افراط وتفریط سے خالی اور تہذیب و ادب سے معمور ہیں ۔ حسین سحر کی تمام شاعری غزل سمیت احساس فراق سے خالی ہے۔ وہ لحاتی طور پر فراق کے نقطے پر ٹھہرتے ہیں اور منزل وصال کی جانب لپک جاتے ہیں ۔ بالکل اسی طرح ان کی نعتوں میں بھی کیفیت ہجر کی بجائے اشتیاق اور نشاطِ حضوری کے مضامین کی کثرت ہے اور حاضری کے بعد دوبارہ دیدار وزیارت کی خواہش کا غلبہ ہے۔ اس لئے ان کی نعتیں عشق وعقیدت کی مہک سے معطر ہیں ۔ حسین سحر نے اپنی نعتوں کے وسیلے سے انسانی فکر وعمل میں مثبت تغیر اور تبلیغ سیرت واخلاق کا اہم فریضہ بھی انجام دیا ہے۔

حسین سحر، میرا ہمزاد

اقبال ارشد

گوراچٹا۔گول مٹول۔سیدھاسادھاصاف ستھرا۔متین وسنجیدہ اورشرمیلاشرمیلا سالڑکا سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے نپے تلے قدم اٹھاتا جب کالے منڈی سے گزرتا تو اس کے چہرے کی روشنی کچھ اور نمایاں ہو جاتی۔آنکھوں کی چمک کچھ اور بڑھ جاتی اور رفتار میں خاصی تیزی آجاتی اس کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب ہوتی کبھی کوئی رسالہ وہ اس محلے کا لڑکا نہیں لگتا تھا۔اس محلے کے لڑکے بہت شرارتی تھے

کالے منڈی کی جامع مسجد کے سامنے ایک مطب تھا، مطب کے بازو میں نسبتاً ایک فراغ گلی تھی۔گلی کے نکڑ پر ماسٹر نثار خان انجم کی یگڈس تھی۔ماسٹر صاحب آفس میں کلرک تھے۔وہ ایک پیدائشی آرٹسٹ تھے۔تصویریں بناتے تھے ان کی بیٹھک آرٹ گیلری تھی۔خوبصورت آدمی تھے میٹھی میٹھی باتیں کرتے تھے پیاری پیاری کہانیاں سناتے تھے۔ان کا خاندان سندھ میں آباد تھا۔تلاش معاش انہیں ملتان کھینچ لائی تھی۔

میں پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا اور اپنے پرائمری سکول سٹی سنٹر کی جانب سے بیت بازی کے مقابلوں میں شریک ہوتا تھا۔غیر نصابی سرگرمیوں میں پانچویں جماعت کا معیار موجودہ انوی کلاسوں سے قدرے بلند تھا۔شفیع کور، سلیم احمد، جہانگیر منور، ممتاز حسین اور الطاف حسین میرے سکول کے مانی طلبہ تھے۔مانی درسگاہ حسین آگاہی میں مختلف سکولوں کے طلبہ کے درمیان مقابلے ہوتے تھے اور وہ لڑکا بھی ان مقابلوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔

بیٹھک کے سامنے سے گزرتا تو مجھے پڑھائی اور ماسٹر صاحب کو تصویر کشی میں مصروف دیکھتا۔میری توجہ پڑھائی کی طرف کم اور آہستہ آہستہ بنتی ہوئی تصویر کی جانب زیادہ ہوتی تھی۔لیکن میری کبھی تصویر سے گفتگو ہوئی نہ اس لڑکے سے۔

اس لڑکے کو میں نے ایک دن دیوار پر چسپاں کسی جلسے کے بارے میں ایک اشتہار

پڑھتے دیکھا۔میں نے بڑی بے تکلفی سے اس کا نام پوچھ لیا۔

خادم حسین خادم، پانچویں جماعت میں پڑھتا ہوں۔بچوں کی نظمیں بھی لکھتا ہوں۔اس لڑکے نے بڑے اعتماد سے جواب دیا تھا۔

اس کا اعتماد میری بے تکلفی اور مشترکہ ذوق ہماری دوستی کی بنیاد بن گئے۔یہ ان دنوں کی بات ہے۔جب ہواؤں میں چنبیلی کی خوشبو رچی ہوئی تھی، فضاؤں میں دھنک کے رنگ تیر رہے تھے۔دلوں میں محبت تھی اور باتوں میں مٹھاس۔لوگ سچے اور کھرے تھے۔پڑھنے والے بچوں پر مہربان تھے۔

شفقت ان کی فطرت تھی اور پیار ان کی عادت۔وہ خلوص دل سے پکارتے تھے اور سکون سے جواب دیتے تھے۔کوئی اجنبی نہیں تھا، کوئی غیر نہیں تھا، سب اپنے لگتے تھے۔سارے چہرے معصوم تھے، چھل کپٹ سے دور اور ریاکاری کی سلوٹوں سے پاک۔

پانچویں جماعت پاس کر کے میں نے پائیلٹ سکول میں داخلہ لے لیا اور خادم حسین اسلامیہ ہائی سکول عام خاص باغ میں داخل ہو گئے۔دونوں سکولوں کا درمیانی فاصلہ کالے منڈی میں آکر ختم ہو جاتا اور ہم روزانہ شام کو ماسٹر نثار خان انجم کی بیٹھک میں اکٹھے ہوتے۔ایک دوسرے کو شعر سناتے، مضامین دکھاتے اور پھر ان پر بحث کرتے اور اشاعت کے لئے کسی اخبار یا رسالے کو روانہ کر دیتے۔

جامع مسجد کے نیچے سید ضیاء المتین کاظمی کی کتابوں کی دکان تھی۔کچھ دیر ہم وہاں بیٹھتے، پھر ممتاز حسین کی بک سٹال پر جا کر بچوں کی کہانیاں پڑھتے۔ممتاز حسین کے بڑے بھائی عزیز الدین قادری ہمیں زمیندار، امروز، اقدام، نوائے وقت۔قندیل اور چٹان پڑھنے کیلئے دیا کرتے تھے۔لانگے خان کی لائبریری میں موجود رسائل بھی ہمارے زیر مطالعہ رہتے۔ہم دونوں کراچی کے ''انجام'' اور جنگ کے صفحات میں چھپنے لگے تھے اور ہماری عمریں بھی بارہ تیرہ سال سے زیادہ نہ تھیں۔

ساتویں جماعت میں خادم حسین خادم نے بچوں کا کتابچہ ''ننھی دنیا'' شائع کیا۔ملتان میں اس وقت محسن اور محکم مانی دو ہفت روزے شائع ہوتے تھے۔جب ہم نے 8ویں جماعت

میں داخلہ لیا تو پہلی بار دونوں نے مل کر ایک ماہنامہ نکالا بچپن'' اس وقت پرواز جالندھری اور پروانہ ٹھوری کا ادبی مجلّہ ''تنویر'' شائع ہونے لگا تھا۔

ہمارے دوست انوار انجم وزیر پانی پتی، عابد نظامی، نیر میرٹھی، حبیب انصاری، مختار ماجدی، سید آل احمد اور ریاض مصطفیٰ تھے۔قدرے بزرگ دوستوں میں ارشد ملتانی، مسعود میکش اسرار نابش، خالد علوی، صادق علی، انعام کامران حیدر گردیزی، رفیق احمد خان اور مسلم دہلوی شامل تھے۔ جب ہم انوار انجم سے ملنے جاتے تو ان کے والد حنیف صابری اور دادا صابر دہلوی سے ضرور ملاقات ہوتی۔حضرت جگر مرادآبادی، حضرت جوش ملیح آبادی، حضرت ماہر القادری اور حضرت ساغر صدیقی کو ہم نے پہلی بار وہیں دیکھا۔جن شاعروں نے ہم سے شفقت ومحبت کا برتاؤ کیا ان میں ضیاء صدیقی جزیں صدیقی ،ایاز صدیقی انور مرزا جالندھری، عاصی کرنالی، پرواز جالندھری طاہر کپورتھلوی، وحشت ملتانی، صبوحی دہلوی، حکیم عبدالمجید راحی، صوفی آذر، عیش فیروز پوری، مذاق العیشی، ظہور نظر، مقصود زاہدی، شفقت کاظمی، آغا خاموش، شیر افضل جعفری، جعفر شیرازی، شمیم شمسی، عزیز حاصل پوری، ادب سیمابی اور الطاف پرواز قابل ذکر ہیں۔

ان دنوں طرحی مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ ہم ضیاء التین کاظمی کی دکان میں بیٹھ کر مصرع گوئی کرتے۔ جب کوئی ڈھنگ کی غزل ہو جاتی تو طلوع ادب، بزم سیماب یا ضیائے ادب کے مشاعرے میں جھجکتے جھجکتے پڑھ آتے۔ خادم حسین خادم کو جانے کیا سوجھی اس نے اپنا نام سحر رومانی رکھ لیا۔سحر رومانی ایک طویل عرصے تک چلا، پھر رومانی سے اسے چڑ ہو گئی اور آخر حسین سحر ابھر کر سامنے آیا۔ہم نے پہلا مشاعرہ ایک مذہبی ادارے میں منعقد کیا، صدارت مولانا غلام رسول مہر نے کی۔ وہ نعتیہ مشاعرہ تھا جس میں ملتان کے تقریباً تمام شاعر شریک ہوئے۔

ایک بار طاہر کپورتھلوی نے جناح ہال میں ادبی تقریب کا انعقاد کیا۔ پوسٹر میں ہم دونوں کا نام نہیں تھا۔ہم نے اس کے مقابلے میں فوراً ایک اور مشاعرے کا اشتہار دے دیا۔ ہمارا مشاعرہ بہت کامیاب رہا۔اسٹیج سیکرٹری کے فرائض دونوں نے باری باری انجام دیئے۔راجہ سلیم اختر نے صدارت کی۔ داستان بہت طویل ہے۔ سننے سنانے کے لئے وقت درکار ہے۔قصہ مختصر ہم دونوں

ادبی سرگرمیوں میں پوری طرح مصروف ہو گئے لیکن پڑھائی سے منہ نہ موڑا اور ایم اے کر کے دم لیا۔

بات تو صرف حسین سحر کی ہے مگر یہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک میں اپنے بچپن اور لڑکپن کی ادبی فضا کا حوالہ نہ دوں۔ حسین سحر نے پاکستان چلڈرن اکیڈمی قائم کی۔ چناب اکیڈمی کی بنیاد رکھی، انجمن فروغ ادب، انجمن تعمیر ادب اور بزم سیماب سے تعلق خاطر رہا۔ ملتان کے اخبارات میں خواتین اور بچوں کے لئے الگ صفحات ترتیب دیئے مختلف ناموں سے ادبی کالم لکھے، انجمنیں بنائیں، رسالے نکالے ،ملتان اور ملتان سے باہر ادبی تقریبات منعقد کیں۔

حسین سحر بہت محنتی آدمی ہے۔تھکنے کا نام نہیں لیتا۔ صبح 6 بجے سے رات گئے تک ادبی وعلمی کاموں میں مشغول رہتا ہے۔کوئی نہ کوئی جنجال پال رکھتا ہے مجلس اہل قلم کے تحت کتابیں چھاپتا ہے ادبی مجلہ نکالتا ہے اور اپنے سراولیت کا سہرا باندھ لیتا ہے۔اہل قلم ایوارڈ بھی اس سلسلے ایک کڑی ہے

حساس آدمی ہے مگر زود رنج نہیں۔ نیک اور شریف گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔وضعدار اور مہمان نواز ہے۔لڑائی جھگڑے سے دور بھاگتا ہے۔تنقید برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ تحسین سے زیادہ خوش نہیں ہوتا اس کی ذات سے کوئی سکینڈل منسوب نہیں، سائیکل چلانا اور سگریٹ پینا تک نہیں جانتا۔نائی کی ناٹ بہت اچھی باندھتا ہے، خوش اخلاق خوش اطوار ہے رکھ رکھاؤ کا قائل ہے مستحق لوگوں کی حتی المقدور مدد کرتا ہے۔نرم گفتار ہے، شور سنتا ہے اور نہ مچاتا ہے۔اپنی رو میں مست چلا جاتا ہے، دھن کا پکا ہے لوگوں کے مشورے بڑے خلوص سے سنتا ہے کرتا وہی ہے جو من میں سمائی ہو، طبیعت کا گداز، مہذب وشائستہ اور محبت کرنے والے باپ سے ملا ہے، خود شفیق باپ ہے محبت کرنے والا شوہر ہے اور خلیق اور زمین استاد ہے، میں لوگوں کو ناراض کرنے کے فن میں ماہر ہوں، لیکن کوشش کے باوجود اس مرد نیک کو ناراض نہیں کر سکا ذہین حیران ہوں کہ اسے غصہ کیوں نہیں آتا۔

میں پورے ملک کی لڑائیاں سمیٹ کر سحر تک لے آتا ہوں۔ مگر یہ اپنی طرف سے معذرت طلب کر لیتا ہے۔لوگ مجھ پر دانت پیستے رہ جاتے ہیں اور میں انہیں نظر انداز کر کے آگے

بڑھ جاتا ہوں۔

سحر رنگوں اور خوشبوؤں کا شاعر ہے۔ طمانیت و سکون کا نغمہگر ہے اس کی شاعری میں خلوص آمیز حدت ہے۔ مہذب نوجوان کی نرم نرم اور سہی سہی محبت ہے۔ یہ اسٹیج پر آ کر شعر پڑھتا ہے۔ صدا کاری نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ مشاعروں کے متین اور سنجیدہ سامعین اسے پسند کرتے ہیں اور وہ ملتان اور ملتان سے باہر ہر بڑے مشاعرے میں ضرور بلایا جاتا ہے۔

وہ ایک اچھا منتظم ہے اور مشاعرے کے سلسلے میں تو اس کا حسن انتظام دیکھنے کے قابل ہے۔ اس نے ملتان میں مشاعروں کی دم توڑتی ہوئی روایت کو از سر نو زندہ کیا اور اسے صحت مندانہ طور پر آگے بڑھانے میں بڑی مدد کی ہے اور میں سمجھتا ہوں یہ اس کی بہت بڑی خدمت ہے۔

دبستان ملتان کو صحیح معنوں میں دبستان ملتان بنانے میں جہاں اور لوگوں کا حصہ ہے وہ بھی اس میں پوری طرح شریک ہے۔

''حسین سحر'' طبعاً نفاست پسند آدمی ہے اشیاء کو مرتب شکل میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ پورے کا پورا ماحول ایک اچھا ڈرائینگ روم بن جائے۔ یہ کسی بھی غیر نفیس، غیر شائستہ اور غیر مہذب شخص کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اپنی طرح مخاطب کے خیالات و گفتگو میں بھی پاکیزگی چاہتا ہے خوبصورت ہے خوبصورت لوگوں سے ملتا ہے۔ بھلے مانس ہے۔ بھلے مانسوں کی رفاقت پسند کرتا ہے۔

یہ اتنا شریف اور نیک انسان ہے کہ اس پر مضمون لکھنے سے پہلے مجھے خاصی دیر تک یہ سوچنا پڑا کہ میں کیا لکھوں اور کیسے لکھوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ اپنے بچپن کے دوست کو ولی اللہ ثابت کرنا چاہتا ہوں۔

ہم 1952ء سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ خوشی و غم میں شریک، ہم قدم اور ہم سخن۔ ہم ایک دوسرے کے نجی اور گھریلو معاملات میں مداخلت نہیں کرتے۔ ایک دوسرے کو اپنے انداز سے سوچنے، اور چلنے کا مشورہ نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے درمیان خالصتاً ذاتی

معاملات پر کبھی جھگڑا نہیں ہوا۔ ادبی و علمی موضوعات پر اختلاف رائے ضرور ہے اور اس کا ہم دونوں کو حق حاصل ہے۔

سحر اپنے آپ کو کبھی نمایاں ہونے کی کوشش نہیں کرتا (نمایاں ہونے سے مراد یہ کہ ہم عصروں کو بار بار اپنے وجود کا احساس دلایا جائے) سحر بہت اچھا پلانر ہے۔ چند لمحوں میں ایک کل کائنات مشاعرہ ترتیب دے سکتا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی لائبریری قائم کر سکتا ہے اور کوئی عالمی نوعیت کا رسالہ نکال سکتا ہے۔ یہ دس لاکھ کا مجمع اکٹھا کر کے ادبی تقریبات منعقد کر سکتا ہے لیکن اس کی صدارت کے لئے نام تجویز نہیں کرے گا اور نہ مجھ سے تائید کرائے گا، یہ اعزاز کسی معذور شخص کی جھولی میں ڈال دے گا۔

شعراء حضرات تقدم و تاخر کے سلسلے میں بہت حساس ہوتے ہیں لیکن حسین سحر کی ترتیب دی ہوئی فہرست کی جامعیت سے انکار کرنے والا شاہکار نرگسیت کا شکار ہوگا۔ یہ حزم احتیاط اور ہنرمندی سے فہرست مرتب کرتا ہے اور فنکشن کامیاب کرا کے اپنی ٹوپی میں چند نئے پروں کا اضافہ کر لیتا ہے۔

حسین سحر بنیادی طور پر ایک مصلح ہے لیکن یوں نہیں کہ دُرّہ پکڑ کر غیر صالح کی ٹھکائی شروع کر دے۔ بس وہ لوگوں کو ٹھیک دیکھنے کا خواہش مند ہے۔

لوگوں کو ٹھیک ٹھاک دیکھنا تو میں بھی چاہتا ہوں مگر میری عینک کا نمبر دوسرا ہے اور معیار بھی کچھ الگ ہے لیکن ٹیٹھے کہ درہ استعمال کرنے کا قائل میں بھی نہیں۔

مجھے معلوم نہیں کہ قد و قامت ''ناپنے کیلئے'' کسی شخص کیفس میں کن باتوں کا ہونا ضروری ہے لوگوں کو اپنے اپنے انداز میں کچھ معیار تنقید ہے اور کچھ کاروبار مگر سحر کا اپنا سٹائل ہے۔ وہ دانش ور کو مزاج و طبع سے پہچانتا ہے۔

ہمارے فنائی شاعری ہونے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ ہمارا کوئی غیر شاعر دوست نہیں۔ ہم نے آج تک کسی ادبی تقریب میں شرکت نہیں کی ہم کسی غیر شاعر کے ساتھ بیٹھ ہی نہیں سکتے، میں ایک بات عرض کروں شاعر پارٹ ٹائم نہیں ہوتا۔ خوشامدی نہیں ہوتا اپنی ذات کا

پر چار نہیں کرتا اپنی تشہیر کے ذرائع تلاش نہیں کرتا، مضمون نہیں لکھواتا، شامیں نہیں منواتا ۔ یہ وہ کام کرتے ہیں جو اس بات سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ لوگ نہیں تسلیم نہیں کرتے، شاعر کا یہ مسئلہ نہیں ۔ کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے شاعر بہر حال شاعر ہوتا ہے۔، اپنی قد وقامت کی بات ۔ یہ زمانہ خود طے کر دیتا ہے دھواں دھار تقریر کروانے اور بار بار فرمائشی مضمون لکھوانے سے کیا فائدہ ایسے لوگ بہت جلد نایاب ہو جاتے ہیں ۔

حسین سحر کوئی فلسفی نہیں ۔ سیدھا سادہ شاعر ہے ۔ سچا پاکستانی ہے، اپنے گھر ۔ اپنے بچوں اور رشتہ داروں سے پیار کرتا ہے ۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں ۔ وہ کتنا مشہور آدمی ہے ۔ برصغیر میں اسے کتنے لوگ اسیجانتے ہیں اس کے کتنے شعر زبان زد خاص وعام ہیں وہ اپنی بات منوانے کے لئے غلط تشریحات کا سہارا نہیں لیتا اور خطبہ صدارت میں وہ بات ہرگز نہیں کرتا جس پر اس کا ایمان نہیں ہوتا ۔

سحر تازہ دم شاعر ہے ۔ میری یہ چند باتیں اظہار محبت تو ہو سکتی ہیں لیکن اس کی ہمہ گیر پرکشش اور دل آویز شخصیت کا احاطہ نہیں کر سکیں ۔

حسین سحر اور میں لازم وملزوم ہیں وہ میرا جڑواں دوست ہے میری پہچان اس کے حوالے کے بغیر اور اس کی پہچان میرے حوالے کے بغیر ممکن نہیں ۔

چنانچہ میں حسین سحر کو اپنے وجود اور اپنی ذات سے الگ نہیں سمجھتا اور ان لوگوں کو بہت برا سمجھتا ہوں، جو اپنی تعریف آپ کرتے ہیں ۔

خوبصورت، بھرپور اور وضعدارانہ زندگی گزارتے ہوئے مجھے کبھی تنہائی اور اکیلے پن کا احساس نہیں ہوا ۔ میرے ساتھ ہمیشہ حسین سحر رہا ہے ۔ ہم باہمی رفاقت میں ہنستے ہنستے روئے بھی ہیں اور روتے روتے ہنسے بھی ہیں ۔ نصف صدی گزر گئی شاید کچھ لوگوں کیلئے یہ طویل عرصہ ہو آدھی یا پوری زندگی پر ۔ ہمارا تو دس سال کی عمر سے جو تعلق خاطر قائم ہوا نوے اور سو برس تک دراز ہو سکتا ہے ۔ مگر ان دنوں بھی یہی معلوم ہوا کہ دو نہایت شریر وسنجیدہ لڑکے بچوں کی کہانیاں اور نظمیں لکھ رہے ہیں چھپ رہے اور بڑھ رہے ہیں ۔

ہم نے جس عمر میں ادبی زندگی سے رشتہ استوار کیا اس عمر میں بچے گلی ڈنڈا کھیل رہے ہوتے ہیں ۔ ہم اپنا جیب خرچ کتابچے چھاپنے معروف شخصیات کو خطوط لکھنے اور رسائل کے مدیران کو اُن کی فرمائش پر نظمیں ارسال کرنے میں خرچ دیتے ۔ پندرہ سولہ برس کی عمر میں ادبی پروگراموں کے انعقاد پر اچھا خاصا پیسہ خرچ ہوتا ۔ مگر ہم گھر سے رقم حاصل کر لیتے اور پروگرام کامیاب کرا دیتے ۔

اب میں سوچتا ہوں کہ یہ سب کچھ کیسے ہوتا رہا ۔ کہ اتنے کم عمر طالب علم ادب کے بارے میں اتنا کچھ کیسے جانتے تھے ۔ انہوں نے اتنا ڈھیر سارا ادب کیسے پڑھ لیا تھا ۔

اپنی یادداشت اور حافظے پر پورا اعتماد رکھنے کے باوجود مجھے یاد نہیں کہ سحر سے میری پہلی ملاقات کب ہوئی تھی ۔ دھندلا دھندلا سا عکس ہے ۔ اور غالباً یہ عکس .....روزِ ازل روحوں کی قربت سے تعلق رکھتا ہے ۔ ہمارے اچھے دوست بھی وہی ہوتے ہیں جو روحی طور پر ایک دوسرے کے قریب رہے ہوں ۔

حسین سحر ظاہری وباطنی حوالوں سے ایک اچھا اور خوبصورت انسان ہے ۔ مشکل اور پریشانی میں کام آنے والا ساتھی جب مجھے ایک محکمے سے بلا جواز بہت سے ملازمین سمیت نکالا گیا تو سحر مجھ سے زیادہ پریشان ہوا ہم سب کی یہ سبک دوشی ایک خاتون وزیر اور جنرل ضیاء الحق کی برخود غلط پالیسی کا نتیجہ تھی وہ محکمہ اس کے بعد کوئی بہتر کارکردگی نہ دکھا سکا ۔ میں ایک اور محکمے میں چلا گیا ۔ سحر مجھے ملنے کے لئے گوجرانوالہ آیا ۔ محبت اور اُنس کی ایسی مالیں کم کم ہیں ۔

ہماری خوش نصیبی یہ ہے کہ ہمیں بچپن سے اس ادھیڑ عمری تک بہت اچھے احباب ملے ۔ جھل کپٹ مکر وریا سے پاک ۔ ہمارا کوئی غیر شاعر دوست نہیں حتیٰ کہ سیاست دانوں سے رابطہ نہ رہا ۔ اس سے نقصان ہوا کہ ہم مفت میں حاصل کئے جانے والے عہدے نہ پا سکے ۔ ویسے یہ ہمارا مقصد بھی نہیں تھا ۔ حسین سحر پرنسپل کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے اور میں نے پبلک ریلیشنز کا اہم شعبہ چھوڑا ۔ اللہ کا شکر ہے یہ ساری کامیابی ذاتی محنت کا نتیجہ تھی ۔ اللہ نے ہمیں ہمیشہ سرخرو رکھا ہم نے کاسہ لیسی یا کسی در کی گدائی نہ کی ۔ حمد ونعت وسلام کا صلہ ملا اور خوب ملا ۔

حسین سحر کا تعلیمی کیریئر بہت شاندار اور قابلِ تقلید ہے۔ یہ فرسٹ ڈویژنر ہے۔ ایم۔اے اردو 1964ء میں کیا۔ پھر اس کے بعد ڈگریوں کی قطار لگادی۔

ہم دونوں کبھی ایک ادارے میں نہیں پڑھے۔ قیامِ پاکستان کے وقت میں مسلم ہائی سکول انبالہ کی دوسری جماعت میں تھا اس سکول میں میرے دو عزیز استاد تھے۔ اور بہت سے طالب علم جو تحریک پاکستان کے نمایاں افراد میں شامل رہے۔ سحر نے پرائمری پاک گیٹ سکول ملتان سے، میں نے سٹی سنٹر سکول سے، سحر نے ہائی عام خاص باغ سے، میں نے گورنمنٹ سکول سے۔ بی۔اے، میں نے اسلامیہ کالج سے اور سحر نے ایمرسن کالج سے پاس کیا۔ البتہ ایم۔اے پنجاب یونیورسٹی سے کی۔ ہاں لاء کالج میں ہم اکٹھے ہوئے۔ ایک کلاس میں میں اور وہ قریب قریب بیٹھتے تھے۔ میں نے ایف ای ایل پاس کیا اور گوجرانوالہ بسلسلہ ملازمت چلا گیا۔ سحر نے ایل ایل بی کر کے دم لیا اور اپنی ڈگریوں میں ایک اور اضافہ کر لیا۔

حسین سحر کا اپ ڈیٹ مطالعہ ہے شاید کسی اور کا نہ ہو وہ شاعری کے خالص فنی معاملات پر حرفِ آخر ہے۔ فی البدیہہ شعر کہنے میں ید طولیٰ رکھتا ہے۔ شاعری کی کوئی صنف ایسی نہیں جو سحر کے فکری محاسن سے آراستہ نہ ہوئی ہو۔

خوش لباس خوش اخلاق اور خوش اطوار سحر حیات آفریں نظریات رکھتا ہے۔ سادہ اور معصوم ہے لوگوں کے کام آتا ہے۔ مالی امداد کرتا ہے۔ غریب شاعروں اور ادیبوں سے تعاون اس کی ایک عام سی عادت ہے۔ ہمارے ایک بزرگ شاعر دوست تھے۔ اختر انصاری اکبرآبادی۔ جو حیدرآباد سے نئی قدریں نامی رسالہ نکالتے تھے۔ ایک سال میں دو چکر ملتان کے لگاتے۔ ٹھہرتے تھے گلڈ ہوٹل میں مگر سالانہ خریدار حسین سحر کے ذریعے بناتے۔ 1959ء سے 1985ء تک نئی قدریں کی مالی مدد میں سحر بھائی کا حصہ خاصا رہا۔

سید مظفر حسین تاثیر نقوی اور ان کے اعزاء میں نصیر الاجتہادی قمر لکھنوی اور محشر لکھنوی بھی ہمارے مہربان تھے۔

قمر لکھنوی بہت اچھے شاعر تھے۔ حسین سحر کے گھر آئے کہنے لگے ہم کل نہیں ہونگے۔

سب کچھ آپ ہی کو کرنا ہے۔ کراچی ہمارے اعزاء رہتے ہیں۔ انہیں بھی اطلاع دے دیجئے گا اور واقعی دوسرے روز قمر لکھنوی فوت ہو گئے۔ تجہیز و تکفین حسین سحر نے انجام دی۔ یہ اعتماد اور ایمان کی بات ہے مجھے بعض اوقات احساس ہوتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس میں ہمارا عمل دخل نہیں۔ بس ہو رہا ہے۔ جو کام جس ذریعے سے ہونا ہے اسی ذریعے سے ہوتا ہے یہ فراست و عقل بھی اُسی کی دین ہے۔ جو سب کچھ کئے جا رہا ہے۔ جو لوگ اعتماد و ایمان کے لائق ہیں وہی دراصل اللہ والے ہیں۔ باقی تو عام ہیں یعنی عوام الناس۔

حسین سحر بہت سنجیدہ انسان ہے۔ شعر کہتے وقت سنجیدگی میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ اس کا کوئی مصرع فالتو نہیں ہوتا۔ مربوط اور مکمل۔ یہ پیدائشی شاعر ہے۔ تلمیذ الرحمان۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے خوب خوب نوازا ہے۔ علم و دانش، خلوص و مروت پیار۔ ایک اچھے پس منظر اور پیش منظر نے بھی اس کی ذات کو جلال و جمال عطا کیا ہے۔ سحر کی خوش طبعی اور راست فکری اس کے مہذب و شائستہ والد بزرگوار کی سیرت سازی کا کرشمہ ہے۔ کیا مجال کہ اس کنبے کا کوئی فرد بد سلیقہ رہا ہو۔

حسین سحر کو غصہ کم اور پیار زیادہ آتا ہے۔ مگر ان دونوں میں یہ اعتدال و توازن کا قائل ہے۔ معاشرتی تعلق میں بھی وہ بہت آئیڈیل انسان ہے۔ لڑائی جھگڑے سے گریز کرتا ہے۔ حالانکہ اس کا ایک زوردار گھونسہ مقابل کو ہسپتال پہنچا سکتا ہے۔

جس نے نیک و سعید زندگی گزاری ہو اس پر کیا لکھا جائے۔ شاید یہ بات درست ہے اور غالباً ہے بھی کہ ہمیں ایسی شخصیات کے بارے میں پڑھنے کو کم ملتا ہے۔

سحر شریف آدمی ہونے کے باوجود ایک ایسی ہستی ضرور ہے جس پر لکھا جائے اور بہت سا لکھا جائے۔ یہ ایک عالم بے بدل اور خطیبِ مکمل ہے۔ جب بولتا ہے تو یوں بولتا ہے جیسے بلبل ہزار داستان۔ اپنی بات سے اپنا حوالہ دوسروں کے حوالے کیوں۔ کس لئے؟ زبان عام اور سادہ۔ نہ زیادہ فارسی نہ زیادہ عربی۔ میں تو دسویں تک سائنس پڑھتا رہا ہوں۔ اردو میں نے پڑھی ہی نہیں مجھے اردو میں تقریر کرنے کا حق ہی حاصل نہیں۔ سحر مشرقی زبانوں کا فاضل ہے۔

میں سحر کے مقابلے میں لڑا کا ہوں ۔ بلا سوچے سمجھے بندوق بردار سے بھی لڑ پڑتا ہوں ۔ ویسے میں دو تین بار معاف کر دیا کرتا ہوں ۔

سحر دل گداز و فراخ حوصلہ رکھنے والا انسان ہے ۔ بہت برداشت ہے اس میں، متحمل مزاج اور پر سکون انسان ۔۔ ولایت حسین اسلامیہ کالج کی پرنسپلی کے دنوں میں دو عاقبت نا اندیش نام نہاد طلبہ نے اپنے مفاد غرض اور اپنی جھوٹی انا کو جھوٹ موٹ کی تسکین پہنچانے کیلئے سحر کی کنپٹی پر پستول رکھ دیا تھا ۔ یہ لمحے کتنے جان سوز تھے ۔ سحر نے انتہائی سکون سے بتائے بعد میں ان مجرموں کو معاف بھی کر دیا ۔ میں ان معاملات میں عرب کا اونٹ ہوں ۔ مجھے ایسی فطرت کے باغ بہت نقصان پہنچا ۔ مگر حسین سحر کی ذاتی زندگی میرے لئے خاص عقیدت کا سبب بنی رہی ۔ اور میں اپنے اندر تبدیلیاں کرتا رہا ۔ سحر نے اپنے طلبہ اپنی اولاد اپنے خاندان کی سچی رہنمائی کی ۔ اس خاندان کی عظمت میں اسکا کردار بہر حال سب سے نمایاں ہے ۔

فخر ہوتا ہے قبیلے کا سدا ایک ہی شخص

نثر نگاروں نے سوانحی خاکہ لکھنے کا ایک عام سا معیار مقرر کر رکھا ہے ۔ وہ کسی شریف اور سادہ شخص کی ذات پر کم لکھتے ہیں کہتے ہیں کیا لکھیں جس نے پندرہ بیس عشق نہ کئے ہوں ظالم زمیندار کی طرح لوگوں سے مزارعین والا سلوک روا نہ رکھا ہو ۔ اور چالاکی کے بہت سے کارنامے انجام نہ دیئے ہوں وہ کردار بننے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا ۔ یہ نثر نگار لوگوں کی خوابگاہوں میں جھانکنا ہی نثر نگاری خیال کرتے ہیں ۔

ہمارا بچپن لڑکپن اور ہماری جوانی یوں گزرے جیسے موسم بہار گرما اور سرما کیا دن تھے ۔ انہیں یاد کرنے کی بات بھی نہیں یہ سارے عکس ابھی تک آنکھوں میں ہیں کل ہی کی تو بات ہے سکول سے آنے پر ذمہ کام کرنا اور پھر تھوڑی دیر آرام کے بعد ایک دوسرے کی تلاش میں نکل کھڑے ہونا کبھی سحر میرے گھر آتے کبھی میں ان کے گھر دونوں کے گھر والے بہت خوش ہوتے ۔ پھر ہم شاعروں ادیبوں اور دوستوں کے گھروں کی طرف نکل کھڑے ہوتے ۔ شہر اس وقت چھوٹا تھا لوگ بہت محبت کرنے والے تھے تھوڑی ہی دیر میں پورا شہر کھنگال مارتے کالج کے دنوں میں ذرا

سنجیدگی آ گئی سحر کہتے ۔

آج کا دن بھی ہو گیا ضائع

میں گرہ لگاتا

ٹھوس تھا جو وہ بن گیا مائع

ان دنوں کوئی ایسا اخباری دفتر نہ تھا جس میں ہمارا عمل دخل نہ ہوتا ادبی رپورٹنگ ہوتی کالم لکھے جاتے تنقیدی پروگراموں میں شرکت ہوتی ہم سب سے بڑھ چڑھ کر بولتے ۔ بزرگوں نے ہمارے عجیب عجیب نام رکھے ہوئے تھے ۔ چھوٹی بڑی سوئیاں ۔ ادب کے نزاکت علی خان سلامت علی خان ۔ بزرگ شعرا بھی کیا تھے آمادہ بہ اصلاح رہتے ۔

ہم نے تمام امتحانات اعزاز کے ساتھ پاس کئے کبھی رکاوٹ پیش نہ آئی عملی زندگی کا آغاز بھی کم عمری میں کیا ۔ شادی بھی کم عمری میں ہوئی ۔ اللہ نے اولاد اچھی دی ۔ حسین سحر جب اپنے بیٹوں شہزاد اور مہزاد کی فراست اور ذہانت کی باتیں کرتے ہوئے خوش ہوتا ہے تو مجھے بھی دلی مسرت ہوتی ہے ۔ جب میں فریحہ اور مدیحہ کے بارے میں باتیں کرتا ہوں تو سحر یوں خوش ہوتا ہے جیسے اس کی اپنی بچیوں فوزیہ اور عافیہ کا ذکر ہو ۔ ہم دونوں کی بیویاں بڑی صابر اور شاکر ہیں ۔ کئی بار تو ایسا ہوا کہ ہم دو دو تین تین دن باہر رہے ۔ مشاعرے پڑھتے ہوئے دور تک نکل گئے ۔ واپسی پر بازپرس کا خیال بھی آیا مگر دونوں معزز خواتین نے کبھی شکایت نہ کی ۔ ہم دونوں کی دوستی محبت کی بنیاد پر استوار ہے خلوص کا یہ معیار آپ کو مشکل سے کہیں اور نظر آئے گا ۔ میں بہت بولتا ہوں جب کوئی شخص حسین سحر سے میری شکایت کرتا ہے تو وہ کہتا ہے "یار اس کی بات چھوڑو وہ تو پاگل ہے تو اپنی بات کر" یوں آج تک کسی کو ہمیں ایک دوسرے کے خلاف کرنے کی جرأت نہ ہوئی ۔ ویسے ہم کسی کی غیبت نہیں کرتے کسی کے خلاف بات کرنا دراصل اسے اہمیت دینا ہوتا ہے ۔ ہم جن دوستوں کو اہمیت دیتے ہیں ان کے خلاف باتیں کیوں کریں ۔ شاعری سے اچھا کوئی شوق اور کار خیر نہیں لیکن بندے کا شاعر ہونا ضروری ہے ۔

کبھی کبھی خیال آتا ہے یہ کس چکر میں پھنس گئے ہیں ہم سیاست کرتے مزے میں

رہتے یوں بھی تو سیاستدانوں کوتقریریں لکھ لکھ کر دیتے رہے ہیں۔ہم دونوں میں ایک وصف بھی ہے کہ ہم نے آج تک کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائے۔اپنی ذاتی غرض سے ملاقات نہیں کی چندہ نہیں لیا اللہ نے ہمیں اپنے کرم سے نوازا ہے ایسی کوئی صورت حال پیش نہیں آئی سحر بخشش کے معاملات میں بہت آگے ہے اسے معلوم ہو جائے کہ فلاں ضرورت مند ہے تو اس کی مدد ضرور کرتا ہے۔اور عام طور پر ان شاعروں اور ادیبوں کی کفالت میں آگے آگے رہتا ہے جن کے مالی حالات اچھے نہیں شاعروں اور ادیبوں کا ایک گروہ ہر وقت ایسے خوشحال لوگوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔جو مدد کیا کرتے ہیں میں انہیں عام طور پر سحر کی طرف روانہ کر دیتا ہوں۔

لکھتے لکھتے مجھے خیال آیا کہ میں نے مضمون نگاری یا انشا پردازی کے مروجہ اسالیب کو مدنظر نہیں رکھا یہی لکھتا رہا ہوں کہ میرا ممدوح شریف اور خوبصورت ہے۔اب یہ صفات کسی اور میں بھی ہو سکتی ہیں ملا میں بھی شریف آدمی ہوں۔پھر حسین سحر کا اختصاص کیا ہے۔اسے ہم کس بنیاد پر دوسروں سے الگ قرار دے سکتے ہیں۔وہ جس محفل میں ہو۔نمایاں نمایاں نظر آتا ہے۔ گفتگو میں متارکن لہجہ۔لفظوں کی ادائیگی۔۔پھر۔۔کوئی جملہ زائد نہ کوئی فقرہ فالتو۔بات کا آغاز جس موضوع پر ہوگا۔انجام بھی اُسی موضوع پر۔۔یہ نہیں کہ ابھی ابھی وہ انشائیہ سے متعلق اظہار رائے کر رہے تھے۔اور آخر آخر.....ملتان میں غزل گوئی پر اتر آئے۔

اب یہ بھی نہیں کہ حسین سحر دنیا کے تمام علوم سے کماحقہٗ واقف ہو۔۔وہ فنِ موسیقی کے راز ہائے سربستہ کھولنے بیٹھ جائے۔وہ باخبر انسان ہے۔باخبر ہونا ضروری ہے۔زیادہ علم بھی نقصان ہی دیتا ہے۔یہ امر حسین سحر کی شخصیت کا ہمیں اور آپ کو ادراک کراتا ہے۔

وہ پیار اور محبت سے رہنے والا شخص ہے۔اس کا مسئلہ یہ نہیں کہ وہ کتنا بڑا شاعر ہے۔یہ مسئلہ اس کا ہے۔جو شاعر ہی نہیں۔کبھی اسے خیال نہیں آیا کہ مشاعرے میں جو اس کے بعد پڑھ رہا ہے وہ عمر اور فن کے لحاظ سے خاصا چھوٹا آدمی ہے۔پڑھ رہا ہے۔تو پڑھنے دیجئے۔

ہم دونوں نے بہت سے لوگوں کو متعارف کرایا۔انہیں پروجیکٹ کیا۔پھر ان کی خصومت کا شکار ہوئے۔مگر وہ کب کے مر گئے۔زندہ وہ رہا۔جو عجز و انکسار سے رہتا ہے۔

حسین سحر نے کئی حج اور کئی عمرے کئے۔یہ فرائض اس کی حیات ہیں اور ادائیگی۔۔ مقصد حیات وہ غزل سلام اور نعت کا ایک مالی شاعر ہے۔جس کی تقلید کی جاتی ہے۔

نثر نگاری میں بھی اس کا ثانی نہیں۔یہ میں ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں وہ سچ اور سادہ لکھتا ہے۔اسے فلسفی بننے کا شوق نہیں۔اس کی تحریروں میں مشکل لفظ نہیں ملیں گے۔سب مستفیض ہونگے۔لغت دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

حسین سحر میرا دوست ہے۔میرا بھائی ہے میرا ساتھی ہے۔میں ہوا کے بغیر رہ سکتا ہوں مگر سحر کی محبت کے بغیر نہیں وہ اتنا پیارا۔اتنا پیارا اور اتنا پیارا ہے جتنا میرا اپنا پیکر میرا اپنا وجود۔اور جو شخص اپنے پیکر اور اپنے وجود کا احترام نہیں کرتا۔وہ خارج از انسانیت ہوتا ہے۔حسین سحر جو کچھ کہتا ہے وہ اس کی ذات کا احساس ہے۔یہ جو غیر ملکی پروپیگنڈے کے تحت مختلف النوع نظریات قائم ہو جاتے ہیں۔اس کے فکر و نظر کو سہارا نہیں دیتے۔اس کی ذات جس میں دینی و ملی مقاصد نہاں ہیں۔اس کا سرچشمہ جذبات ہے۔جس کا اندر خالی ہے وہ کچھ بھی نہیں۔ہمارے عہد میں ادب برائے ادب' ادب برائے زندگی۔ترقی پسند ادب روایت پرستی۔اور نہ جانے کیا کیا؟ خوب خوب رواج پذیر تھے۔بحثیں ہوتیں لڑائیاں ہوتیں۔جھگڑے فساد ایسے ایسے طرم خان محفلوں میں شور مچاتے کہ کیا کہئے ہم نے انسانیت آدمیت وطن اور معاشرے کا ساتھ دیا۔وہ سارے نظریات اڑا اڑا گئے۔سچے لوگ رہ گئے۔

وہ اچھا نقاد بھی ہے۔تنقیدی مضامین میں اس کا اپنا مطالعہ کارفرما ہے۔وہ لیکچر نہیں ہوتا۔اور نہ ہی ان دانش وروں کے حوالے لاتا ہے۔جن کا ہماری ثقافت اور ہمارے ادب سے تعلق نہیں۔حسین سحر۔جو کچھ ہے۔بلا کم و کاست ظاہر ہوتا چلا جاتا ہے۔۔اور یہی بات اس کے اندر لازوال کشش پیدا کرتی ہے۔

حسین سحر

محمد افسر ساجد

حسین سحر کا نام غائبانہ طور پر ان کے بارے میں ایک خواب شہزادے کا تاثر قائم کرتا ہے۔ ان کی شخصیت اتنی وجیہ ہے کہ سامنے آنے پر بھی یہ تاثر نہیں ٹوٹتا پہلے خادم حسین کہلاتے تھے۔ آہستہ آہستہ سحر رومانی بن گئے۔ ادب کے علاوہ چونکہ دیگر فنون لطیفہ سے رغبت نہ تھی لہذا پھر جون بدلی اور حسین سحر ہو گئے۔ جو وہ تادم تحریر ہیں۔ بچپن سے ہی طبیعت ادب کی طرف مائل تھی اقبال ارشد کی طرح بچوں کے ادب میں ان کا بھی بڑا کنٹری بیوشن ہے۔ کافی عرصہ تک بڑے ہو کر بھی بچوں کے لئے لکھتے رہے بڑی مشکل سے انہیں بڑوں کے ادب کی طرف راغب کیا گیا۔

بہت منکسر مزاج ہیں۔ زبان و بیان پر قادر ہیں شاعر بھی ہیں اور نثر نگار بھی۔ پہلے ترنم سے شعر پڑھا کرتے تھے۔ بعد ازاں بلال جعفری کے حق میں دستبردار ہو گئے! مکتبہ اہل قلم کے منتظم و منصرم ہیں کم قیمت پر معیاری ادبی کتابیں چھاپنے کے علاوہ ایک ادبی مجلّہ ''اہلِ قلم'' بھی شائع کرتے ہیں۔ فی زمانہ ادب کی اس سے بڑھ کر اور کیا خدمت ہو سکتی ہے۔

حسین سحر ادب میں میانہ روی کے پرچارک ہیں۔ مشاعرہ پسند زعمائے ادب کے دبستان سے تعلق رکھتے ہیں عام طور پر ملتان، کوٹ ادو، لیہ دائرہ دین پناہ، بورے والا، چیچہ وطنی سرکٹ پر منعقد ہونے والے شاعروں میں شرکت کرتے ہیں اور وہ بھی اقبال ارشد کی ہم رکابی میں۔ ادبی مجالس میں بڑی احتیاط سے شریک ہوتے ہیں۔ اور امتحانی مصروفات سے کچھ وقت بچے تو اہل و عیال کی طرف بھی متوجہ ہوتے ہیں چھوٹے فاصلوں کا سفر زیادہ تر پیدل کرتے ہیں۔ ہائی وے پر تانگوں میں چلتے ہیں۔ کبھی کبھار موٹر سائیکل کی عقبی نشست پر بیٹھے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔

ادبی مجالس کی کمپیئرنگ بخوبی کر لیتے ہیں۔ ایسے موقوں پر ان کے ''حیرت نگاہ'' سامعین ناظرین بن جاتے ہیں۔ علیٰ ھذا القیاس سال میں ایک دفعہ کراچی ضرور جاتے ہیں۔ وہاں کے ادیبوں سے تجدید تعلقات کے لئے آپ کا تذکرہ ملتان میں اردو شاعری میں بھی آیا ہے۔ ملتان کے ادبی حلقوں میں انہیں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔

سحر رومانی

اعتبار ساجد (ملتان)

ایک ایسے گورے آدمی کا تصور کیجئے جس کی کنپٹیوں کے بالوں کے چند باغی سرے دائیں بائیں اوپر اٹھے ہوئے ہوں اور وہ ناک کے نیچے مسکرا رہا ہو۔ یہ سحر رومانی ایم اے ہوگا۔

سحر رومانی بچوں کا شاعر ہے لیکن لکھتا بڑوں ہی کے لئے ہے لکھنے کی ابتداء بقول سحر رومانی اس وقت ہوئی تھی جب وہ طفل مکتب تھا اور گردوں اور گردوں میں امتیاز نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ کئی بار نیرنگی کو نارنگی سمجھ کر شعر کہہ گیا اور سکول کے جلسوں میں پڑھ بھی آیا اور لطف یہ کہ انعام بھی لے آیا لیکن جب شعور کے دریچے کھلے تو اس کے اندر چھپا ہوا بڑا شاعر ہمک کر باہر آ گیا اور کائنات کی رنگین وسعتوں میں سرخ دائروں اور سپید پروں والی تتلی کی طرح اڑنے لگا۔ یہ پرواز اس کا حق تھی۔ اس پرواز نے اسے ان خوبصورت وادیوں میں پہنچایا جہاں محبت کے سپید بے داغ پھول کھلتے ہیں اور خلوص کی نیم گلابی کلیاں جلتے چراغوں کی لوؤں کی طرح لرزتی ہیں۔ اس نے کلیوں سے محبت کی اور اسے بچوں سے پیار ہو گیا۔ بچے جو اس کائنات کا حسن ہیں اور اس متعفن ماحول میں تیرتی ہوئی خوشبو ہیں۔ سحر نے بچوں کے لئے لکھنا شروع کیا۔ سن بلوغت تک پہنچنے سے پہلے وہ بچوں کے ہر ستھرے رسالے کا پسندیدہ شاعر بن چکا تھا اور ہونٹوں آنکھوں اور دلوں تک پہنچنے لگا تھا حالانکہ عمر کا یہی دور بڑا جذباتی اور اندھا دور ہوتا ہے۔ چونکانے اور شہرت کی اشرفیاں سمیٹنے کے خواہشمند اس دور میں ناہید عرف خواب غفلت جیسی چیزیں لکھتے ہیں، اور نارزن موت کی آغوش میں پڑھتے ہیں لیکن سحر کے حساس دل و دماغ پر وقت کے اور ہی تقاضے مسلط تھے جو فی غیر اہم نہ سہی لیکن بچوں کے لئے لکھنا تو اہم ہے اور اس نے جناتی برگد پر صحت مند اور خوبصورت شاعری کو ترجیح دی۔ ہوتا یوں ہے کہ جب آدمی اپنی عمر کا خول توڑ کر ماحول کے دوزخ میں نمودار ہو تو چند لرزتے بھڑکتے شعلے ضرور اس کی طرف لپکتے ہیں یہاں عزم اور جذبات میں خونریز جنگ ہوتی ہے اور فنکار کو شعلوں کی دیواروں سے گزرنے کے لئے اپنا راستہ خود بنانا

پڑتا ہے۔ کم ہمت تھک کر اپنا وجود شعلوں کی نذر کر دیتے ہیں اور سحر رومانی ایم اے جیسے ٹھنڈے شعلے دہکتے شعلوں سے لڑتے بھڑتے اس گلزار میں پہنچ جاتے ہیں جو ہر مارِ نمرود کے بعد معرض وجود میں آتا ہے۔

سحر رومانی کی شخصیت ایک رائیٹنگ ٹیبل کی سی ہے جس کی دو دراز یں ہیں۔ ایک دراز کا نام ہے سحر رومانی اور دوسری دراز اقبال ارشد کہلاتی ہے۔ دونوں کی جوڑی مشہور ہے میں انہیں دو ایسے کبوتر کہتا ہوں جو دو مختلف سمتوں سے آئے، چند لمحے تک ایک دوسرے کے گرد منڈلاتے رہے، پھر ایک ساتھ پروں کی مشترکہ جنبش کے ساتھ ایک طرف گھومے اور اڑتے اڑتے دور نکل گئے۔

قطع نظر اس بات کے کہ دونوں میں چند نظریاتی اختلافات بھی ہیں اور دونوں کے مزاج میں تھوڑا بہت فرق بھی ہے۔ وہ دونوں بدستور ساتھ ساتھ اڑ رہے ہیں ہوسکتا ہے کہ آپ کو شاعر سحر رومانی سے مل کر قدرے مایوسی ہو۔ بات یہ ہے کہ اس میں روایتی شاعروں والی کوئی بات نہیں، وہ نہ شیروانی پہنتا ہے نہ سگریٹ پیتا ہے، نہ پان کھاتا ہے میں نے ایک روایتی شاعر کو ان حقائق سے روشناس کرایا تو وہ سخت تعجب کے عالم میں بولے ''سحر پان نہیں کھاتا؟ سگریٹ نہیں پیتا، ہوٹلوں میں نہیں بیٹھتا، ایں! پھر وہ زندہ کیسے رہتا ہے کمبخت؟'' میں نے دل ہی دل میں سحر رومانی پر تحسین و آفرین کے ڈونگرے برساتے ہوئے مزید کہا کہ وہ تو جناب چائے کو بھی لسی بنا کر پیتا ہے' لاحول ولاقوۃ' وہ نتھنے پھلا کر بولے ''یوں کہو وہ شاعر نہیں آدمی ہے''۔

اب میں کیا کہوں۔ سحر کی شخصیت اور فن میں ہم آہنگی تو ضرور ہے لیکن جس سحر رومانی کو آپ جانتے ہیں وہ اس سحر رومانی سے مختلف ہے جس کی شخصیت پر غیر شاعر کا لیبل لگا دیا جاتا ہے۔ جوان ہے لیکن طبعیت میں اشتعال نہیں۔ غیظ و غضب کا جتنا سلگتا ہوا لاوا اس کی شخصیت کے کسی کونے کھدرے میں پڑا ہے، وہ اسے قسط وار اقبال ارشد پر انڈیلتا رہتا ہے۔ اقبال ارشد میں صفت یہ ہے کہ وہ واعظ بہت جلد بن جاتا ہے سحر کو ناصحوں سے بڑی چڑ ہے وہ پورے طیش سے اُبل پڑتا ہے نتیجہ ایک محاذ جنگ کی صورت میں نکلتا ہے۔ دونوں نثر میں شاعری کرنے لگتے ہیں۔ ایسے میں اگر

انہیں کوئی دیکھ پائے تو اسے سخت تشویش اور نقص امن کا خطرہ محسوس ہونے لگتا ہے یوں لگتا ہے جیسے دونوں اپنی اپنی کرسیوں سے کاؤبوائے فلموں کے ہیروز کی طرح اٹھیں گے۔ سحر اطمینان سے پانی کا جگ اٹھائے گا اور چھن سے اقبال کی کھوپڑی پر دے مارے گا پھر یکلخت بے قرار ہو کر اقبال کو اپنے سینے سے لپٹائے گا۔ اور اس کے بہتے ہوئے خون پر اپنا رومال رکھ کر بڑی معصومیت سے پوچھے گا ''زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟''

لیکن ایسا ہوتا اسی صورت میں ہے جب سورج مغرب سے نکلنے اور مشاعرہ چاند پر ہو۔ دونوں کی جھڑپیں مشہور ہیں۔ سیز فائر کے بعد اگر دونوں کو ایکسرے پلانٹ میں لے جایا جائے تو ان کے دلوں میں ہلکی سی شکن تک نظر نہیں آئے گی۔ دونوں اسی طرح ہشاش بشاش نظر آئیں گے جیسے پہلے تھے۔

سحر انتہا پسند نہیں ہے لیکن اعتدال پسند بھی کب ہے۔ اس کی شخصیت میں کئی موڑ ہیں، جن میں سے ایک موڑ اس کا انداز گفتگو ہے۔ آپ سے گفتگو کرتے وقت وہ کئی پینترے بدلے گا۔ ایک عام سی بات تو اتنے رازدارانہ انداز میں پیش کرے گا کہ آپ اختلاف رکھتے ہوئے بھی اس کی تائید کر بیٹھیں گے۔ دائیں ہاتھ کی پانچوں انگلیاں پھیلا کر وہ کسی بات کی ابتداء کرے گا۔ انگلیاں سمٹیں تو دور سے دیکھ کر سمجھ جایئے کہ اس کا لہجہ مدہم ہو چکا ہے۔ انگلیاں پوری طرح پھیلیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب اس نے پٹڑی بدل لی ہے پھر اس کی گفتگو کے موضوع کا ایک تعلق اس کی کمر سے بھی ہے پینتالیس درجے پر اس کی انگلیاں سمٹ کر اپنا رخ کلائی کی طرف کر لیں گی اور بالوں کی ایک شوخ لٹ گھڑی کے پنڈولم کی طرح دائیں بائیں ہلنے لگے گی یہ انتہائی رازداری کی علامت ہے۔

اسلے کھلنڈرے پن سے مسکراتا دیکھ کر آپ کو گمان تک نہیں ہوسکتا کہ وہ دو بچوں کا ڈیڈی ہے تو مجھے یوں لگا جیسے اب وہ یہ کہنے والا کہ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ لیکن حقیقت کو لفاظی کی بھینٹ نہیں چڑھایا جاسکتا۔ یہ درست ہے کہ اس نے صد ہا نظموں کے ساتھ ساتھ ایک بد نظمی بھی کی ہے جسے وہ شادی کہتا ہے اور دو سنڈے ایڈیشن کی تکمیل بھی جنہیں وہ اپنی اولاد کہتا ہے۔ اس کی

گھریلو زندگی بڑی پرسکون ہے بیوی کو غزلیں سنا کر اس نے کبھی پریشان نہیں کیا۔ بچوں کو البتہ وہ گود میں لے کر اپنی نظمیں، لوریاں، دوہے، قطعے اور گیت سناتا ہے خود بھی جھومتا ہے اور انہیں بھی رلاتا ہے۔ لطف یہ کہ یہ سب کچھ بڑی خاموشی سے انجام پایا جاتا ہے۔ حالانکہ ازدواجی زندگی میں وہ بہت مخلص اور سنجیدہ ہے۔

ادبی بڑھوتری کا اس نے کبھی پرچار نہیں کیا اور نہ چائے خانوں میں جا کر ہنگامے کئے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بجائے خود ایک خاموش ہنگامہ ہے۔ بڑی خاموشی بڑی رازداری سے وہ اندر ہی اندر جانے کیا سوچتا رہتا ہے اپنے دماغ میں اس نے کئی پنجسالہ منصوبے ترتیب دے رکھے ہیں جن کا اظہار وہ فوقتاً اپنے انتہائی بے تکلف دوستوں سے کرتا رہتا ہے۔ بیداری کے خواب Day Dreaming دیکھنا اس کی کمزوری ہے۔ بقول اقبال ارشد وہ خواب بہت دیکھتا ہے لیکن پیسے کم خرچ کرتا ہے۔

سحر رومانی سے ملنے کے لئے آپ کو اندھیرے کی دیوار پھاندنی پڑے گی۔ اندھیروں سے بخیر و خوبی گزر آنے کے بعد اب اندھیرے اجالے کا سنگم تلاش کیجئے۔ سحر رومانی ایم اے آپ کو اندھرے سے اجالے کے سنگم پر باہیں پھیلائے کھڑا مل جائے گا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہو گی۔ آنکھوں میں خوشی کے آنسو اس لئے کہ آپ اندھیروں سے نکل کر سحر سے گلے مل رہے ہیں۔

مسافر اپنی کوئی سرزمین نہیں رکھتے

عذرا نقوی۔ ریاض

بہت سی پرانی باتوں کے ساتھ ساتھ، آج کی انٹرنیٹ دنیا میں ایک اور بہت اہم روایت بھی معدوم ہوتی جا رہی ہے۔ ہماری تہذیب کی پرانی روایت تھی کہ محلے پڑوس میں، خاندان میں یا تعلیمی اداروں میں کوئی ایسی شخصیت ہوتی تھی جس کے پاس لوگ جا بیٹھتے تھے اور اپنے دامن میں کچھ علم و دانش کے موتی لے کر اٹھتے تھے۔ ادب، سیاست، شعر و شاعری اور دلچسپ باتوں سے یہ محفل سجانے والے ہماری تہذیب کا ایک اہم حصہ رہے ہیں۔ ان محفلوں سے نئی نسل کی تربیت ہوتی تھی۔

اپنے وطن سے دور اک نئی دنیا جو ہجرتوں میں ہم نے بسائی ہے۔ اس میں یہ روایت کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں لیکن پھر بھی اگر دل میں کچھ سیکھنے کی لگن ہو تو ایسے قابل لوگ مل ہی جاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے مانٹریال میں اپنے بیٹے کے ساتھ شان الحق حقی رہتے تھے حالانکہ طبیعت کی خرابی کے باعث وہ زیادہ کہیں آتے جاتے نہیں تھے مگر اس شہر کے ادب نواز لوگ ان کو ایک استاد ہی کا درجہ دیتے تھے اور ان سے فیض یاب ہوتے تھے۔ ایسے ہی نیویارک میں علی گڑھ کے پرانے پروفیسر منیب الرحمٰن رہتے ہیں۔ ان کو بھی اسی طرح عزت اور تکریم ملتی ہے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ سعودی عرب میں کچھ ایسے لوگ ہمارے نصیب سے مل ہی گئے۔ ان میں سے ایک پروفیسر حسین سحر ہیں جو پچھلے بارہ برس سے دمام اور ریاض کے ادبی اور علمی حلقوں میں ایک چھتنا درخت کی طرح سایہ فگن تھے اور اب ایک اور نئے ملک میں اپنی شخصیت کا سحر پھیلانے کے لئے ہم سے رخصت ہو رہے ہیں۔ پروفیسر صاحب کا ہی ایک شعر ہے:

جدھر سے گزریں جہاں سے جائیں سب نگراں کے
مسافر اپنی کوئی سرزمین نہیں رکھتے

پروفیسر حسین سحر واقعی صحیح معنوں میں پروفیسر ہیں جنہیں صرف اور صرف علم و ادب

ے کام ہے۔ چالیس کتابوں کے مصنف اور مؤلف ہیں جن میں غزلوں کا مجموعہ،نعتوں کے دو مجموعےاور بچوں کے لئے متعدد کتابیں شامل ہیں۔ پاکستان کی کئی نصابی کتابوں میں ان کی تصنیفات شامل ہیں، صدارتی ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔ ان کے فن و شخصیت پر ادبی رسالے ''نقیب ادب'' کا حسین سحر نمبر بھی نکل چکا ہے۔آپ ملتان کے مشہور کالج کے پرنسپل رہ چکے ہیں۔اب ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ اور بھی دل جمعی سے علم وادب کی خدمت کر رہے ہیں۔

سعودی عرب میں اپنے قیام کے دوران انہوں نے ہر طرح سے ''صحرا میں گلاب'' کھلائے۔ پروفیسر صاحب جب پاکستان رائٹرز فورم کے صدر تھے تب سعودی عرب میں مقیم اردو شعراء اور ادیبوں کی تخلیقات کا انتخاب ''صحرا میں گلاب'' مرتب کیا تھا۔ چند برس پہلے شہزادہ خالد الفیصل کی نظموں کا ترجمہ بھی اردو ادب کو پیش کیا۔مگر ایک بہت بڑا خزانہ وہ سعودی عرب سے ساتھ لے کر جا رہے ہیں۔آٹھ سال کی انتھک محنت اور لگن سے قرآن مجید کے اردو میں منظوم ترجمے 'وفرقانِ عظیم'' کی سعادت ان کے نصیب میں آئی جس کو انٹرنیٹ پر www.furqaneazeem.com پر دیکھا جا سکتا ہے۔

اپنی ساری علمیت کے باوجود آپ اس قسم کے پروفیسر نہیں جو خود کو عقل کل سمجھتے ہیں اور ہر بات ''میں تم کو بتاؤں'' سے شروع کرتے ہیں۔حسین صاحب کو کبھی کسی کا مذاق اڑاتے نہیں دیکھا، کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔گفتگو کے دوران کبھی کسی کی بات نہیں کاٹتے، چاہے کتنی بھی لایعنی گفتگو ہو۔ ہاں! جب پانی سر سے اونچا ہو جائے تو ''جواب جاہلاں باشد خموشی'' پر عمل کرتے ہوئے سر جھکا لیتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس عمل میں ان کا سرخ وسفید چہرہ کچھ اور بھی گلگوں ہو جاتا ہے۔کسی بات کی تردید کرنی ضروری ہی ہو جائے تو بہت دھیرج سے بات کہہ دیتے ہیں اپنی تمام علمیت اور قابلیت کے باوجود پروفیسر حسین سحر صاحب نے ''استاذ'' کا چولا کبھی نہیں پہنا جو اپنے شاگردوں کا ایک حلقہ اپنے چاروں طرف بنائے رکھتے ہیں۔انہوں نے ہر طرح کی ادبی گروپ بندی سے ہمیشہ دامن بچائے رکھا۔کبھی یہاں کی ادبی دنیا میں ہندوستان اور پاکستان کی تخصیص نہیں کی۔ ان کا علمی اور ادبی مقام ان حدود سے بالاتر ہے۔اردو ادب سے تعلق رکھنے

والے مقامی ہندوستانی لوگوں نے بھی ان کو اتنی ہی عزت دی جس کے وہ حقدار ہیں۔ان کی ایک الوداعی پارٹی میں جہاں ریاض کی بیشتر پاکستانی تنظیموں کے نمائندے جمع تھے وہیں کئی ہندوستانی ادیب اور سماجی کارکن بھی موجود تھے۔

بردباری اور انکساری کا کچھ ایسا امتزاج ان کی شخصیت میں ہے جو کسی ایسے ہی انسان میں ہو سکتا ہے جس کی علمیت چھلکنے کے لئے بے تاب نہ ہو۔ان سے ہر ملاقات میں ان کے علم و فن کا ایک نیا پرت کھلتا ہے۔ان کے ٹھہر ٹھہر کر ہر لفظ کو تول کر بولنے کے انداز سے بہت سے لوگوں نے اپنی گفتگو کو سنوارا ہے۔محافل میں وہ صدر کی کرسی پر بہت جچتے ہیں۔ چاہے محفل چھوٹی سی غیر رسمی ہو یا باقاعدہ کوئی منظم بڑی محفل، چاہے یوں ہی شوقیہ ادبی لوگوں کی بیٹھک ہو یا نامور لکھنے والوں کا ساتھ، چاہے بڑا سا ہال ہو یا کوئی چھوٹا ریسٹورنٹ وہ اپنی پوری سنجیدگی اور ذمہ داری سے تقریر کرتے ہیں۔کبھی خطبہ صدارت رواروی میں نہیں دیا۔ ہمیشہ موقع کی مناسبت سے دل جمعی سے اپنی بات کہنا، ہر منتظم اور مہمان کو فرداً فرداً مخاطب کرنا ان کا خاص انداز ہے۔بعض اوقات ہم جیسے جلد بازوں کو الجھن بھی ہوتی تھی کہ ہر کس وناکس کا نام لینے کی کیا ضرورت ہے لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ سچ ہے۔کہ محفل میں جب کوئی اپنا نام بطور خاص سنتا ہے تو دل کتنا بڑا ہو جاتا ہے حسین سحر خیال خاطر احباب کا بہت لحاظ رکھتے ہیں۔ یہاں ان کا ایک شعر یاد آ گیا:

تیری سرشت میں نہیں شعلوں سے دوستی
تو خاک ہے تو خاک کے ذروں سے پیار کر

ان کی سنجیدگی اور بردباری کو دیکھ کر اندازہ لگانا مشکل ہے کہ پروفیسر حسین سحر قصہ گوئی کے بھی ماہر ہیں۔ بس ماحول سازگار ہونا چاہیے۔ وقت کی پابندی نہ ہو، حاضرین محفل کچھ حس مزاح رکھتے ہوں، پھر دیکھئے انداز گل افشانی گفتار، پرانے رفقائے کار کے قصے، انہی کے لہجے میں پورے ڈرامائی انداز میں ان سے بارہا سنے ہیں۔ میواتی لوگوں کے قصے ہوں۔ ہریانوی یا روہتکی زبان کے لوک ادب کا تذکرہ ہو، کسی لکھنوی دوست کی شستہ اردو کی داستان، وہ ان ہی لوگوں کے لہجے میں اس طرح سناتے ہیں کہ ان کرداروں کو آپ کبھی نہیں بھول سکتے۔شاید یہی حس ظرافت حسین سحر کے چھوٹے بیٹے مہر ادسحر کو ورثے میں ملی ہے۔ان کے فکاہیہ مضامین کے دو

مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ان غیر رسمی محافل میں حسین سحر کے ساتھ جب ہم لوگ ہوتے اور جب بات سے بات نکلتی تو نہ جانے کتنے ادبی رموز و نکات، تاریخی اور مذہبی حوالے، اشعار، ان کی مہربانی سے ہماری جھولی میں آجاتے تھے حالانکہ وہ خود تو یہ کہتے ہیں:

تمام عمر تخاطب مرا مجھی سے رہا
سوال میں نے کئے تھے جواب میرے ہیں

پروفیسر حسین سحر جیسے لوگ کہیں بھی چلے جائیں اپنے پیچھے ایسی یادیں چھوڑ جاتے ہیں جو وقت کے ساتھ دھندلی نہیں ہوتیں۔ان کے کچھ اشعار جواب ہماری یادوں کا حصہ ہیں:

یہاں تو اپنی ہی خوبی ہے ذات کی دشمن
سلگ رہے ہیں کئی پیڑ اپنی چھاؤں میں

جو ہم سفر تھے وہ کس طرح ساتھ چھوڑ گئے
دیا بھی ہم نے بجھایا نہ تھا پر کہنے کو

چاروں طرف سلگتے بگولے ہیں رقص میں
محسوس ہو رہا ہے کہ صحرا سفر میں ہے

بصارتوں کے لئے چاہیے بصیرت بھی
یہی شعور مرے نکتہ چیں نہیں رکھتے

گر اس کا چہرہ ہے شفاف آئینے جیسا
تو میرا عکس مجھے کیوں نظر نہیں آیا

حُسین سحر جو حسین بھی ہیں سحر انگیز بھی

حافظ عبدالوحید فتح محمد۔ریاض

جناب حسین سحر پروفیسر، استاد، عزیز اور شاعر جو پاکستان میں 30 سال تک تدریس کیف رائض سرانجام دینے کے بعد 10 سال قبل ریاض تشریف لائے تھے، نہ صرف استاد ہیں بلکہ غزل گو اور نظم جو شاعر بھی ہیں، نعت پاک کی صنف اور منقبت پڑھنا ہی نہیں بننا بھی جانتے ہیں، جو فقط شاعری ہی نہیں کرتے بلکہ نثر میں بھی اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔پروفیسر حسین سحر نے ادبی محاذ پر تقریباً اردوئے مبین کی تمام اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔حسین سحر نے یہ سب کچھ نہ بھی کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے جو یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ آپ نے اس اشرف الکتاب ''قرآن کریم'' اشرف اللغات ''عربی'' میں اشرف الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتاری گئی اشرف الملائکہ ''جبرئیل'' کے ذریعے اشرف المکان مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اور اشرف الماہ رمضان المبارک اور اشرف رات لیلتہ القدر اور اس پر ایمان لانے والی اشرف امت ''امت مسلمہ'' کا منظوم ترجمہ کرنے کی سعادت اور شرف حاصل کیا ہے وہی ان شاءاللہ آپ کے لئے کافی تھا، دنیا اور آخرت کیلئے۔

حسین سحر جو کہ خود حسین بھی ہیں اور سحر انگیز بھی! اگر آدمی ان کی غزلیں، نظمیں، مبارک نعتیں، کلام، گفتگو اور تقاریر نہ بھی سن سکتا ہو اور ان کو شخصی طور پر نہ بھی جانتا ہو تو ان کے پاس بیٹھ کر ذہنی بالیدگی کا احساس ہوتا ہے اور تطہیر افکار کو جلا ملتی ہے۔ان کی زبان کی سلامت فکری وضاحت، خیالات کی فصاحت، معاملات کی ملاحت، محبت کی صباحت اور حسن سماعت اپنے اندر اتنی کشش رکھتا ہے کہ جو شخص ایک دفعہ مل لیا وہ دوبارہ ان سے ملنے کی تمنا کرتا ہے۔

پروفیسر حسین سحر نے کہا کاتب نے لکھا، قاری نے پڑھا، سامع نے سنا، مجھ جیسے عامی نے سمجھا، اردو نیوز اردو میگزین نے طبع کیا۔''میری دوستی اور ذہنی قربت ان لوگوں سے رہی جن کا اسلام اور پاکستان سے گہرا جذباتی اور نظریاتی لگاؤ تھا۔میں ادب برائے ادب کا قائل بھی نہیں ہوں کیونکہ یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے یعنی میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پس منظر کے طور پر کوئی نہ کوئی نظریہ ضرور کام کرتا ہے جس کا اظہار فنی انداز میں ہو جائے تو ادب کہلاتا ہے۔میرا

ایمان ہے کہ مسلمان سب سے بڑا انسانیت پسند اور روشن خیال ہوتا ہے۔ اسلام جدید ترین اور ہر عہد کا دین ہے۔ میں الحمدللہ، کسی طرح بھی اپنے مسلمان ہونے پر معذرت خواہ نہیں ہوں۔''

ہمارے عوام اور سیاستدان تو جو کچھ ہیں سو ہیں حکومتیں بھی صرف اسی فکر میں مبتلا ہیں کہ ان کے ذرائع ابلاغ ہندوستانی ثقافت اور ہندوستانی ٹی وی کا کس طرح مقابلہ کریں۔ ان مناظر اور مظاہرے سے ہٹ کر نہیں بلکہ ان سے کچھ بڑھ کر پیش کرنے کی کوشش میں ہیں۔ حالانکہ اصل کام فکری اور علمی ہوتا ہے۔ جس سے ایک تہذیب وجود میں آتی ہے۔ کل بھی تہذیبی غلبے کا دور تھا اور آج بھی یہی ''فرمان امروز'' ہے۔ قومیں ہلے گلے سے نہیں علم وفکر سے سربلند ہوتی ہیں۔ آج یورپ جین اور برگر کھا کر اور اس وجہ سے غالب نہیں بلکہ ''رسل'' اور ''سارتر'' کی وجہ سے بلند اقبال ہے جبکہ ہم حرفی اور بمبی، یورپی اور امریکی تہذیب پر نچھاور ہو رہے ہیں۔ جس نہج پر ہم نکلے ہیں اور ہمارے ذرائع ابلاغ جس راہ پر نکل کھڑے ہوئے ہیں اس سے تو یہی لگتا ہے کہ جو قوم مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے لئے آمادۂ سفر ہوئی تھی یا سے ترکستان پہنچا کر ہی دم لیں گے۔ جس قوم کو اس کا ضمیر اگر امیر نہیں بنا سکتا تو وہ ہمیشہ گداگر ہی رہے گی اور اگر کسی کا دل اسے غنی نہیں بنا سکتا تو ذہن بھی اسے بے نیاز نہیں بنا سکتا۔ ضمیر علم سے امیر ہوتے اور دل فقر سے غنی بنتے ہیں۔ ''علم وفکر'' پاکستان کے مفکر، مصور اور مبشر علامہ اقبال کا ایجنڈا تھا اور ہمیں اسے ہی پروموٹ کرنے کی ضرورت ہے اور آج حسین سحر اپنی کاوشوں کا مرکزی کینوس علامہ اقبال کے ہی ایجنڈے پر مرکوز کئے ہوئے ہیں۔ حسین سحر غزل کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''الیکٹرانک میڈیا کتنی ہی ترقی کر جائے، کتنے ہی چینل سامنے آئیں، شاعری خاص طور پر غزل کے زندہ رہنے کے بے پناہ امکانات ہیں۔ آج کی غزل، زندگی کے بدلتے ہوئے مزاجوں کی عکاسی کرتی ہے۔ مختلف ملکوں میں جہاں اردو بولی لکھی اور سمجھی جاتی ہے، غزل اس کے ماحول سے متاثر ہو کر مختلف جہتوں اور سمتوں میں سفر کر رہی ہے۔ آج غزل، نعت پاک، حمد مبارک اور منقبت ماں، بہن اور دوسری اصناف اور رشتوں کی حد تک پھیل چکی ہے۔ اب غزل کا کہنا فقط عورت سے باتیں کرنا ہی نہیں رہ گیا۔ حسین سحر کی ایک غزل کا شعر ملاحظہ فرمائیں۔

آ گئے دل میں غم و رنج کے سائے کیسے
دیس اپنا ہے تو پھر لوگ پرائے کیسے

حسین سحر کا سحر

محمد یونس قاضی

ایک تقریب میں موجود چمکدار پیشانی، دمکتا چہرہ، مسکراتی آنکھیں، ستواں ناک کشادہ سینہ، کلین شیو، سلجھے ہوئے بال اور سفید شلوار قمیض میں ملبوس اجلی رنگت کی حامل، مردانہ وجاہت کی مرقع شخصیت سے تعارف کراتے ہوئے جب میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ ان سے ملئے یہ ہیں حسین سحر تو بے اختیار میرے منہ سے یہ نکلا۔ حضور آپ سے زیر زبر پیش کی غلطی ہوگئی ہے در اصل یہ حسین نہیں بلکہ (حُسینِ سحر) ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ خالق نے جو حُسن و وجاہت آپ کو عطاء کی ہے وہ کسی شاعر کو خال خال ہی نصیب ہوتی ہے ورنہ عام طور پر شاعر کا نام سنتے ہی ذہن میں بکھرے بال، بڑھتی ہوئی شیو اور پریشان حال انسان کا خاکہ چلا آتا ہے۔

حسین سحر نہ صرف ایک اچھے شاعر بلکہ اس سے زیادہ اچھے انسان بھی ہیں انکی شاعری، مضمون نگاری، تراجم اور دیگر اصناف سخن پر تبصرہ کرنا مجھ جیسے ادب سے نابلد شخص کیلئے نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ یہ کام تو ان لوگوں کا ہے جو اس میدان کے سرخیل ہیں۔ عام طور پر لوگ انہیں شاعر، ادیب اور ماہر تعلیم کے طور پر جانتے ہیں لیکن یہ بات بہت سے لوگوں کے علم میں نہیں کہ حسین سحر ایک بہت بڑے ساحر بھی ہیں اور ان کے سحر کے اثرات کو زائل کرنا میرے بس تو کیا آپ کے بس کی بھی بات نہیں ہے۔ دراصل ان کی شخصیت ہے ہی ایسی جو ایک بار انکی زلفوں کا اسیر ہوگیا تو وہ کبھی رہا ہوا ہی نہیں۔ میں یہ بات بڑے وثوق سے کہہ رہا ہوں اور ثبوت کے طور پر یہاں پر موجود سامعین کی تعداد کو پیش کر رہا ہوں جو ہماری دعوت پر نہیں بلکہ ان کی شخصیت کے سحر سے کھچے چلے آئے ہیں۔

دوستو آج ہم سب کا یہاں پر اکٹھا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم ایک ایسی شخصیت کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں جس نے اپنے آپ کو نہ صرف علم وادب اور شعر و فن کے لئے وقف کیا ہوا ہے بلکہ اس نفسانفسی کے دور میں ان کا دل پوری انسانیت کی فلاح و بہبود

کے لئے دھڑکتا ہے ۔لوگ عرب ممالک میں عمومی طور پر دولت اکٹھا کرنے کیلئے آتے ہیں لیکن میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ حسین سحر یہاں دولت بانٹنے کے لئے آئے تھے جی ہاں علم و ادب کی دولت، پیار وخلوص کی دولت اور لازوال محبت کی دولت، انہوں نے جزیرہ نمائے عرب کے ریگزاروں میں محبتوں کے جو گلاب کھلائے ہیں ان کی مہک صدیوں تک ایوان فکر وفن کو مہکاتی رہے گی ۔ان کا لگایا ہوا نخلِ سخن ہمیشہ ثمر بار رہے گا اور ان کے روشن کئے ہوئے لاتعداد چراغ آسمان ادب پر فروزاں رہیں گے۔

کسی کا قول ہے کہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے وہ اس کی صلاحیت کی بنا پر ملتا ہے اور اگر اس سے کچھ چھنتا ہے تو وہ اسکی اپنی کوتاہی کے سبب سے چھنتا ہے لیکن میرے نزدیک دنیا میں چند انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر اللہ کا خاص کرم ہوتا ہے اور وہ ان کو اپنے فضل و کرم سے بے حساب نوازتا ہے اور اس کی جیتی جاگتی مثال حسین سحر کی ہے ان کی کتاب زندگی کا وہ کونسا باب ہے جسے رب نے ادھورا چھوڑا ہو۔مثال کے طور پر ان میں موجود پختگی کو لے لیجئے آپ دیکھیں گے کہ ان کے مزاج میں ثابت قدمی، خود اعتمادی، ایمانداری، ایفائے عہد، انکساری، بڑے سے بڑے حالات میں انتہائی صبر وشکر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی استعداد موجود ہے۔وہ مشکل کو مشکل نہیں سمجھتے بلکہ اپنے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ایک بہتر حل تلاش کرتے ہیں اور اسے اپنی ترقی کا زینہ بنا لیتے ہیں اور یہ ہی انسانیت کا کمال ہے اور ایسے ہی افراد انسانیت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوتے ہیں ان کی بدولت ہی قومیں ترقی اور کامیابی کی منزلیں طے کرتی ہیں۔

حسین سحر کی ترقی کا راز ان میں موجود خداداد تخلیقی صلاحیت میں ہے جس کی وجہ سے آج وہ علمی، ادبی، شعری اور سماجی دنیا میں ایک عالی مقام رکھتے ہیں اور خام معلومات سے عالی معرفت کی رسائی اور ناموافق حالات سے موافق پہلو کو دریافت کرنے کا ہنر جانتے ہیں ان کی تخلیقات سے ظلم وبربریت میں صبر وبرداشت، نفرت کے ماحول میں محبت اور تیرہ شبی میں نور سحر کا پیغام ملتا ہے جو قاری کو با مقصد اور بھرپور زندگی بسر کرنے کا درس دیتا ہے۔

حسین سحر کی شاعری، مضمون نگاری، تراجم اور دیگر اصناف سخن سے ہٹ کر اگر ان کی

شخصیت پر نظر ڈالیں تو یوں محسوس ہوگا جیسے آپ آج کے دور کے شبلی اور حالی کو دیکھ رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے میرے اس دعویٰ پر چند لوگوں کو اعتراض بھی ہو لیکن یہ میرا اپنا خیال ہے کہ وہ بیک وقت مذہب، تاریخ، اخلاقیات اور دیگر علوم پر مکمل دسترس رکھتے ہیں ۔آپ چند لمحے ان کے پاس بیٹھیں تو محسوس کریں گے کہ وہ علم وفن کا ایسا بحر بے کراں ہیں جو علم وآگہی کے متلاشیوں کو سیراب کرنے میں ید طولیٰ رکھتا ہو۔بچوں، نوجوانوں اور ہم جیسے پختہ عمر والے افراد میں ان کی مقبولیت یکساں ہے وہ اپنے جذبات، گفتار، کردار اور رویہ سے ہر ایک کا دل موہ لینے کا فن جانتے ہیں ۔ان کی زندگی کا ہر رخ اخلاص کامل کا آئینہ دار ہے۔

حسین سحر کو میں اپنے تمام احباب میں خوش قسمت ترین شخص شمار کرتا ہوں جو نہ صرف بیرن خانہ عزت ووقار کی علامت کی طور پر جانے جاتے ہیں بلکہ اندرون خانہ ان کی عزت وتوقیر کہیں زیادہ ہے۔خاندان میں ان میں ان کا مقام وہی ہے جو قرون اولا میں کسی سردار یا سرخیل کا ہوا کرتا تھا ان کے خاندان کا رہن سہن، رکھ رکھاؤ اور اقدار ایک خالص علمی اور اسلامی تہذیب و تمدن کا نمونہ ہے اور یہ سب کچھ یقیناً ان کے آباؤ اجداد کی تربیت، ایثار، قربانیوں اور بردباری کا پھل ہے میری دعا ہے کہ وہ ہمیشہ علم وادب کے آسمان پر مہر تاباں کی صورت درخشندہ رہیں، آمین ۔

حسین ساحر

تحریر: محمد اظہر سلیم مجوکہ

کہتے ہیں جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ یوں تو علم و دولت اور عشق کا جادو بھی کچھ کم اثر نہیں دکھاتا لیکن حسن کا جادو ہمیشہ سر چڑھ کر بولتا ہے۔ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ادب میں بھی حسن پوری پائی جاتی ہے۔ شعر و ادب میں حسن کلام اور حسن بیاں کو بھی دخل ہوتا ہے۔ صنف شاعری میں زندگی کی تلخ و شیریں حقیقتوں میں پنہاں حسن کی تلاش و جستجو میں مگن مسافروں میں ایک مسافر حسین سحر بھی ہیں۔ جن کی شاعری کا بنیادی مقصد زندگی کے اصل حسن کو دریافت کرنا ہے۔ باطنی حسن کا متلاشی یہ شاعر ظاہری اعتبار سے بھی حسین صورت ہے۔ عمر کی نصف سنچری مکمل کرنے کے باوجود یوں لگتا ہے جیسے ابھی انگنز کا آغاز ہوا چاہتا ہو۔ چہرے کی معصومیت دیکھ کر شاعر سے زیادہ سامع ہونے کا گماں ہوتا ہے۔ صحت ایسی قابل رشک کہ صحت کا راز پوچھنے والا خود شرمسار ہو جائے۔ ضلع فیروز پور کے علاقے جلال آباد ممدوٹ میں پیدا ہونے کے باوجود چہرے اور طبعیت میں جلال پیدا نہیں ہوا۔ البتہ معصومیت اور جمال کا رنگ خوب چڑھا ہے۔ جو بدلتے وقت کے ساتھ بھی نہیں بدلا۔ نام البتہ بدل لیا کہ پہلے خادم حسین سے سحر رومانی بنے مگر رومان کے اثرات شاعری پر حاوی ہونے لگے تو حسین سحر بن گئے۔ جسے یار لوگ حسین سحر بھی پڑھتے ہیں۔

عشق کو صرف شاعری تک محدود سمجھتے ہیں۔ محبت کی شاعری کے البتہ قائل ضرور ہیں۔ انسان کی انسان سے محبت اور انسان کی خدا سے محبت کو حقیقی محبت تصور کرتے ہیں۔ گویا عشق مجازی سے زیادہ عشق حقیقی کے علمبردار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک کامیاب گھریلو زندگی بسر کر رہے ہیں۔

حسین سحر نے شاعری کی باقاعدہ ابتدا بھی معصومیت سے کی کہ بچوں کے رسائل میں لکھنا شروع کیا۔ یہ بچہ پروری ابھی تک جاری ہے۔ اب تو بچوں کے ادب پر کئی کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ جس عمر میں لوگ پر پرزے نکالتے ہیں انہوں نے بچوں کے رسائل نکالنا شروع کئے۔ بچوں کے رسالے ماہنامہ ''اختر'' میں چھپنے والی پہلی نظم ''ستارہ'' سے آسمان ادب پر چمکے بچوں کا ادب ان کی کمزوری ہے۔ پاکستان چلڈرن اکیڈمی کے بانی اراکین میں سے ہیں بچوں کے لئے

سیرت کی کتاب ''پیارے رسولؐ'' پر انعام حاصل کر چکے ہیں جبکہ رائٹرز گلڈ کی طرف سے پھول اور تارے پر بھی انعام حاصل کیا ہے۔ بچوں سے یہ شفقت اب بھی قائم ہے کہ مستقبل کے معماروں کے معمار ہیں۔ بچپن میں ان کے بھولپن اور معصوم صورت نے سردار عبدالرب نشتر کو اتنا متاثر کیا کہ گزرتے جلوس سے اپنے گلے کا ہار ان کے گلے میں ڈال دیا۔ اس یادگار واقعہ کو آج بھی اپنے دل پر نقش رکھتے ہیں۔ بچپن میں ہی پاکستان کی محبت سے آشنا ہوئے۔ لے کے رہیں گے پاکستان کے نعروں میں شامل ہوئے۔ یہ حب الوطنی آج بھی ان کی شاعری کا حصہ ہے۔ طبعیت کا جمالیاتی پن اور حجاب غزل میں خوب آشکار ہوا۔ مشاعروں میں شرکت سے شعری جذبوں کو ہوا ملی۔ بزم طلوع ادب ملتان کے مشاعرے میں پہلی بار ہی پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوئے یہ وہ زمانہ تھا جب ملتان کے ادبی منظر نامے پر عاصی کرنالی، گلچیں، کرنالی، صابر دہلوی، عزیز حاصل پوری، ادب سیمابی، پرواز جالندھری، ارشد ملتانی، عرش صدیقی اور حزیں صدیقی اپنی آب و تاب دکھا رہے تھے۔ حسین سحر بھی انوار انجم (مرحوم) اسلم انصاری اور اقبال ارشد جیسے ہم مزاج دوستوں کے ساتھ اس منظر نامے میں شامل ہو گئے۔ ان ہم نشینوں کی ہم نشینی میں شعر و ادب کے کئی معرکے برپا کئے اور کئی معرکے سر ہوتے ہوتے رہ گئے۔ علاقوں کی سیاحت کا لطف بھی اٹھایا۔ ملتان کے چالیس سالہ ادبی شب و روز کے گرم و سرد سے گزرے۔ اردو اکیڈمی کے سیکرٹری جنرل بن کر بلیک آؤٹ میں موم بتی کی لو سے ادب کے چراغ جلاتے رہے۔ آج کل رائٹرز گلڈ کے سیکرٹری جنرل ہیں۔ مکتبہ اہل قلم اور مجلس اہل قلم کے ذریعے اہل قلم کو خوش رکھنے کے جتن کئے رکھتے ہیں۔ نعتیہ مجموعے ''تقدیس'' پر سیرت کا صدارتی ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔ جبکہ غزلوں کا مجموعہ ''تخاطب'' اور سلام و مناقب کا مجموعہ ''تطہیر'' بھی شائع ہو چکا ہے۔ دوستوں کے دوست ہیں۔ شخصیات سے متاثر ہو کر ان پر کتابیں بھی شائع کر دیتے ہیں۔ عبدالعزیز خالد کے فن اور شخصیت سے متاثر ہو کر خالد شخص و شاعر اور اختر انصاری اکبرآبادی کے بارے میں ''اختر مہران'' جیسی تصانیف مرتب کر چکے ہیں۔ دوسری اہل قلم کانفرنس میں شرکت کا اعزاز ان کے حصے میں بھی آیا ہے۔ شاعری میں غالب انیس اور میر سے شعوری طور پر متاثر ہیں، البتہ اقبال سے غیر شعوری طور پر متاثر ہوئے۔ ہم عصر شعراء میں سے کسی سے متاثر نہیں ہوئے۔ اقبال ارشد سے البتہ لا

شعوری طور پر متاثر ہوئے ہیں ۔ اقبال ارشد کو اپنا ہمراز اور دمساز کہتے ہیں اس کی شخصیت کی خامیوں کو اپنی خوبیاں اور ان کی خوبیوں کو اپنی خامیاں سمجھتے ہیں ۔ سنا ہے کہ اقبال ارشد سے چالیس سالہ رفاقت میں کبھی ناراضگی یا شکر رنجی نہیں ہونی چاہیے اپنی بیویوں سے دونوں کئی بار لڑ چکے ہوں ۔ بابا ہوٹل میں اقبال ارشد اور حیدر گردیزی کے ساتھ بیٹھ کر پہروں شعر وسخن کی محفلیں برپا کرتے رہے مگر اب ہوٹلوں میں جانے سے کتراتے ہیں ۔ اقبال ارشد البتہ اپنی اس روش پر قائم ہیں ۔ اقبال ارشد کے ساتھ حسین سحر کی ایک قدر مشترک فیملی پلاننگ کی ملازمت بھی ہے دونوں نے اس ملازمت سے پلاننگ سیکھی ہے جس کا مظاہرہ وہ خوبصورت ادبی تقاریب اور مشاعروں کے انعقاد سے کرتے رہتے ہیں ۔

حسین سحر کی پسندیدہ سواری موٹر سائیکل کی پچھلی نشست ہے ۔ کالج کا پرنسپل بننے کے بعد سواری بدل گئی ہے ۔ موٹر سائیکل کی جگہ کار نے لے لی ہے ۔ نشست البتہ نہیں بدلی ۔ اب بھی پچھلی نشست پر بیٹھتے ہیں ۔ درس وتدریس کے پیشے کو عبادت سمجھ کر انجام دیتے ہیں ۔ ان کے شاگرد بھی اب استاد بن گئے ہیں یوں وہ استادوں کے بھی استاد ہیں ۔ بے مقصد اور بے معنی باتوں سے گریز کرتے ہیں ۔ معاشرے کو مثالی سطح پر لانے کے خواہش مند ہیں ۔ شاعر سے زیادہ باکردار انسان بننے کو ترجیح دیتے ہیں ۔ اپنی غزلوں میں بھی درس وتدریس کے حوالے دیتے ہیں ۔ ایک شعر ملاحظہ ہو ۔

میں لہلہاتی شاخ کو سمجھا تھا زندگی
گرا تو درس فنا دے گیا مجھے

اپنی غزلوں میں پنہاں ایسی ہی سچائیوں اور خوبصورتیوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں ۔ انہیں شاعری اپنے والد سے وراثت میں ملی تھی ۔ انہوں نے بھی ادبی صلاحیتیں اپنی اولاد میں منتقل کی ہیں ۔ مہزاد سحر شاعر تو نہیں بنا لیکن اس کی نگاہ انتخاب نثر پر پڑی ہے ۔ انشائیہ کا انتخاب کر کے اس نے ایک گھر میں دو شاعروں سے پیدا ہونے والی صورتحال کو شاید بھانپ لیا ہے کہ ایک نیام میں دو تلواروں کا رہنا ممکن نہیں ۔ حسین سحر کی شخصیت کے یوں تو کئی پہلو ہیں لیکن ان کی طبعی شرافت اور متوازن طبیعت انہیں ملنسار بناتی ہے ۔ ان سے نہ ملنے والا ان سے ملنے کی تمنا کرتا ہے اور ملنے والا کبھی بھول نہیں پاتا کہ یہی تو اس کا ساحرانہ پن ہے ۔

عظیم ادیب اور مقبول شاعر

منیر احمد بھٹہ

شاعری کو جذبات کے اظہار کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ شاعر اپنے ہی تشخص کے لئے شعر کہے شاعر معاشرے کے حالات وواقعات کی عکاسی کرتا ہے جسے ہم شاعری کہتے ہیں شاعری ایک ایسا جادو ہے جو انسان میں جذبہ عشق ومحبت ، ہمدردی ونفرت ، بہادری وشجاعت ، زہد وطاعت اور صداقت وشرافت پیدا کر دیتی ہے یہ شاعر کا کمال ہوتا ہے کہ وہ انسان کو کس راہ پر لے جاتا ہے ۔ یا کون سی راہ دکھاتا ہے شاعر اپنی شاعری سے معاشرہ کی جہاں اصلاح چاہتا ہے وہاں اس کی مدد بھی کرتا ہے تا کہ وہ خوبیوں اور خامیوں کو خوب سمجھ لے اور حقیقت کو بھی پہچان لے ۔

حسین سحر نے غزلوں کی کتاب ''تخاطب'' میں جدید انداز میں ایک تخلیق پیش کی ہے جس میں انہوں نے اپنے تشخص کا ہرگز ہرگز خیال نہیں رکھا ہے انہوں نے سماج میں مسرتوں ،لذتوں اور آسودگیوں سے مالا مال اور اس سے محروم لوگوں کی بھی ترجمانی کی ہے ۔ خوشی ، غم ، ظلم و ستم اور ناانصافی کا بیان ایسے پیرائے میں پیش کیا ہے کہ پڑھنے والا حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ اس کے دل کا چھپا ہوا بھید سحر صاحب کو کیسے معلوم ہو گیا ہے کہ اس کا سارا بھید ظاہر کر دیا ہے اُن کی ایک غزل کا شعر ملاحظہ فرمائیے ۔

یہ الگ بات وہ ہے بوئے وفا سے خالی
اس کے چہرے کی تو رنگت ہے گلابوں جیسی

ہر سمت ہیں نفرت کے اندھیرے ہی اندھیرے
اک شمع محبت کی جلا کیوں نہیں دیتے

''تخاطب'' ایسی غزلوں کا مجموعہ ہے جو ادب کی تاریخ میں سنگ میل ہی نہیں گراں قدر اور مایہ ناز سرمایہ ہے جس پر ادب سے لگاؤ رکھنے والے فخر کر سکتے ہیں ۔ کہ یہ واقعی ادب کی خدمت ہے اگر چہ مجھے شعر وشاعری سے اتنا لگاؤ نہیں تاہم میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ فن دیگر فنون سے بہت مشکل اور مبسر اقسمہ ہے کیونکہ شاعر اپنے کلام میں دو چار شعروں میں پوری داستان بیان کر دیتا ہے اور

پھر اس میں روح بھی ڈال دیتا ہے۔ جیسے یہ واقعہ اس کے لئے آنکھوں دیکھا حال ہے۔ کہاں حسین سحر صاحب ایک ماہر تعلیم، ایک اعلیٰ ادیب، ایک معروف و مقبول شاعر اور کہاں میں بے عقل اور بے عمل پھر ان کے بارے میں لکھوں یہ میری مجال نہیں تاہم مجبور ہوں کہ ان کے کلام نے مجھے گرویدہ بنا لیا ہے۔ عشق و محبت وفا کا تقاضا کرتے ہیں اور پھر محبت تو نام ہی رضا کا ہے۔ جس کے معنی فرماں برداری ہیں اور وفا فرماں برداری یہی ہے کہ میں ان کے کلام کے حسن اور اثر کو مان لوں اور اس کی خوبی کو بیان کر دوں۔

تخاطب میں تمام غزلیں عصر حاضر کی نہایت اعلیٰ تخلیق ہیں جو قاری کو توانائی و تازگی بخشتی ہے اور اسے عشق میں وفا و فرماں برداری غم میں تحمل و بردباری، فکر میں تحقیق اور جوش میں ہوش کا درس دیتی ہیں۔ حسین سحر نے اچھی اور سچی غزل کی خوبی کو اس طرح بیان کیا ہے کہ قاری اس کی حقیقت اور خوبی کو ماننے پر مجبور ہے بلکہ اسے ماننا پڑتا ہے حسین سحر صاحب ایک شفیق حسین اور جواں سال استاد بھی ہیں اور درس و تدریس کے فن سے بھی بخوبی آشنا ہیں ادب اور شاعری میں بھی انہیں پورا حاصل ہے ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انہیں اپنی شخصیت کی کہیں بھی فکر نہیں ہے اگر فکر ہے تو انسان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو جگانے کی تا کہ وہ اپنا مقام بلند کر لے اپنی ایک غزل میں کہتے ہیں۔

نصیب آج ہیں کانٹے اگر تو کیا غم ہے
نئی رتوں کے شگفتہ گلاب میرے ہیں
میں آفتاب کی مانند ہوں نفیس سحر
سیاہیوں پہ بھی اختساب میرے ہیں

اپنے محبوب کے بارے میں کیسی عجب رائے رکھتے ہیں۔

زبان پر تلخیوں کے ذائقے بھی ساتھ رکھتا ہے
وہ ملتا ہے محبت سے گلے بھی ساتھ رکھتا ہے
جہاں جاتا ہے میرا ذکر کرتا ہے وہ نفرت سے
یہ اس کی مہربانی ہے مجھے بھی ساتھ رکھتا ہے

حسن سحر صاحب اپنے دل کی خوشبو کو باہر کی دنیا میں یوں بکھیرتے ہیں کہ صاف ظاہر ہو جائے

شہر کی گلیوں سے جب بھی ہم گزرے ہیں
خوشبو کی مانند فضا میں بکھرے ہیں

بے رنگ فضاؤں میں بکھر جاتی ہے خوشبو
وہ شخص جدھر جائے ادھر جاتی ہے خوشبو

بے ثبات دنیا سے لاغرضی اور خلوص بھرے دلوں کی دعا کی طلب ایک نیک دل انسان کی تمنا ہوتی ہے دعا چاہنے کا نرالا انداز ملاحظہ کیجئے۔

تاج شہی نہ تخت سلیمان کی ہے طلب
ٹوٹے ہوئے دلوں کی دعا چاہئے مجھے

محبوب کی بے وفائی کو یوں بیان کیا ہے۔

مجھے یقیں ہے بچھڑ جائے گا وہ ملتے ہی
خوشی جو دی ہے زمانے نے رنج بھی دے گا
غموں کی دولت بے پایاں جس نے بخشی ہے
سحر کبھی تو مرے دل کو وہ خوشی دے گا۔

حسین سحر صاحب کی جتنی شخصیت اچھی ہے اتنی ہی شاعری بھی اچھی ہے۔ مجھے چند بار ان سے شرف ملاقات کا موقع نصیب ہوا تو میں ان کی تاثر انگیز باتوں سے بے حد محظوظ بھی ہوا اور متاثر بھی۔ مجھے ان کی سچی باتیں اور سچی مسکراہٹ اور سچی چاہت بہت ہی اچھی لگی۔ میں نے ان کے دل کو دین اسلام سے مامور پایا اور مجھے اُن کے عالم دین ہونے کا گمان ہونے لگا۔ خیالوں کی دنیا سے واپس لوٹ آیا تو دوستوں کا ذکر چھڑ گیا حسین سحر صاحب دوستوں کے بھی دلدادہ نکلے۔ ان کی شخصیت اور شعری صلاحیتوں کا مداح تو تھا ہی اور ان سے پسندیدہ دوستوں کا پوچھ لیا سحر صاحب پہلے مسکرائے پھر بڑے محبت بھرے انداز میں بولے یوں تو مجھے سب دوستوں سے محبت ہے اور ان پر ناز ہے لیکن اپنے ہی علموں حلقوں میں مجھے پروفیسر بشیر احمد ملک سے دوستی بے حد پسند ہے۔ وہ بے لوث بھی ہیں اور علم دوست بھی۔ مجھے ایک بار ان کے ساتھ ایران جانے کا اتفاق ہوا تو مجھے ان کی شفقت و محبت، شگفتہ مزاجی، شوخی و زیبائی کا ادراک ہو گیا۔ ان کی مروت و محبت میرے دل میں گھر کر گئی۔ سو مجھے پروفیسر بشیر احمد ملک کی دوستی پر ناز ہے جس طرح فلک پر تاروں کے دم سے رونقیں ہوتی ہیں اسی طرح ملک صاحب علمی حلقوں کی زینت بھی ہیں اور رونق بھی، عزت بھی اور عظمت بہر حال حسین سحر نے اپنی ادبی کاوشوں سے جدید ادب اور تخلیقی عمل میں گرانقدر اضافہ کیا ہے۔ حسین سحر جنوبی پنجاب کے ایک عظیم ادیب اور مقبول شاعر ہیں۔ آپ ایک عظیم انسان بھی ہیں اور عظیم دوست بھی۔

حسین سحر کی شخصیت

خالد بیگ

ملتان کو ماضی کے حوالے سے عالم و فاضل لوگوں کا شہر ہونے کا شرف حاصل ہے جس زمانے میں برصغیر میں عام درسگاہوں کا کوئی تصور نہیں تھا ملتان میں ایک عظیم یونیورسٹی موجود تھی جس میں ہزاروں طالب علموں کو تعلیم کے حصول کے علاوہ رہائش وطعام کی سہولیں بھی حاصل تھیں اور یہاں سے ہر سال فارغ التحصیل ہونے والے طالب علموں کو فروغ علم کے لئے نا صرف پورے برصغیر میں بلکہ دور دراز کے ملکوں میں بھیجا جاتا تھا ملتان کی یہ روایت آج بھی اسی طرح قائم ہے۔

پرویز حسین سحر کا اصل نام خادم حسین ہے، سحر تخلص قلمی نام حسین اس طرح حسین سحر کے نام پہچانے جاتے ہیں، پہلے سحر رومانی تخلص کرتے تھے، 10 اکتوبر 1942ء میں انڈیا کے ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے ان کے والد میاں برکت علی مرحوم ایک متوسط درجے کے زرگر خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور پنجابی کے خوش گو شاعر تھے تقسیم ہند کے وقت حسین سحر کی عمر صرف پانچ برس تھی، باقی مسلمانوں کی طرح ان کی پوری فیملی نے اپنے خوابوں کی تعبیر پہلی اسلامی نظریاتی مملکت پاکستان کی طرف ہجرت کی ٹھانی اور جلال آباد ریلوے اسٹیشن سے پاکستان کی طرف جانے والی آخری گاڑی میں سوار ہو گئے یہ گاڑی چھت پائیدان اور دروازوں میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کو لے کر پاکستان کی طرف روانہ ہوئی، یہ گاڑی فیروز پور ریلوے اسٹیشن پہنچی تو اس وقت اس شہر میں کرفیو لگا ہوا تھا اور پلیٹ فارم پر بھی ہر طرف ہندو فوجیوں کا راج تھا، حسین سحر کم سن تھے اور گاڑی کی ایک کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھ رہے تھے کہ ایک ہندو گورکھے فوجی کی ان پر نظر پڑی اور وہ ٹھٹھک گیا اس نے ان کے ہاتھ میں کالے رنگ کا ایک ڈنڈا دیکھ لیا تھا جو کہ مسلمانوں کا ایک روایتی ہتھیار ہونے کی وجہ سے شیطانی ڈنڈا مشہور تھا اور یہ اسی ڈنڈے کا خوف تھا کہ ایک معصوم مسلمان بچے کے ہاتھ میں سوتے ہوئے بھی اس ہندو فوجی کو کسی بھالے سے زیادہ خطرناک لگا تھا اس نے آ کر ان سے یہ ڈنڈا کھینچنے کی کوشش کی غیر ارادی اور بچپن کی فطری ردعمل کے طور پر انہوں نے اس ڈنڈے کو مضبوطی سے تھام لیا اور خفت وخجالت کے ہاتھوں مجبور ہو کر گورکھے فوجی نے ان کے گال پر زناٹے دار تھپڑ مارا لیکن ڈنڈا نہ چھین سکا کہ گاڑی

چل چکی تھی اور یہ حقیقت ہے کہ ہندوؤں نے اس وقت تک مسلمانوں کے خلاف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہیں کی جب تک ڈنڈا مسلمان کے ہاتھ میں رہا۔

گاڑی مسلمانوں کے عزم کی طرح رواں دواں، اپنے سفر پر گامزن رہی اور جب یہ گاڑی دریا ستلج پر سے گزری تو دریا میں کئی لاشیں بہتی ہوئی نظر آئیں اور دریا کا پانی خون کی وجہ سے سرخی مائل لگتا تھا دریا کا پانی بھی گاڑی کی طرح اپنے سینے پر مسلمانوں کا خون سجائے پاکستان کی طرف گامزن تھا، یہ گاڑی قصور میں جا کر رکی اور حسین سحر صاحب اپنی فیملی کے ساتھ وہاں آباد ہو گئے لیکن انہیں دنوں قصور میں ہیضے کی وبا پھوٹ پڑی اور ان کے جواں سال 20 سالہ خالہ زاد بھائی ہیضے کی لپیٹ میں آ کر انتقال کر گئے اس حادثے نے ان کی فیملی کو اس قدر دلبرداشتہ کیا کہ یہ قصور چھوڑ کر ملتان آ گئے ملتان میں انہوں نے مصروف علاقے اندھی کھوئی اندرون شہر رہائش اختیار کی اور پھر 11 سال تک وہیں آباد رہے انہوں نے پہلی بار اپنے محلے کی مسجد میں مشہور عالم دین پیر طریقت حضرت مولانا حامد علی خان کو دیکھا، میاں سعید قریشی سابق وزیر ممبر صوبائی اسمبلی بھی ان کے گھر کے قریب رہتے تھے بچپن اور لڑکپن ان کے ساتھ گزرا تعلیم کے لئے ایم بی پرائمری سکول پاک گیٹ میں داخل کرایا گیا، جہاں انہوں نے پانچویں جماعت تک تعلیم حاصل کی، سکول کے ہیڈ ماسٹر میاں ابراہیم انصاری اور سیکنڈ ہیڈ ماسٹر حامد علی ان کے بہترین استاد تھے۔

قائداعظم کی وفات لیاقت علی خان کا قتل قادیانیوں کے خلاف تحریک یہ سب واقعات ان کے حافظے میں محفوظ ہیں مادر ملت، محترمہ فاطمہ جناح سردار عبدالرب شہرا اور خواجہ ناظم الدین کو بچپن میں ان کی ملتان آمد پر قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا، ایک دفعہ سردار عبدالرب نشتر فقید المال جلوس کے ساتھ ملتان کے ایک بازار سے گزر رہے تھے حسین سحر صاحب بھی دائیں بائیں کھڑے ہجوم میں موجود جلوس کو دیکھ رہے تھا چانک سردار عبدالرب نشتر کی نظر ان پر پڑی یہ ہجوم میں سب سے کم عمر تھے ان کے جوش اور انہماک کو دیکھتے ہوئے سردار عبدالرب نشتر ان کی طرف بڑھے اور اپنے گلے سے ہار اتار کر ان کے گلے میں ڈال دیا اور یہ واقعہ بلاشبہ حسین سحر صاحب کے لئے باعث فخر ہے۔

پرائمری کے بعد اسلامیہ ہائی سکول عام خاص باغ میں داخل ہوئے وہاں کے ہیڈ ماسٹر

محمود حسین قریشی تھے جو بعد میں اسلامیہ کالج کے پرنسپل اور ملتان یونیورسٹی کے کنٹرولر امتحانات بھی رہے ان کے علاوہ چوہدری عبدالعزیز، مولانا عبدالرب مولانا ابوالحسن قاسمی علی محمد مرحوم ان کے بہترین اساتذہ تھے، سکول کے زمانے میں ملک کے نامور فلمی اداکار محمد علی نویں جماعت کے طالب علم تھے یہ اس وقت چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے محمد علی بڑے خوبصورت اور لمبے قد کے نوجوان تھے اداکاری کا انہیں اس زمانے میں بھی شوق تھا جس کی وجہ سے سکول میں مارشلا ئینس ہیرو کہ چھیڑا جاتا تھا لا ہلگا تھا کالج کے زمانے میں انہوں نے ادبی سرگرمیوں میں بھر پور حصہ لیا کالج کی اورینٹل سوسائٹی کے سیکرٹری اور کالج میگزین نخلستان کے ایڈیٹر رہے کئی انٹر کالجیٹ مشاعروں میں ملتان کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی حصہ لیا اور انعامات حاصل کیے، اس زمانے میں کالج کے پرنسپل خواجہ عبدالحمید بٹ تھے کالج کے دوسرے اساتذہ میں پروفیسر منور علی خان پروفیسر عظیم بھٹی، پروفیسر ملک بشیر الرحمان پروفیسر کیپٹن عبدالکریم شامل تھے، کالج میں ان دنوں سلمان قریشی (کمشنر ملتان بی اے قریشی کے بیٹے) ریاض الحق (آج کل اسلام آباد میں سی ایس ایس آفیسر ہیں) اس کے علاوہ مختار اعوان (پیپلز پارٹی کے رہنما) اور محمود نواز بابر ان کے کلاس فیلوز تھے لیکن ان کے دوستوں میں انوار انجم (مرحوم) یحیٰی امجد احمد عقیل روبی اور اسلم انصاری کا شمار ہوتا تھا انہوں نے 1962ء میں بی اے کیا اور 1964ء میں ایم اے اردو، ایک سال تک پنجاب یونیورسٹی لاہور میں زیر تعلیم رہے لیکن اسی دوران ان کی شادی کر دی گئی اور یہ ملتان آ گئے اور پھر ایم اے کا امتحان پرائیویٹ امیدوار کے طور پر پاس کیا۔

اس مقصد کے لئے اسلامیہ ہائی سکول حرم گیٹ میں دو سال تک بطور ٹیچر خدمات سر انجام دیں، کیونکہ اس زمانے میں پرائیویٹ امتحان کے لئے سکول کی ملازمت ضروری تھی، 1965ء میں محکمہ خاندانی منصوبہ بندی میں بطور آفیسر شامل ہوئے اور 1970ء تک اس محکمہ میں کام کرتے رہے 1970ء میں محکمہ تعلیم میں ملازم ہوئے پہلی تقرری گورنمنٹ ایس ای کالج بہاولپور میں بطور لیکچرر ہوئی اس کے بعد گورنمنٹ کالج سول لائن ملتان میں تبادلہ ہو گیا اور آج کل بھی اسی کالج میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر خدمات انجام دے رہے ہیں ایم اے اردو کے علاوہ اپنے طور پر ایم اے اسلامیات ایم اے پنجابی بی ایڈ اور ایل ایل بی کے امتحانات بھی پاس کر چکے ہیں آج کل بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔

حسین سحر صاحب شاعری کا شوق بچپن سے رکھتے تھے ابتداء انہوں نے بچوں کی نظموں سے کی اور ساتھ ہی بچوں کے لئے کہانیاں بھی تحریر کرتے رہے غزل کی ابتداء 1956ء سے کی اور اسی وقت سے مشاعروں میں شرکت کر رہے ہیں اس طرح گویہ شاعری کا 35 سالہ تجربہ رکھتے ہیں ملتان کی ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں کئی ادبی انجمنوں کی داغ بیل ڈال چکے ہیں اور متعدد کل پاکستان مشاعرے منعقد کرا چکے ہیں، اس کے علاوہ 9 عدد کتابوں کے مصنف ہیں جس میں سے چھ بڑوں کے لئے اور تین بچوں کے لئے لکھیں بچوں کے لئے نظموں کے مجموعے پھول اور تارے پر پاکستان رائٹرز گلڈ کی جانب سے یو بی ایل انعام اور بچوں کے لئے سیرت کی کتاب ''پیارے رسول ؐ'' پر قومی سیرت ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں غزلوں کا مجموعہ تخاطب نعتوں کا مجموعہ تقدیس اور سلام و منقبت کا مجموعہ تطہیر شائع ہو چکا ہے اس کے علاوہ متعدد مسودے زیر اشاعت ہیں۔

حسین سحر صاحب پنجابی ہونے کے باوجود سرائیکی پر عبور رکھتے ہیں اور خواجہ غلام فرید کا کلام سرائیکی سے اردو میں ترجمہ کر چکے ہیں اور انگریزی کی کئی کتابوں کا پنجابی اور اردو ترجمہ کر چکے ہیں۔

حسین سحر صاحب کی شادی والدین کی مرضی سے اپنے خاندان میں انجام پائی دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، بڑا بیٹا تعلیم حاصل کرنے کے بعد دبئی میں ایک فرم میں ذمہ دار افسر ہے چھوٹا بیٹا بھی وہیں ایک کمپنی میں منیجر ہے اور ایک ایک اچھا انشائیہ نگار ہے۔

شعروادب کی حسین سحر

وحیدالرحمٰن خان

ہمارے ایک مہربان کاشف رحمان کے سر پر ادبی جریدہ نکالنے کا بھوت سوار ہوگیا۔ موصوف یہ نہیں جانتے تھے کہ ادبی رسالہ نکالنا سیدھی انگلی سے گھی نکالنے کے مترادف ہے۔ ان صاحب نے ہمیں رسالے کا مدیر مقرر کر دیا۔ ہمارے لئے کسی جریدے کا مدیر ہونا کسی ملک کے وزیر ہونے سے کم نہیں تھا۔ چنانچہ بصد شکریہ یہ منصب قبول کیا۔ ایک مدیر کے ناطے سے ہمیں ملتان کے نامور شعراء اور ادباء سے ان کی نگارشات حاصل کرنے کا کام سونپا گیا۔ اس راہ میں جو عملی دشواریاں پیش آئیں اور ہماری جو گت بنی وہ یا تو ہم جانتے ہیں یا ہمارا خدا۔ کسی شاعر یا ادیب سے اس کی کوئی تحریر لے آنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔ صبح وشام ہمیں ادیبوں اور شاعروں کے دولت خانوں پر سوالی کی طرح حاضری دینا پڑی۔ ملتان کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک سفر کی صعوبتیں سہنا پڑیں اور پہروں جو زحمتِ انتظار اٹھانا پڑی وہ الگ ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم نے مقامی شعراء اور ادیبوں کی ایک فہرست تیار کی۔ اس فہرست میں ایک نام ''حُسین سحر'' بھی تھا۔ چنانچہ ایک دن اس دشت کی سیاحی میں جناب حسین سحر کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ تین چکر ان کے کالج کے لگائے مگر شرفِ ملاقات سے محروم رہے۔ سوچا موصوف شیخ صاحب کی طرح بی۔ اے پاس کرنے کے علاوہ بی بی پاس کرنے کے سبب تمام وقت گھر پہ رہتے ہوں گے۔ چنانچہ موقعۂ واردات پر جانے کی ٹھانی۔ کالج کے ایک پروفیسر صاحب سے حُسین سحر کے گھر کا پتہ حاصل کیا اور جا دھمکے۔ ان کے صاحبزادے ''مہر ادسحر'' نے ہمارا استقبال کیا اور بتلایا کہ کچھ دیر تک چمن میں دیدہ ور آئے گا۔ محترم شاعر گھر پر بھی نہیں تھے۔ ہم سرِ راہ مشغلِ انتظار سے لطف اندوز ہونے لگے۔ اس دوران مہر ادسحر سے کچھ رسمی باتیں ہوئیں۔ کچھ ہی دیر بعد ایک موٹر سائیکل ہمارے بالکل قریب آ رکا۔ بتایا گیا کہ ڈرائیور کے پیچھے بیٹھے ہوئے صاحب حُسین سحر ہیں۔ (تھا جس کا انتظار وہ شاہکار آ گیا)۔ علیک سلیک کے بعد ہم

نے حضورِ یار میں حاضری کے اغراض ومقاصد بتلائے تو بیٹے کو ہمیں اندر بٹھانے کو کہا۔ بڑی محبت سے پیش آئے۔ خلوص کے علاوہ کچھ تکلف بھی برتا۔ ہم جو شربت دیدار کے لئے آئے تھے شربتِ ثمر بار سے بھی لطف اندوز ہوئے۔ علاوہ ازیں انہوں نے ہمیں بلا حیل وحجت ایک عدد غزل سے نوازا۔ ہم نے اجازت طلب کی اور ان کے ہاں سے رخصت ہوئے۔

حُسین سحر کو دیکھ کر ہمارے ذہن میں کسی شاعر کا جو خاکہ تھا۔ بالکل غلط ثابت ہوا۔ نہ پریشان زلفیں، نہ بڑھی ہوئی شیو، نہ تنگ پاجامہ، نہ منہ میں میٹھا پان، بلکہ ہمیں سلجھے ہوئے بال، کلین شیو، شلوار قمیص اور منہ میں میٹھی زبان دیکھنے میں ملیں۔ حُسین سحر کا نام اگر حُسین سحر بھی ہوتا تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوتا کیونکہ جناب مردانہ وجاہت کا مرقع ہیں۔ موصوف دراز قد، گورا رنگ، کشادہ چھاتی، روشن پیشانی، مسکراتی آنکھیں اور ایک عدد لمبی ناک رکھتے ہیں۔ حُسین سحر کو دیکھ کر جانے کیوں ہمیں حفیظ جالندھری کی ''حسینۂ سحر'' یاد آ جاتی ہے۔

بعض ''کم نظروں'' کی ناک کا مسئلہ ان کی عینک ہوتی ہے۔ مگر حُسین سحر کی پڑھنے کی چھوٹی سی عینک کا مسئلہ ان کی لمبی ناک ہے۔ کیونکہ لمبی ناک پر چھوٹی عینک یوں لگتی ہے جیسے عینک کو اپنی کم مائیگی کا تو ذرہ بھر احساس نہیں مگر وہ آنکھوں کے سامنے ناک کے احساس برتری کی چغلی کھاتی نظر آتی ہو۔ عینک شاید یہ بات نہیں جانتی کہ ناک نقشہ تو حسن وخوبصورتی کا معیار ہوتا ہے۔

حسین سحر ایک عام طالب علم کی طرح تعلیم کے جملہ مراحل سے گزرے۔ اسلامیہ ہائی سکول ملتان سے میٹرک کی۔ انٹر اور ڈگری ایمرسن کالج سے حاصل کی۔ یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور سے ایم۔ اے اردو کیا۔ اسی دوران رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے مگر تعلیم سے رشتہ نہ چھوڑا۔ اب تک پنجابی اور اسلامیات میں ماسٹر ڈگری حاصل کرنے کے علاوہ بی۔ ایڈ اور ایل ایل بی بھی کر چکے ہیں مگر پھر بھی تعلیم وتعلم سے باز نہیں آتے۔

آج سے تیس سال قبل حسین سحر ''سحر رومانی'' کے نام سے معروف تھے۔ ''رومانی'' کے لاحقے سے ہمارے ذہن میں کئی شکوک وشبہات پیدا ہوئے کیونکہ ''رومان'' خاصا ہیجان خیز لفظ

ہے۔ہم نے ''رومانی'' کے بارے میں پوچھا تو فوراً تصدیق کردی۔''رومان'' صرف حسن وعشق کا نام نہیں بلکہ اس کے معنی بہت وسیع ہیں۔ یہ عالمِ خیال کا نام ہے.....'' یہ تو اچھا ہوا کہ انہوں نے لفظ ''رومان'' کے بے ضرر معنی ہم پر منکشف کردیئے ورنہ ہم تو سمجھے تھے کہ تیس سال قبل آتش جوان تھا اور جوانی دیوانی ہوتی ہے' حسن پرست ہوتی ہے' شاید نام میں ''رومانی'' اس نسبت سے لکھتے ہوں گے۔

خادم حسین المعروف حسین سحر نوجوان ادیبوں' شاعروں اور طلباء سے بہت محبت کرتے ہیں۔اتنی محبت کہ نوآموز شاعروں کی غزلیں مفت سنتے ہیں۔ وہ نئے لکھاریوں اور طلباء کی بہت حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔نوجوان اس قدر حوصلہ افزائی پاکر پھولے نہیں سماتے اور عقل سے کام لینے کے بجائے حوصلے سے کام لینے لگ جاتے ہیں۔حسین سحر سے ہماری ملاقاتیں اب گاہے بگاہے ہوا کرتی ہیں اور ہر بار وہ بڑی شفقت سے ملتے ہیں۔کبھی کبھار تو ہمیں ان کے التفاتِ خاص سے ڈر لگنے لگتا ہے کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔

حسین سحر پیدائشی شاعر اور ادیب ہیں۔پانچویں جماعت سے شاعری کا سلسلہ جاری ہے۔آٹھویں جماعت میں پہنچے تو باقاعدہ مشاعروں میں حصہ لینا شروع کردیا۔اسے کہتے ہیں ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' بچپن سے لکھتے لکھاتے آرہے ہیں اس لئے انہیں بچوں کے ادب سے خصوصی لگاؤ ہے۔ بچوں کے لئے اب تک کئی شعری اور نثری کتابیں تصنیف کرچکے ہیں۔اس سلسلے میں حسین سحر کی قومی سطح پر بھی خاصی پذیرائی ہوئی ہے۔چنانچہ کتاب ''پیارے رسولؐ' کو سیرت کے صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔

حسین سحر سے گفتگو کے دوران ہم نے اندازہ لگایا کہ وہ بہت تفصیل پسند واقع ہوئے ہیں۔اگر آپ ان سے گندم کے بارے میں پوچھیں گے تو وہ آپ کو بچنے کے بھاؤ تک بتادیں گے۔شعر سنانے کو کہیں گے تو پوری غزل سنادیں گے۔مگر وہ غزل اپنی خوبصورتی اور حسنِ ادا کے باعث سماعت پر گراں نہیں گزرے گی۔حسین سحر گفتگو میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔وہ براہِ راست کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔مگر اشاروں' کنایوں میں کچھ نہ کہنے کے باوجود بہت کچھ کہہ جاتے ہیں۔

حُسین سحر ''نفرت'' سے اتنی نفرت کرتے ہیں جتنا وہ اپنی شریکِ حیات سے محبت کرتے ہیں۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ اپنی غزلوں کے مجموعے ''تخاطب'' کا انتساب اپنی شریکِ حیات کے نام کیا ہے۔ پیار بانٹنے کے لئے موصوف کو خدا نے ایک عدد شریکِ حیات کے علاوہ دو بیٹوں' دو بیٹیوں اور بے شمار دوستوں سے نوازا ہے۔

حُسین سحر کو کتابوں کی اشاعت کا وسیع تجربہ ہے۔شعروادب سے خصوصی شغف کے باعث اکثر دوستوں اور عزیزوں کی کتابوں کی پبلشنگ بلا معاوضہ کرتے ہیں۔ یوں ادب کی خدمت بھی ہوجاتی ہے اور خون چوسنے والے پبلشروں کی روزی پر لات مارنے کا فریضہ بھی انجام پاجاتا ہے۔حُسین سحر اشاعت میں تجربہ رکھنے کا خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔اس لئے ہر سال ان کی کوئی نہ کوئی کتاب بازار میں دیکھنے میں ملتی ہے۔ ہمارے نزدیک کتابوں کی اشاعت اتنی حیران کن بات نہیں جتنا کہ کم وقت میں اتنی کتابوں کی تصنیف ہے۔

؎ اللہ کرے روزِ قلم اور زیادہ

حُسین سحر کی شاعری میرا موضوع نہیں ہے۔علاوہ ازیں ڈاکٹر انور سدید نے ان کی شاعری پر اتنا کچھ کہا ہے کہ مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ ڈاکٹر صاحب ٹھہرے اردو ادب کے طبیب اور ہم ''مریضِ ادب''۔ڈاکٹر صاحب اپنے مضمون بعنوان ''تخاطب کا شاعر'' میں لکھتے ہیں۔''حُسین سحر کی غزل اپنا ایک علیحدہ بلڈگروپ رکھتی ہے۔''اگرچہ انہوں نے بلڈگروپ کی نشاندہی نہیں کی کہ وہ پازیٹو ہے یا نیگیٹو۔لیکن حُسین سحر کی شاعری کے مثبت رویوں' تازگی' لطافت اور رنگینی پر گہری نظر سے عمدہ بحث کی ہے۔''تخاطب کا شاعر'' حُسین سحر کی شخصیت اور ذات' ان کے نفیس جذبات اور لطیف احساسات' ان کے اعلیٰ خیالات اور وسیع موضوعات پر سیر حاصل تبصرہ ہے۔مگر ہم اس مضمون میں فقط اتنا واضح کرنا چاہیں گے۔

''اچھا شاعر ہونے کے لئے اچھا انسان ہونا بھی ضروری ہے اور حُسین سحر میں یہ دونوں خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔''

دل نشیں انسان

ابو میسون

چمکتا دمکتا چہرہ،خوشنما و خوبصورت،با اخلاق انسان پروفیسر حسین سحر اپنی سحر انگیز شخصیت کو شب و روز علم و ادب،شعر و فن کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں ۔صرف یہ نہیں کہ علم و ادب کے لئے بلکہ ان کا دل پوری انسانیت میں محبت کا جذبہ بیدار کرنے کیلئے دھڑکتا ہے۔ میں زیادہ عرصہ سے واقف نہیں ہوں مگر جب سے جانتا ہوں یہ کہہ سکتا ہوں کہ پروفیسر حسین سحر صاحب مذہب اسلام کے ''سلامتی'' اور حسنِ اخلاق کے عنصر سے اچھی طرح واقف ہیں اور اس پر عمل پیرا ہیں ۔ایسے متحرک انسان کہ معاشرے میں نفسا نفسی کا عالم ہے،اور خود غرضی کا ماحول بنا ہوا ہے ۔جس پر نظر پڑتی ہے،ہر شخص اپنے اغراض و مقاصد میں ڈوبا ہوا ہے۔ایک دوسرے کے حقوق غصب کرنے کی روایت پڑ گئی ہے۔مگر حسین سحر ہر وقت ہنستے مسکراتے اور کسی نہ کسی ایسی فکر میں غلطاں و پیچاں ہوں گے کہ ان کے عمل سے کسی انسان کا فائدہ ہو جائے۔

علمی و ادبی دنیا میں گزشتہ نصف صدی سے وہ چھائے ہوئے ہیں،وہ ملتان کی چلتی پھرتی تاریخ ہیں ۔سینکڑوں واقعات،ان گنت معتبر شخصیات کے نام،اور تاریخی مشاہدات انہیں زبانی یاد ہیں ۔ جب عام محفل میں بیٹھتے ہیں تو علم و حکمت سے بھری گفتگو کرتے ہیں ۔متعدد واقعات سنا کر سامعین کو مسحور کر دیتے ہیں ۔عام روش کی طرح تنگ ظرف نہیں ہیں ۔

چونکہ میں تاریخ و مذہب کا طالب علم ہوں اور مجھے تھوڑا بہت افسانہ پر بھی درک ہے، مگر شاعری سے بالکل نابلد ہوں اس لئے ان کی شاعری پر گفتگو نہیں کر سکتا ۔مگر میں سمجھتا ہوں کہ انہیں شاعر،ادیب کہنا اور شعراء کو نوازنے کے عمل کی تعریف نہ کرنا،ان کی شخصیت کے ساتھ ناانصافی ہوگی ۔ کیونکہ وہ ایک اچھا انسان ہے،آدمی تو آپ کو مل جائیں گے مگر انسان کا ملنا انتہائی مشکل ہے۔اپنے لئے زندہ رہنا کوئی کمال نہیں،کمال تو یہ ہے کہ دوسروں کے لئے زندہ رہے۔

پروفیسر حسین سحر نے تمام عمر اللہ کی مخلوق کی خدمت کی ہے،دکھی انسانیت کے لئے اپنی حد تک بہت

کام کیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ آپ نے اپنے فنی حوالے سے ایک زندہ جاوید کام کیا ہے۔ وہ یوں کہ ہم نے دیکھا ہے لوگ زندگی کے کسی بھی حصے میں ہوں بیرونِ ملک جا کر پیسہ کماتے ہیں اور اپنے اُس وقت کو غنیمت جانتے ہوئے زیادہ سے زیادہ آسائشیں اکٹھی کرتے ہیں ۔مگر یہ واحد شخصیت ہیں کہ بیرون ملک جا کر بجائے دولت اکٹھی کرنے کے علمی و ادبی کام کیا،کام بھی ایسا کہ شاہکار،کہ یہ توفیقِ ایزدی ہے جسے نصیب ہو ۔پروفیسر حسین سحر اس کام کے کرنے پر مبارکباد کے مستحق ہیں ۔وہ کام کیا ہے؟ وہ یہ کہ انہوں نے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔جو کہ انتہائی معتبر اور علمی شاہکار ہے۔

اس کام میں مَیں آپ کی اولاد کو بہت زیادہ ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں ۔اور انہیں اس فرمانبرداری اور سعادت مندی پر دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں نظرِ بد سے بچائے۔

اسی طرح پروفیسر حسین سحر کی شخصیت ایک جیتی جاگتی ہر دل عزیز اور علمی و عملی طور پر زندہ جاوید شخصیت ہیں ۔اللہ تعالیٰ انہیں بلیات و مصائب سے محفوظ و مامون رکھے آمین ۔

منظوم خراجِ تحسین

حسین سحر

عیش شجاع آبادی

گلشنِ علم و ادب کا اک شجر　　علم و فن ہیں جس کی شاخوں کے ثمر
ہر عروضی صنف سے ہیں بہرہ ور　　ان کے لہجے میں قیامت کا اثر
جانتے ہیں۔اہل دانش۔دیدہ ور
سروقامت۔ دلربا۔ حضرت سحر

دانش و حکمت کے ہیں اک تاجدار　　دبدبہ بھی ۔ مسکراتا ہے وقار
کھیلتی ہے ان کے چہرے پر بہار　　ساتھ ہر دم رحمتِ پروردگار
آ گہی جس کے کھڑی ہے روبرو
محفلِ شعر و سخن کی آبرو

فکر کی پرواز میں ارفع دماغ　　ڈھونڈتے ہیں وہ ترقی کے سراغ
ہر ادارے کے معاون باغ باغ　　دوستوں کے واسطے ہیں اک چراغ
طالبانِ علم کا مینار ہیں
وسعت ادراک کا معیار ہیں

دردِ دل کی اک شگفتہ ہیں کتاب　　معتبر جس میں خیالوں کے شباب
جسم وجاں کے ولولے ہیں بےحجاب　　روشنی دیتے ہیں مثلِ آفتاب
یوں ابھر آتی ہے خوشیوں کی سحر
حشمتوں کی خوبصورت رہگزر

اک مودت۔اک سعادت کا وجود　　ہر ورق پر نعرہ زن ذکرِ سعود
طاہرانہ دل کے جذبے ۔ بے حدود　　عاجزانہ سب ہیں گلہائے درود
صد مبارک صد مبارک یہ ثبات
دین و دنیا کی سنواری کائنات

عزت مآب شہزادہ خالد الفیصل

کے مجموعہ کلام کے اردو ترجمہ ''نظمیں'' از پروفیسر حسین سحر، پر ایک منظوم تبصرہ

نتیجہ فکر: محمود عالم

مقامِ شکر خدا وند کہ چھپی یہ کتاب — سحر تمہیں ہو مبارک کلام فخر مآب
امیر خالدِ فیصل، کریم ابن کریم — قصیدے جن کے درخشاں فلک پہ چوں مہتاب
وفورِ جذبۂ الفت سے جب ہوا معمور — دل فگار نے لکھا مچل کے ان کو خطاب
تمہارے شعر شکستہ دلوں کا مرہم ہیں — تڑپ رہے ہیں جو ایسے کہ ماہی بے آب
یہ حسن و عشق کی باتیں، یہ کربِ ہجرِ حبیب — گوارا جب ہیں کہ ہو مرحلۂ حسن و شباب
خدا انہیں کسی طوفاں سے آشنا کر دے — جو اہلِ عشق کو کہتے رہے ہیں 'خانہ خراب'
مشینی دور میں ہر شخص ہو گیا بے روح — کسی کے سینے میں اب ہے نہیں دل بیتاب
تمہاری نظم نے پھونکی ہے جان میں اب اک روح — تمہارے اشک ہی سے نخلِ دل ہوا سیراب
سحر کی سحر بیانی سے ہم ہوئے مسحور — نظر میں بحرِ محبت ہوا ہے یوں پایاب
جناب صفدرِ ہندی کے ہیں سبھی ممنون — عجم کے سارے حسین اور عرب کے سارے شباب
یہ کیسے پھول کھلائے ہیں تو میں نے گلشن میں — کہ سارے بزم میں پھیلی ہے بوئے مشک و گلاب
قصیدے خالد فیصل کے ہوں ہمیں مبرورک — یہ ''نظمیں'' خوب ہیں سب شعر ہیں درِ نایاب
کریں دعائیں نہ کیوں صفدر و سحر کے لئے — بنا کے لائے ہیں گلدستۂ گل شاداب

پھلواڑی حرفاں دی۔۔۔۔حسین سحر

علی محمد ملوک

گل تے ہندی سجنا! ساری حرفاں دی
پر توں صورت ہور نکھاری حرفاں دی

ادب نگردے مالیاں تینھوں صدقے جاں
کیسی بیجی توں پھلواڑی حرفاں دی

کیہہ وساں پروازاں تیری سوچ دیاں
ودھ جاندی اے ہور اڈاری حرفاں دی

خورے کنے لوکیں فیض اٹھاون گے
ایسی کیتی نہر توں جاری حرفاں دی

جو کجھ یار حسین سحر لئی لکھیا میں
ہستی ہور وی ہو گئی بھاری حرفاں دی

پیش کرن لئی پھلاں ورگے حرف ملوک
سرتے چکی پھرناں کھاری حرفاں دی

شعری مجموعہ ''تخاطب'' دی پورے والا وچ تقریب رونمائی ویلے

حسین سحر کے لئے ایک نظم

احمد شہباز خاور

مقامِ حرف سے ہے آشنا حسین سحر
صدا کے قحط میں ہے لب کشا حسین سحر

چراغِ حسن تخاطب سے گنگ راتوں کو
جلا رہا ہے جواں حوصلہ حسین سحر

فروغ حرمتِ انساں کی بات کرتا ہے
وفا کی کھوج میں نکلا ہوا حسین سحر

نظر میں ایک ہی منظر سجائے پھرتے ہیں
بہار، رنگ، دھنک، گل، صبا، حسین سحر

نئی اڑان نئے ولولوں کی ضو لے کر
رواں ہے سلسلہ در سلسلہ حسین سحر

مجھے یقیں ہے کہ اب رات کٹ ہی جائے گی
جلا رہا ہے سخن کا دیا حسین سحر

دکھا کے منزلِ ایقان کی جھلک خاورؔ
مٹا رہا ہے ہر اک فاصلہ حسین سحر

مقامِ سحر

اختر معظم

عیاں ہے اہل نظر پر سدا مقام سحر
دلوں کو چھوتا ہے پل پل حسیں کلام سحر
شبِ سیاہ کا آنچل سحر کرے تبدیل
بدل نہ پائے گی گردش کبھی دوام سحر
وہ اہل دل ہوں کہ اہل یقین وصاحب ذوق
عیاں ہے حُسن تعلق سے احترام سحر
حُسیں تقاضے تعلق، خیال، قرب و خلوص
کمالِ لطف کے پیکر ہیں سب، بنام سحر
مرے حروف، ارادے، شعور اور دھڑکن
سبھی کا مقصد و محور فقط سلام سحر
جو دیکھا چشمِ عقیدت سے جھانک کر اُس نے
تو شب کا پچھلا پہر ہوگیا غلام سحر
فراز عصر میں ایسا کوئی ہوا ہے کبھی
کہ جس کا دست تحکم ہو ہمزمام سحر
وہ ذات جو کہ بدل دے قرینہ احساس
اُسی کا حُسن تصرف ہے التزام سحر
سبھی ہیں جذب وعقیدت میں حاملانِ خلوص
سبھی کے دل میں بسے عز و احترام سحر
تمام اختر دوراں تمام کاہکشاں
ازل سے تا بہ اَبد زیر انصرام سحر

آبروئے شہرِ سخن

وقار شعر و ادب آبروئے شہر سخن
سراپا عجز کا اظہار ہیں حسین سحر
ہے فیضیاب ہر اک اپنا اور بیگانہ
ایک ایسا نخل ِ ثمر بار ہیں حسین سحر

نسیم کاظمی

بیاں کرے کوئی کس طرح عظمت قرآں
جب اہل بیت نے خود کی ہے مدحت قرآں
ہوئے ہیں علم کے درسے جو فیضیاب سحر
تو نظم اردو میں کی ہے عبارت قرآں

(ناصرالہ آبادی)ریاض

اسلام پہ عجیب یہ احسان کر دیا
قرآن کو سمجھنے میں آسان کر دیا
شاعر نہیں تو معجزہ کرو گار ہے
تیرے سحر قلم نے یہ اعلان کر دیا

(افتخارنقوی۔ریاض)

حسین سحر کے نام

عنوان روشنی ہے حسین سحر کے ساتھ
احساسِ زندگی ہے حسین کے ساتھ
شبنم مزاج و شعلۂ خنداں کہیں جسے
خورشید آگہی ہے حسین کے ساتھ

اسلم یوسفی

فرقانِ عظیم

راستہ رشد و ہدایت کا دکھاتا ہے ہمیں
ہے صحیفہ نور کا لاریب قرآن عظیم
ترجمہ ہے ضوفگن مثل سحر تیرا حسین
ترجمانی کر رہا ہے حق کی فرقان عظیم

نسیم کاظمی

انٹرویو

میزبان رضی الدین رضی

اردو کے معروف شاعر اور ادیب پروفیسر حسین سحر کے ساتھ آج ہم نے روزنامہ ''سنگ میل'' کے لئے مکالمے کا اہتمام کیا ہے۔میرے ساتھ شریک گفتگو ہیں پروفیسر انور جمال، ڈاکٹر فرحت عباس اور اظہر سلیم مجوکہ .....سحر صاحب ہم آپ سے پہلا سوال یہی کرینگے (حسبِ روائت) کہ آپ نے شاعری کا آغاز کب کیا اور اپنی شاعری کے ابتدائی ایام کے بارے میں آپ ہمیں کچھ بتائیں گے؟

حسین سحر:..... رضی یہ بڑا روائتی سوال ہے لیکن ہر اس شخص کو اس کا جواب دینا پڑتا ہے جو آپ جیسے دوستوں کے سامنے مکالمے کیلئے موجود ہو۔ بہر صورت اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے 1952ء میں بچوں کی نظمیں لکھنے سے شاعری کا آغاز کیا جو بچوں کے رسالوں میں شائع ہوتی تھیں۔اسب سے پہلی نظم فیصل آباد کے رسالے اختر میں چھپی تھی اس کا عنوان تھا ''ستارہ''۔

رضی الدین رضی:..... کہتے ہیں کہ شاعر کو شاعری کے لئے ایک تحریک کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کی شاعری کا خاص محرک ہوتا ہے جس کے تحت وہ شاعر بنتا ہے۔آپ کے شاعر بننے میں کیا عوامل کارفرما تھے؟

حسین سحر:..... میرے والد صاحب پنجابی کے ایک اچھے شاعر رہے ہیں۔اب بھی کبھی کبھار شعر کہتے ہیں اس لیے پہلے میں نے شاعری سنی تو انہی کی زبانی۔ یہ شاعری میرے لاشعور میں رچی ہوئی تھی لیکن عجب بات ہے کہ وہ پنجابی کے شاعر تھے مگر میں نے اردو میں شاعری کی۔اس کی وجہ یہی تھی کہ میں نے بچوں کے لئے نظمیں کہیں جو ظاہر ہے اردو ہی میں کہی جا سکتی تھی۔

رضی الدین رضی:..... آپ نے بچوں کے لئے شاعری چھوڑ کیوں دی؟ کافی عرصے سے آپ نے بچوں کیلئے کچھ نہیں لکھا اس کی کیا وجہ ہے؟

انٹرویوز (مصاحبے)

حسین سحر:..... ہاں یہ کمی مجھے بھی محسوس ہوتی ہے لیکن آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں نے بچوں کے لئے شاعری چھوڑ دی۔ اب بھی جب کبھی موڈ ہو میں بچوں کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور لکھتا ہوں۔

فرحت عباس:..... میں رضی کے سوال کو آگے بڑھا رہا ہوں۔ آپ نے خود ہی فرمایا کہ آپ نے بچوں کی شاعری سے ابتداء کی لیکن کہیں یہ وجہ تو نہیں کہ آپ نے شادی کے بعد بچوں کی شاعری سے استعفیٰ دے دیا ہو اور غزل کہنا شروع کر دی ہو؟

حسین سحر:..... نہیں ایسی بات نہیں شادی کے بعد بھی میں نے بچوں کے لئے بہت سی نظمیں کہی ہیں اور خود اپنے بچوں کے بارے میں نظمیں کہیں۔ اب بھی میں بچوں کے لئے نظمیں کہتا ہوں مگر بہت کم سال میں ایک آدھ نظم۔

فرحت عباس:..... آپ نے پہلی غزل کب کہی؟

حسین سحر:..... پہلی غزل شاید 1955ء یا 1956ء میں کہی۔ یہ غزل بزم طلوع ادب کے مشاعرے کے لئے کہی گئی۔ پہلی غزل باقاعدہ سٹیج پر جا کر پڑھنے کا بھی میرا یہ پہلا اتفاق تھا۔ گویا پہلی غزل کہی اور وہ بھی پبلک مشاعرے میں جا کر پڑھی۔ انہیں دنوں اقبال ارشد نے شاعری شروع کی تھی۔

فرحت عباس:..... آپ دونوں میں سے شاعری پہلے کس نے شروع کی؟

حسین سحر:..... اس کا فیصلہ مشکل ہے۔ اس لئے کہ اقبال ارشد سے میری ملاقات 1952ء میں ہوئی۔ وہ بھی شعر کہتا تھا اور میں بھی یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کون اولیت رکھتا ہے؟

انور جمال:..... سحر صاحب ابھی رضی نے شاعری کے محرک کا ذکر کیا اور آپ نے بتایا کہ آپ کے والد محترم بھی اچھے شاعر ہیں اس پر آپ مزید روشنی ڈالیں کہ کیا شاعر کے لئے اس کا موروی ورثہ ہونا ضروری ہے یا اس کے علاوہ بھی کوئی محرک شاعر کے لئے مفید ہے۔

حسین سحر:..... میں سمجھتا ہوں وراثت کوئی خاص محرک نہیں ہے۔ ایک محرک ضرور ہے لیکن اصل محرک ہے ماحول..... ماحول اگر شاعر کو مل جائے تو وہ پھر شعر کہنے کا اہل ہوتا ہے۔ اگر ماحول نہ ہو تو ممکن ہے آپ کے اندر کا شاعر وقت سے پہلے ہی ختم ہو جائے۔

اظہر مجوکہ:..... سحر صاحب آپ نے نظم اور غزل میں سے کسے ترجیح دی۔

حسین سحر:..... ظاہر ہے غزل ہی پر توجہ دی لیکن نظمیں بھی میں نے کہی ہیں میں نے اس وقت ملتان میں نظم آزاد کہی جب یہاں آزاد نظم کہنے والا کوئی نہ تھا۔ یہ کوئی دعویٰ نہیں۔ میں نے اور اقبال ارشد نے کوشش کی تھی۔ اقبال ارشد پابند نظمیں لکھتے اور میں شعوری طور پر تجربے کے طور پر آزاد نظم کہتا تھا۔

اظہر مجوکہ:..... ہمارے ہاں نوجوان نظم کی بجائے غزل پر زیادہ توجہ دے رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ ایسا کیوں ہے؟

حسین سحر:..... ایک واضح بات ہے اور وہ یہ کہ غزل کی طرف جو عام شعراء کا رجحان ہے اس کی سب سے بڑی وجہ تو اس کی ہیئت ہے اس کی ہیئت ایسی ہے کہ اس میں نسبتاً نظم کے مقابلے میں مشق آسان ہے۔ چنانچہ ہر نوآموز شاعر کو نظم کے مقابلے میں غزل کہنے میں آسانی لگتی ہے اس لئے کہ اس میں بنے بنائے سانچے ہیں اور پھر قافیہ اور ردیف خود بخود خیال سمجھا جاتا ہے..... نظم کا مرتبہ بہر حال زیادہ ہے دنیا کی جتنی بڑی شاعری ہے اس میں نظم ہی زیادہ ہے۔ لیکن ہمارے ہاں تمام تر مخالفت کے باوجود مقبول ترین صنف سخن غزل ہے۔

فرحت عباس:..... سحر صاحب ابھی آپ نے کہا ہے کہ جب آزاد نظم کا تجربہ ہو رہا تھا تو آپ نے ملتان میں پہل کی۔ آج کے دور میں جو تجربے ہو رہے ہیں مثلاً آزاد غزل، نثری نظم ہائیکو اور یک مصری نظمیں ہیں ان سب کے تجربے ہو رہے ہیں آپ نے اس سلسلے میں کوئی تجربہ کیا؟

حسین سحر:..... فرحت صاحب! ہم نے آزاد نظم اور یک مصرعی نظم کا تجربہ 1958ء میں کیا

یک مصرعی نظم کا تجربہ اقبال ارشد نے کیا۔انہوں نے کئی ایسی نظمیں لکھیں۔اس وقت ابھی عرش صدیقی صاحب بھی ملتان نہ آئے تھے۔عرش صاحب کا نظم کے حوالے سے بڑا نام ہے۔فرخ درانی اور عرش صدیقی دونوں جدید نظم کے بڑے شاعر ہیں ..... میں نے ہر دور میں نئے تجربوں کا ساتھ دینے کی کوشش کی ہے لیکن کوشش کے باوجود نثری نظم کی طرف میرا ذہن نہیں آسکا

فرحت عباس:.....کیا آپ نے اس تجربے کو مسترد کیا ہے

حسین سحر:.....نہیں میں نے مسترد نہیں کیا ذاتی طور پر مجھے نثری نظمیں بری نہیں لگتیں لیکن میں نے کوشش نہیں کی نثری نظمیں لکھنے کی۔میرا میلان نہیں ہے اس طرف۔

فرحت عباس:.....نوجوان جو تجربے کر رہے ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا یہ تجربے ہونے چاہئیں؟

حسین سحر:.....نوجوان جو تجربے کر رہے ہیں وہ حوصلہ افزاء ہیں لیکن ایک خامی ان میں ہے جو نہ جانے کب تک رہے گی وہ زبان اور فن کی خامی ہے۔

رضی الدین رضی:.....اس کی وجہ آپ بیان کیجئے ناں؟

حسین سحر:.....اس کی وجہ تن آسانی ہے۔نہ وہ کچھ سیکھنے کے موڈ میں ہوتے ہیں اور نہ سیکھتے ہیں لیکن ان میں ٹیلنٹ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ان میں ٹیلنٹ اتنا ہے کہ وہ ہماری نوجوانی کے دور میں ہم میں بھی نہ تھا۔وہ ہم سے آگے ہیں۔خیالات اور مواد کے اعتبار سے وہ ہم سے بہت آگے ہیں مگر فن اور زبان کے لحاظ سے جو بنیادی اہمیت رکھتی ہیں وہ خاصے پیچھے ہیں۔

انور جمال:.....سحر صاحب کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں ہے کہ ہم اور آپ لوگ اپنی نوجوانی کے دوران مطالعہ خاص طور پر اساتذہ کا کرتے تھے اور اس کے پس منظر میں شاعری کرتے تھے کیا نوجوان اب اس طرف مائل نہیں ہیں۔

حسین سحر:.....نوجوان مطالعہ تو کرتے ہیں مگر وہ اپنے ہم عصر ادب کا مطالعہ کرتے ہیں جو ناکافی ہے۔ہماری جڑیں تو پیچھے ہیں۔جب تک ہمیں روائت اور کلاسیک کا علم نہ ہو ہم کیسے پھل پھول سکتے ہیں۔نوجوان کو میرا مشورہ یہی ہے کہ وہ اپنی روائت سے بھی تعلق رکھیں۔ماضی سے کچھ سیکھنے کی کوشش کریں۔

انور جمال:.....ایک اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔کیا نوجوانوں میں احساس تکمیل کا احساس نہیں پایا جاتا؟ان میں اپنے فن کی ناپختگی کے باوجود احساس تکمیل پایا جاتا ہے۔

حسین سحر:.....دراصل کچھ اس دور کا تقاضا بھی ہے نوجوان الجھا ہوا ہے کئی مسائل کا شکار ہے۔

اظہر مجوکہ:.....ایسا تو نہیں ہو رہا کہ نوجوانوں کو نئے نئے تجربوں سے واسطہ پڑ رہا ہے؟

حسین سحر:.....وہ تو خیر ہر دور کا نوجوان جدت پسند ہوتا ہے۔

فرحت عباس:.....نوجوانوں سے آپ کو شکایت ہے کہ ان کے ہاں فن کی ناپختگی ہے۔لیکن ہم نوجوان بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں اساتذہ نے وہ فن اور وہ زبان نہیں دی۔پہلے زمانہ میں اساتذہ اور شاگرد کا تعلق تھا جواب نہیں ہے۔اس صورت میں تو یہ شکایت بے معانی ہو جاتی ہے۔

حسین سحر:.....میں اس سے اختلاف کروں گا میرا خیال ہے استادی شاگردی کا ادارہ بیسویں صدی کے شروع میں ہی ختم ہو گیا تھا۔اگرچہ اس ادارے کی اپنی ایک اہمیت تھی۔اب اس کی افادیت نہیں رہی۔اب بھی کچھ لوگ ہیں جو باقاعدہ شاگرد پالتے ہیں۔نہ وہ اس پائے کے استاد ہیں اور نہ ہی اس طرح کے شاگرد ہیں۔اس کی افادیت تو ختم ہو گئی اب ہر شخص اپنا استاد خود ہے۔ میں اپنی مال دیتا ہوں۔میرا کوئی استاد نہیں ہے۔بالکل کوئی استاد نہیں۔نہ میرا کوئی استاد ہے نہ اقبال ارشد کا۔ہم نے کسی سے ایک مصرے کی بھی اصلاح نہیں کرائی۔ہمارا اپنا ذوق اور وجدان ہمارا استاد تھا۔رہنما کی ضرورت تو خیر پڑتی ہے اب مطالعہ آپ کا استاد ہو سکتا ہے۔آپ کے دوست آپ کے استاد ہو سکتے ہیں اقبال ارشد جو غزل کہتا ہے وہ سب سے پہلے میرے پاس آتا

ہے۔ میں کہہ دوں ٹھیک ہے وہ خوش ہوتا ہے۔ میں کوئی غزل کہوں تو میں بھی پہلے اسے سناتا ہوں اب آپ اسے استادی شاگردی نہ سمجھیں۔ یہ مشاورت ہے۔ ہم مشورہ کرتے ہیں۔ اب نوجوانوں میں جستجو کا فقدان ہے کسی کو مشورہ دو تو وہ بالکل نہیں مانتا۔

فرحت عباس:..... آپ نے باہمی مشاورت کی بات کی۔ اس ضمن میں تنقیدی اجلاسوں کا ذکر ہوسکتا ہے آج کل کے تنقیدی اجلاسوں کی کیا اہمیت ہے؟ وہ مثبت انداز میں ادب پرا ثر انداز ہو رہے ہیں یا وہ تنقید منفی انداز سے شاعری کو متاثر کر رہی ہے۔

حسین سحر:..... تنقیدی اجلاس اب اپنی افادیت کھو بیٹھے ہیں۔ ان کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ وہاں گروہ بندیاں ہیں۔ ایک ادارے میں بیٹھ کر لوگ بات کرتے ہیں۔ تو اپنے ہی لوگوں کی تعریف کرتے ہیں کوئی دوسرے گروہ کا نوجوان آجائے تو اس کی ٹانگ کھینچتے ہیں۔ ملتان ہی نہیں لاہور میں بھی ایسا ہے۔ حلقہ ارباب ذوق کی میٹنگوں میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ خاص طور پر لاہور تنقیدی اجلاسوں کے سلسلے میں نمایاں مقام رکھتا ہے اور یہ روائت باقاعدہ وہیں سے چلی۔ ملتان میں بھی ایک دور تھا جب ان اجلاسوں کی افادیت تھی۔ اب تو اجلاسوں میں لوگ سیکھنے نہیں بولنے جاتے ہیں۔ اب تو ان اجلاسوں سے ادب کو نقصان ہو رہا ہے۔ ان اجلاسوں میں چونکہ نوجوان بھی شامل ہیں اس لئے وہ بھی اس گروہ بندی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک ہفتہ ہوتا ہے انہیں غزل کہتے اور اس حلقے میں اسے عظیم ترین شاعر مان لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ وہ پاگل ہو جاتا ہے۔ وہ بڑوں سے لڑتا ہے جھگڑتا ہے انہیں گالیاں دیتا ہے۔

انور جمال:..... آپ نے فرمایا کہ مجلس تنقید ادب کے لئے اتنی سود مند نہیں جتنی کہ پہلے تھی۔ مجلس تنقید کے ڈانڈے پراپیگنڈہ سے بھی جا ملتے ہیں۔ ایک سوال یہ ابھرتا ہے کہ ادب میں پروپیگنڈہ کا کیا مقام ہے؟

حسین سحر:..... میں سمجھتا ہوں کہ ادب پروپیگنڈہ بالکل نہیں ہے البتہ جو معاشرے کی اعلیٰ

اقدار ہیں۔ اس کے حوالے سے دیکھیں تو ان اعلیٰ اقدار کے فروغ کے لئے ادب کو وسیلہ بنانا کوئی برا بھی نہیں لیکن کسی بھی نظریے کے لئے ادب کو استعمال کرنا اچھا نہیں۔

انور جمال:..... سحر صاحب میں سوال دوبارہ دہراتا ہوں میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ادب میں پروپیگنڈے کی کیا حیثیت ہے۔

حسین سحر:..... پبلسٹی تو کسی ایک نظریے کی کی جاتی ہے تو بات تو وہی ہے جو پہلے میں کہہ چکا ہوں اگرچہ ابلاغ کا نام ہے لیکن ابلاغ اور پراپیگنڈہ میں فرق ہے۔ ابلاغ اور ترسیل کا نام ادب ہے۔ میں سمجھتا ہوں ادب اور پراپیگنڈہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

رضی الدین رضی:..... سحر صاحب آپ کو ملتان کے نوجوانوں میں کوئی ایسے چہرے نظر آتے ہوں گے جو مستقبل میں نام پیدا کریں گے؟

حسین سحر:..... میں نوجوانوں کا نام لے کر انہیں خراب نہیں کرنا چاہتا۔ نوجوانوں کی تعریف کرنا ان کو بگاڑنے کے مترادف ہے۔ ان کی تعریف نہیں کرنی چاہیے البتہ تحسین اور حوصلہ افزائی ضروری ہے۔

اظہر مجوکہ:..... سحر صاحب شاعروں پر موسم بھی اثر انداز ہوتے ہیں تو کوئی ایسا موسم جس میں آپ نے سمجھا ہو کہ آپ ڈوب کر لکھ رہے ہیں؟

حسین سحر:..... میں کسی خاص موڈ کا قائل نہیں سراسر شور و شغب میں بھی شعر کہہ دیتا ہوں۔ بچوں کا شور ہو، بازار میں جاتے ہوئے حتیٰ کہ کلاس میں پڑھا رہا ہوں تو بھی شعر کہہ دیتا ہوں۔

رضی الدین رضی:..... سحر صاحب آپ نے مذہبی شاعری بھی کی۔ لہولہو اور باب العلم کے نام سے دو مجموعے مرتب کیے۔ ملتان میں کی جانے والی مذہبی شاعری کے حوالے سے ہم آپ کے خیالات سننا پسند کریں گے۔

حسین سحر: ......

دو مجموعے میں مرتب کر چکا ہوں۔ جن کا آپ نے ذکر کیا۔ ایک تو یہ کام کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ ملتان میں نعتیہ مشاعرے بھی ہم نے منعقد کیے اور نعت و منقبت کے فروغ کی کوشش کی۔ خاص طور پر مسالمے کے رواج میں چند دوستوں کا زیادہ حصہ ہے۔ جس میں حیدر گردیزی ہیں، عاصی کرنالی، عزیز حاصلپوری، ادیب سیمابی، اقبال ارشد اور نا رنقوی ہم نے ان نشستوں کے خاص ادب کو ملحوظ رکھا اور نئی نسل تک یہ ورثہ منتقل کیا۔

انور جمال: ......سحر صاحب آپ ایک عرصہ تک سٹیج پر شاعری کرتے رہے۔ کتاب اور سٹیج کی شاعری میں خاصا فرق ہے۔ آپ ایک عرصے تک سٹیج پر پڑھنے کے اس تجربے پر روشنی ڈالیں۔

حسین سحر: ......سٹیج اور کتاب کی شاعری مختلف ہے۔ دونوں کے تقاضے مختلف ہیں۔ بعض شاعر بہت نامور ہیں مگر مشاعرے کے شاعر نہیں اور بعض سٹیج کے شاعر ہیں مگر کتاب یا رسالے میں ان کی حیثیت کچھ نہیں رہی۔ یہ دو الگ میدان ہیں۔ کچھ شاعر ایسے ہیں جو دونوں میدانوں میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ اتفاق سے میں نے اور اقبال ارشد نے رسائل اور مشاعروں دونوں کے ساتھ نباہ کیا۔

رضی الدین رضی: ......آپ نے مشاعرے آرگنائز کیے اور آپ ایک اچھے سٹیج سیکرٹری بھی ہیں آپ کے نزدیک اور کون ایسا سٹیج کنڈکٹر ہے جو مشاعرہ سنبھالنے کے فن سے واقف ہو۔

حسین سحر: ......ملتان میں رفیق خاور جسکانی مرحوم بہت اچھے سٹیج سیکرٹری تھے۔ ہم نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ اب آج کل اقبال ارشد بہت اچھا سٹیج سیکرٹری ہے۔ اعزاز احمد آذر بہت اچھا سٹیج سیکرٹری ہے بہت اچھے جملے ادا کرتا ہے۔

رضی الدین رضی: ......مستقبل میں آپ کو کوئی ایسا نوجوان نظر آتا ہے۔

حسین سحر: ......مستقبل میں میرا اپنا بھتیجا شاکر ماشاءاللہ خاصا تیز ہے بلکہ اقبال ارشد کی کاپی

ہے۔ اس معاملے میں اس سے توقعات ہیں۔ شرط یہ ہے کہ وہ کچھ سیکھنے میں دراصل نوجوانوں کی تعریف کرتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ اگر وہ سیکھنے کے عمل سے گزرے تو یقیناً اچھا سٹیج سیکرٹری ہو سکتا ہے۔

فرحت عباس: ......سحر صاحب ابھی ہم نے شاعری کی بات کی۔ اب میں نثر کی طرف آنا چاہتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ ہم شاعری میں غزل کو لے کر آگے بڑھ سکتے ہیں تو نثر میں کون سی صنف نمائندہ ہو سکتی ہے۔

حسین سحر: ......میں سمجھتا ہوں کہ غزل کی طرح نثر میں افسانہ اب بھی مقبول ترین صنف ہے۔ افسانہ ہمارے ادب کی مقبول ترین صنف ہے۔ پھر ایک اور صنف ہے جس کا رواج کوئی دس سال سے سامنے آیا ہے۔ وہ ہے انشائیہ انشائیے پر لوگوں نے توجہ دی ہے اور لوگوں نے انشائیے پر اتنا کچھ لکھا ہے کہ اس کے خدوخال واضح ہونے لگے ہیں۔ ورنہ اس کے خدوخال بھی اب تک موضوع بحث رہے ہیں۔

فرحت عباس: ......آپ کے نزدیک انشائیے کی مکمل تعریف کیا ہے۔

حسین سحر: ......انشائیے کے دو مکاتب فکر ہیں جو خاصے اہم ہیں اور زور و شور کے ساتھ موضوع بحث رہے ہیں۔ ایک لاہور کا دبستان ہے جس میں مشکور حسین یاد ہیں۔ ایک دبستان سرگودھا کا ہے اور نہایت محرک انشائیہ نگار ڈاکٹر وزیر آغا ہیں۔ مشکور حسین یاد بھی اپنی تحریروں کو انشائیہ کہتے ہیں مگر میں اسے اس طرح نہیں مانتا جیسے وہ مانتے ہیں۔ وہ خالصتاً مزاحیہ تحریر ہے جیسے ہمارے ہاں اقبال ساغر صدیقی صاحب لکھتے ہیں اور کئی نوجوان لکھتے ہیں۔ اصل انشائیے پر اب بھی لوگوں نے کم توجہ دی ہے......ملتان ایک الگ مرکز ہے۔ اس میں بھی انشائیہ لکھا جا رہا ہے جس میں صلاح الدین حیدر، اقبال ساغر صدیقی، رضی الدین رضی، شاکر حسین شاکر، اظہر سلیم مجوکہ، انور جمال نے انشائیے لکھے ہیں اچھے انشائیہ نگار یہاں موجود ہیں۔ ان معنوں میں جو عام معنی انشائیوں میں ہے

-

رضی الدین رضی:.....سحر صاحب آپ نے نام تو سب کے لئے مگر ملتان میں انشائیے کے معیار پر کس کے انشائیے پورے اتر رہے ہیں۔

حسین سحر:.....اب یہاں آپ سب لوگ بیٹھے ہیں۔آپ کے منہ پر تعریف کرنا تو اچھی بات نہیں ہے۔

رضی الدین رضی:.....نہیں آپ نے کہا کہ مشکور یاد کے انشائیوں میں مزاح کا منفرد مادہ ہے تو یہاں بھی مزاح زیادہ ہے۔اس حوالے سے کچھ وضاحت کریں۔

حسین سحر:..... یہاں ایک نوجوان ہے خالد اقبال اس کے انشائیے میں نے دیکھے ہیں۔اس میں مجھے ڈاکٹر وزیر آغا کا سا انداز نظر آیا۔اظہر سلیم مجوکہ کے ہاں بھی یہ بات ہے۔رضی الدین رضی کے ہاں طنز کی کاٹ زیادہ ہے جو انشائیے کی روح کو ذرہ سا متاثر کرتی ہے اس لئے میں ان کے انشائیے کو مشکور حسین یاد۔

رضی الدین رضی:.....سحر صاحب ایک سوال ہم نے آپ سے اپنے ایک پچھلے انٹرویو کے حوالے سے پوچھنا ہے جو ہم نے گزشتہ ماہ اقبال ارشد سے کیا تھا۔اقبال بھائی نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا کہ تنقید اور ادب پر ہمارے پروفیسروں کا غلبہ ہے جو نہ صرف تنقید کے لئے بلکہ ادب کے لئے بھی نقصان دہ ہے۔آپ چونکہ خود پروفیسر ہیں اس لئے آپ یہ وضاحت کریں گے کہ کیا آپ بقول اقبال ارشد ادب کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

حسین سحر:..... مجھے اس معاملے میں اختلاف ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ سارے پروفیسر تنقید نہیں لکھتے اور سارے تنقید نگار پروفیسر بھی نہیں ہیں۔البتہ ہمارے ہاں اچھے تنقید نگار پروفیسر گزرے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا اوڑھنا بچھونا ہی یہی ہے۔لکھنا پڑھنا اور پھر انگریزی اور اردو کے اکثر پروفیسر یا تو شاعر ہوتے ہیں یا پھر نقاد اور افسانہ نگار ہیں اور اگر ادب تخلیق نہیں کرتے تو ادب پڑھاتے ہیں۔یا ادب پڑھتے ہیں ان کا حق بنتا ہے کہ وہ ادب سے متعلق رہیں۔اقبال ارشد صاحب نے جذباتی انداز میں وہ بات کہی مجھے ان سے اختلاف ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ کچھ نقاد ایسے ہیں جو اپنی پروفیسری کے زعم میں ادھر ادھر بھٹک جاتے ہیں۔وہ باقاعدہ گروہ بندی کا

شکار ہوتے ہیں اور کچھ نوجوان شاگردوں کے ذریعے مخصوص نظریات کا پرچار کرتے ہیں۔اسی حوالے سے وہ ادب کو نقصان پہنچاتے رہے ہیں۔

انور جمال:.....موجودہ ڈرامے سے آپ مطمئن ہیں جو لکھا جا رہا ہے

حسین سحر:.....ڈرامہ بہت کم لکھا جا رہا ہے۔نہ ہونے کے برابر لکھا جا رہا ہے۔اس لئے اطمینان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؟

انور جمال:.....مگر ٹی وی ڈرامے بھی تو لکھے جا رہے ہیں۔

حسین سحر:.....انہیں میں ادب نہیں مانتا۔ریڈیو اور ٹی وی کے ڈراموں کو میں شمار نہیں کرتا کیونکہ یہ تفریح کے ذیل میں آتے ہیں۔البتہ کچھ ایسے ڈرامے ہیں جو ٹی وی کے ذریعے سامنے آئے اور انہیں ہم ادب کہہ سکتے ہیں۔

رضی الدین رضی:.....ایک عام تاریہ ہے کہ ادب کو اخبارات کے ادبی ایڈیشنوں میں نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس کی حیثیت ایک ہی دن میں ختم ہو جاتی ہے۔جب کہ رسالوں میں شائع ہونے والا ادب محفوظ رہتا ہے۔آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔

حسین سحر:..... مجھے اس رائے سے اختلاف ہے۔میں ان کی افادیت سے انکار نہیں کر سکتا۔اخبارات کے ادبی ایڈیشن نے ادیب کو بڑی عزت دی ہے اور یہ ضروری ہے۔محلے ادب کو فروغ دیتے ہیں۔ادبی ایڈیشن ادیبوں کو عزت دیتے ہیں ان کی افادیت سے بہر حال انکار نہیں کیا جا سکتا۔

رضی الدین رضی:.....سحر صاحب آج آپ کے ساتھ خاصی دلچسپ اور خالصتاً علمی گفتگو ہوئی۔جہاں ہم نے اس گفتگو سے بھرپور استفادہ کیا۔وہیں سنگ میل کے قارئین کے لئے بھی یہ مکالمہ دلچسپی کا باعث بنے گا۔میں اپنے رفقاء کار پروفیسر انور جمال، ڈاکٹر فرحت عباس، اظہر سلیم مجوکہ اور اپنی جانب سے بطور خاص آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنے قیمتی لمحات میں سے کچھ وقت ہمارے لئے نکالا خدا حافظ۔

حسین سحر:.....شکریہ خدا حافظ۔

مطبوعہ: روزنامہ سنگِ میل ملتان۔اشاعت خاص ''حسین سحر نمبر'' 13/جون 1984ء

نثری نظم میرے مزاج سے ہم آہنگ نہیں

میزبان:.....سعید بدر، رضی الدین رضی، جاوید اختر بھٹی

اردو غزل کے حوالے سے پروفیسر حسین سحر کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں، 1942ء میں جلال آباد ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے، 1953ء سے شاعری کی ابتداء کی بچوں کے لئے بے شمار نظمیں لکھیں جن کا ایک مجموعہ ''پھول اور تارے'' کے نام سے چھپ چکا ہے اس مجموعے کو آدم جی ایوارڈ بھی دیا گیا، آج کل گورنمنٹ کالج سول لائنز ملتان میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں، اس کے علاوہ میاں مقبول احمد کے ساتھ مل کر ملتان سے ''اہل قلم'' نامی ادبی جریدہ شائع کرتے ہیں۔

حسین سحر دھیمے لہجے کے شاعر ہیں غزل میں ان کا ایک منفرد اسلوب ہے، یہی دھیما پن ان کی شخصیت کا حصہ بھی ہے ان کی غزلوں سے چند خوب صورت منتخب اشعار ذیل میں شائع کئے جا رہے ہیں۔

اک کرن آواز کی ڈوبی تھی دشت شام میں
شہر کے سارے دریچے بے صدا کیوں ہو گئے!

دھواں اگلتی ہوئی چمنیاں یہ کہتی ہیں
حیات روز سلگتی ہے کارخانوں میں

میرے لئے تو سانس بھی لینا محال ہے
یہ کون زندگی کی دعا دے گیا مجھے

کبھی تو جاگتی آنکھوں پہ آشکارا ہو
وہ ایک شخص جو ملتا ہے روز خوابوں میں
شاید یہی ہے شدت احساس کا مقام
پتھر کا خون تیر رہا ہے کدال پر

س: آپ نے اپنی شاعری کی ابتداء بچوں کی شاعری سے کی، انہی نظموں کے مجموعے ''پھول اور تارے'' کو آدم جی ایوارڈ بھی ملا، لیکن پھر آپ نے بچوں کی نظمیں کہنی کم کر دیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

ج: یہ ٹھیک ہے کہ میں نے اپنی شاعری کا آغاز بچوں کی نظمیں لکھ کر کیا، میں اب بھی بچوں کے لئے شاعری کرتا ہوں مگر اس رفتار سے نہیں جس رفتار سے پہلے کیا کرتا تھا، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اب مصروفیات بڑھ گئی ہیں پھر وہ جو پہلے پہل اشتیاق سا ہوتا ہے لکھنے لکھانے کا وہ غالباً عمر کے ساتھ ساتھ نہیں رہا۔

س: ہر شاعر ابتداء میں بچوں کے لئے نظمیں لکھتا ہے (کیونکہ اس وقت وہ خود بچہ ہوتا ہے) لیکن شہرت حاصل کر لینے کے بعد وہ محسوس کرتا ہے کہ اب بچوں کے لئے ''اچھا'' نہیں لگے گا، آپ کے ساتھ بھی یہی تو نہیں ہوا۔

ج: نہیں یہ بات نہیں میں تو اب بھی بچوں کے لئے لکھنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہوں، چنانچہ جب بھی موقع ملتا ہے بچوں کے لئے ضرور لکھتا ہوں خصوصاً ریڈیو پر بچوں کے لئے لکھ رہا ہوں، ہاں البتہ وہ پہلے والی رفتار نہیں رہی اور اس کی وجہ میں پہلے بتا چکا ہوں، میں اب بھی بچوں کے لئے نظمیں لکھ رہا ہوں جو ممکن ہے ایک نئے مجموعے کی شکل میں سامنے آئیں اس کے علاوہ ریڈیو پر بچوں کے لئے ڈرامے نما اور گیت برابر لکھ رہا ہوں۔

س: کیا ریڈیو کے لئے لکھی جانے والی چیزیں اتنی ہی معیاری ہوتی ہیں جتنی معیاری ریڈیو کے لئے نہ لکھی جانے والی تحریریں ہوتی ہیں؟۔

ج: ریڈیو کے لئے اور ریڈیو کے علاوہ لکھی جانے والی تحریروں میں فرق تو ہے کیونکہ ریڈیو کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں، لیکن بچوں کے لئے ریڈیو پر جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ میں سمجھتا ہوں کہ وہی ہے جو ہم ریڈیو کے علاوہ لکھتے ہیں، ریڈیو پر بچوں کے لئے لکھی جانے والی چیزیں معیاری ہوتی ہیں اور ان میں ایسی کوئی کمی نہیں ہوتی کہ ہم انہیں فخریہ پیش نہ کر سکیں۔

س: آپ نے غزل بھی کہی اور آزاد نظم بھی لیکن آپ نے نزی نظم نہیں کہی، کیا آپ اس کو مسترد کرتے ہیں؟

ج: نہیں مسترد تو نہیں کرتا، میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ ایک نیا تجربہ ہے اور اسے سامنے آنا چاہیے نزی نظم جن لوگوں کے مزاج سے ہم آہنگ ہے انہیں ضرور کہنی چاہیے، اصل میں نزی نظم میرے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے میں اسے برا نہیں سمجھتا۔

س: وہ خیالات جو آپ آزاد نظم میں پیش کرتے ہیں کیا آپ انہیں نزی نظم میں پیش نہیں کر سکتے!

ج: نہیں میں سمجھتا ہوں کہ میں کوئی بھی خیال آزاد نزی نظم میں آسانی سے پیش کر سکتا ہوں۔

س: نزی نظم کے حامیوں کا موقف ہے کہ نزی نظم میں ہر بات آسانی سے کہی جا سکتی ہے غزل یا آزاد نظم میں پابندیاں ہوتی ہیں۔

ج: یہ ان کی اپنی سوچ ہے میرے خیال میں تو ایسی کوئی بات نہیں۔

س: پھر ان کا موقف غلط ہے!

ج: بس مجھے ان کی اس بات سے اختلاف ہے نزی نظم اصل میں وہ لوگ کہہ رہے ہیں جنہیں پابند نظم کہنے کی زیادہ مشق نہیں یا جو لوگ عروضی قواعد پر یقین نہیں رکھتے، حالانکہ نزی نظم تو کوئی بھی شاعر کہہ سکتا ہے، نزی نظم بطور شعری تجربے کے یقیناً اس قابل ہے کہ ہم اس میں زیادہ تجربے کریں۔

س: یعنی نظم میں نز ہوتی چاہیے!

ج: نہیں، اصل میں نزی نظم سے مراد نظم میں نز نہیں ہے یہ ہے نظم منثور، ایسی نظم جو نز میں کہی گئی ہے یعنی اس کا بنیادی ڈھانچہ نز کا ہے لیکن اس میں خیالات سارے شاعرانہ ہیں۔

س: ایک اچھے افسانے میں بھی یہی خوبی ہوتی ہے پھر علیحدہ صنف کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

ج: نہیں آپ کو یاد ہوگا کہ پرانے رسائل ہمایوں عالمگیر وغیرہ میں ادب لطیف کے نام سے الگ گوشہ ہوتا ہے اور اس میں اسی انداز کے ادب پارے تھے جس کو ہم نزی نظم بھی کہہ

سکتے ہیں اسی سٹائل کی تخلیقات اس وقت بھی چھپتی تھیں مگر ان کو نظم نہیں کہا جاتا تھا، بہر حال یہ ایک تجربہ ہے، شاعری دراصل اپنے احساسات کو ایک خوب صورت انداز میں بیان کرنے کا نام ہے اور ضروری نہیں کہ اس میں وزن کی پابندی بھی ہو اور قافیہ ردیف اس میں موجود ہو، لیکن اگر یہ چیزیں بھی اس میں موجود ہیں تو پھر شاعری کا تاثر بڑھ جاتا ہے۔

س: سحر صاحب تنقیدی اجلاسوں اور کتابوں کی رونمائی کے موقع پر پڑھے جانے والے تنقیدی مضامین (مجلس تنقید) کی آپ کے نزدیک کیا اہمیت ہے؟

ج: میں سمجھتا ہوں کہ رونمائی کی تقاریب میں پڑھے جانے والے مضامین کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے، رونمائی کی تقریب کا صاحب کتاب کو فائدہ ضرور ہوتا ہے لیکن ادب کو اس کا کوئی فائدہ نہیں، خاص طور پر تنقید کو، وہاں جو تحریریں پڑھی جاتی ہیں وہ جانبدارانہ اور یکطرفہ ہوتی ہیں ان میں مدلل مداحی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔

س: اور تنقیدی اجلاسوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج: تنقیدی اجلاس کی اہمیت بھی ہے اور افادیت بھی لیکن آج وہ بھی اپنی افادیت کھو رہے ہیں کیونکہ وہ بھی گروپ بندی اور گروہ بندی کا شکار ہیں۔

س: لیکن گروہ بندی تو غالب کے دور میں بھی موجود تھی وہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے؟

ج: گروہ بندی کوئی نئی بات تو نہیں ہے لیکن اب اس دور میں خاص طور پر جب سے یہ تنقیدی اجلاسوں کا رواج ہوا ہے ان کو کچھ زیادہ ہی فروغ ملا ہے اب جو گروہ بندیاں ہیں بدقسمتی سے ان میں جب لوگ ایک دوسرے کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ذاتی سطح پر اتر آتے ہیں یہ بڑی غلط بات ہے ادب کو DISCUSS کرنا چاہیے نہ کہ ادیب کو پرانے زمانے میں ذاتیات کو کم سے کم سامنے لایا جاتا تھا ادبی اور فنی حوالے سے اختلاف کیا جاتا تھا۔

س: کیا ان ادبی گروہ بندیوں میں ذاتیات کو شامل کرنے والے اخبارات کے ادبی ایڈیشن بھی ہیں۔

ج: یقیناً ادبی ایڈیشن بھی اس میں بہت بڑا کردار ادا کر رہے ہیں کہ وہ بھی ادب کو چھوڑ کر ادیب کے پیچھے پڑ گئے ہیں، کسی ادیب کو زکام ہو جائے یا اس کی ٹانگ ٹوٹ جائے تو اخبارات میں اس کی خبر آجاتی ہے، قاری کو باخبر رکھنے کے لئے یہ خبریں بھی اپنی جگہ درست ہیں لیکن ادب کو پس پشت ڈال کر صرف ادیب کو سامنے لانا بھی صحت مند نقطۂ نظر نہیں پھر اس حوالے سے وہ لوگ سامنے آرہے ہیں جو ادیب کم اور ادب کے پی آر او زیادہ ہیں، مشاعروں میں بھی ایسے لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے جن کا تعلق ریڈیو ٹی وی یا اخبار سے ہوتا ہے ذرائع ابلاغ کے کسی ادارے میں کم تر درجے کا ادیب یا شاعر بھی ہو تو وہ آسانی سے بڑے شاعروں اور ادیبوں کی صف میں آجاتا ہے۔

س: اچھا تنقیدی اجلاسوں کے علاوہ جو تنقید لکھی جارہی ہے اس سے آپ مطمئن ہیں؟

ج: اس میں بھی مطمئن ہونے والی تو کوئی بات نہیں، لیکن ابھی ہمارے ہاں کچھ لوگ ایسے ضرور موجود ہیں، جو سنجیدہ انداز سے کام کر رہے ہیں اور یہ نام ایسے ہیں جو باقاعدہ ہماری تنقیدی روایت کو آگے بڑھا رہے ہیں، نئے نقاد اس طرف خاص توجہ نہیں دے رہے دراصل یہ محنت طلب کام ہے اور آج کا نوجوان محنت سے گریزاں ہے۔

س: کچھ لوگ کتابیں مرتب کرتے ہیں اور اسے تنقید کا نام دیتے ہیں، کتاب میں ان کا اپنا لکھا ہوا صرف ایک صفحہ ہوتا ہے جس میں ناشر کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے، کیا وہ تنقیدی کتابیں کہلانے کی مستحق ہیں؟

ج: نہیں وہ تنقیدی کتابیں تو کسی طرح بھی نہیں وہ تو بہر حال پی آر شپ کی بدلی ہوئی شکل ہے ہولگا کر شہیدوں میں شامل ہونے والی بات ہے۔

س: گزشتہ برس دو کتابوں کا خاصا تذکرہ رہا ایک تو ڈاکٹر انور سدید کی گراں قدر کتاب ''وزیر آغا ایک مطالعہ، دوسری طاہر تونسوی کی کتاب ''ہمسفر بگولوں کا'' دونوں میں سے آپ کس کتاب کو بہتر سمجھتے ہیں؟

ج: میرے خیال میں ڈاکٹر انور سدید کی کتاب ''وزیر آغا ایک مطالعہ'' اولیت رکھتی ہے وہ

پہلے لکھی گئی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اس میں ڈاکٹر انور سدید نے نہایت جامعیت کے ساتھ اور نہایت عمیق نگاہی سے ڈاکٹر وزیر آغا کے فن اور فکر کا جائزہ لیا ہے اور ان کی شخصیت کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے آغا صاحب اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ہیں کہ انہیں انور سدید جیسا ساتھی، دوست، نقاد اور محقق میسر آیا ہے، جہاں تک سلیم اختر کے بارے میں لکھی جانے والی طاہر تونسوی کی کتاب کا تعلق ہے تو وہ کتاب اپنے انداز کی ہے اس کا اپنا اسٹائل ہے لیکن یہ چونکہ ڈاکٹر وزیر آغا والی کتاب کے بعد آئی اور اسی کے ردعمل کے طور پر آئی اس لئے جو چیز ردعمل کے طور پر آئے گی اس میں وہ بات تو نہ ہوگی، پھر ڈاکٹر وزیر آغا اور سلیم اختر کی شخصیت میں جو فرق ہے اور ڈاکٹر انور سدید اور طاہر تونسوی کی شخصیت میں جو نمایاں فرق ہے وہ آپ کو دونوں کتابوں سے نظر آسکتا ہے

۔

س: اردو ادب کا کون سا نقاد ہے جسے آپ پسند کرتے ہیں اور اسے صحیح نقاد سمجھتے ہیں؟

ج: میرے خیال میں بہت سے نام ہیں جن میں بزرگ نقاد ڈاکٹر سید عبداللہ ہیں، اسی طرح ڈاکٹر وحید قریشی کی تنقید سے نئے لوگ بہت کچھ سیکھ رہے ہیں، ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور ڈاکٹر ابوالخیر کشفی ہیں پھر ڈاکٹر وزیر آغا کا نام بہت اہم ہے جو نسبتاً ان کے بعد آنے والی نسل ہے وہ ایک باشعور اور صاحب فکر نقاد کے طور پر سامنے آئے ہیں اور انہوں نے ایک پورے دبستان کو متاثر کیا ہے اسی طرح ابھی انور سدید کا تذکرہ آیا تھا ان کے کام کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

س: وزیر آغا کا نام ذہن میں آتے ہی انشائیے کا نام ذہن میں آتا ہے جو ابھی تک ایک متنازعہ صنف ہے آخر اس صنف کی اتنی مخالفت کیوں کی جارہی ہے؟

ج: میرا خیال ہے کہ مخالفت ذاتی وجوہات کی بناء پر ہوتی ہے، ذاتی مخالفت کو لوگ ادبی مخالفت بنا لیتے ہیں، ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے اپنا اپنا لکھنے کا انداز ہے انشائیہ دونوں گروپ ہی لکھتے ہیں لیکن فکر انگیز انشائیہ وزیر آغا کے دبستان میں ہی سامنے آتا ہے

انشائیے کے اس دبستان نے بہت سے لکھنے والوں کو متاثر کیا ہے، بہتر انشائیہ وہیں لکھا جا رہا ہے، باقی لوگوں نے فکر انگیزی کی بجائے شگفتگی کو ترجیح دی۔

س: ہائیکو بھی ایک متنازعہ صنف ہے ملتان سے اس کی ابتداء ہوئی اس کے مستقبل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج: اب ہائیکو متنازعہ نہیں رہی، اردو ادب نے اس پر نمبر چھاپا ''اوراق'' میں اس کے لئے الگ گوشہ مخصوص کیا جاتا ہے ہائیکو اپنے اختصار کی وجہ سے مقبول ہو رہی ہے اور نئے لکھنے والوں کی بڑی تعداد ہائیکو کہہ رہی ہے۔

س: موجودہ دور میں مذہبی شاعری کو بہت فروغ ملا اور بہت سی خوب صورت مذہبی کتابیں سامنے آئیں آپ کے خیال میں کن لوگوں نے اس حوالے سے بہتر خدمت سرانجام دی ہے؟

ج: نعت کے لئے ملک بھر میں کام ہوا، ملتان میں ادب سیمابی، عزیز حاصل پوری اور ہلال جعفری نے خوب صورت نعتیں کہی ہیں، ملکی سطح پر ایک بہت بڑا نام ہے، عبدالعزیز خالد کا انہوں نے اس دور میں واقعی نعت کو فروغ دینے میں بڑا اہم کردار ادا کیا، ان کی بہت سی کتابیں سامنے آئیں خصوصاً ان کی کتاب ''قار قلیط'' کا نعتیہ ادب میں بڑا مقام ہے۔

س: مرتضیٰ برلاس نے اپنے ایک بیان میں تھا کہ ملتان نے کوئی بڑا شاعر پیدا نہیں کیا، آپ اس پر کیا تبصرہ کریں گے؟

ج: دیکھیں، یہاں عرش صدیقی اور عاصی کرنالی دو ایسے نام ہیں جو ہر لحاظ سے ملتان کی نمائندگی کرتے ہیں اور ملک کے ادبی اور علمی حلقوں میں پوری طرح جانے پہچانے جاتے ہیں، اب مرتضیٰ برلاس صاحب کی اپنی رائے ہے ورنہ میں تو سمجھتا ہوں کہ ملتان میں ہر دور میں بڑے شاعر اور ادیب سامنے آئے، ملتان کسی لحاظ سے بھی دوسرے شہروں سے پیچھے نہیں ہے، بس کمی صرف پی آر شپ کی ہے ہم لوگ چونکہ پی آر شپ میں کمزور ہیں اور مراکز سے دور بیٹھے ہیں، ریڈیو اور ایک دو اخبارات کے علاوہ ہمیں ابلاغ کا کوئی ذریعہ

ہی میسر نہیں، یہی وجہ ہے کہ یہاں کے لوگوں کو ملکی سطح پر نہیں جانا جاتا، ورنہ ان کی شعری عظمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

س: آپ نے ذرائع ابلاغ کا حوالہ دیا تو ذہن میں شیر افضل جعفری، جعفر شیرازی اور ظفر اقبال کا نام آتا ہے جن کا تعلق جھنگ، ساہیوال اور اوکاڑہ جیسے چھوٹے چھوٹے شہروں سے ہے جہاں ریڈیو اور اخبارات کی سہولت بھی نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ تو ملکی سطح پر جانے جاتے ہیں، مگر ملتان والوں کے ساتھ ایسا نہیں ہے؟

ج: اس کی وجہ یہی ہے کہ ان دوستوں کا بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ لاہور سے ہی تعلق ہے، لاہور چونکہ شعر و ادب کا بہت پرانا مرکز ہے اس لئے وہاں سے متعلق لوگ جلدی سامنے آئے ہیں، اسی طرح سندھ کی مال لیں کراچی کے لوگوں کو زیادہ مواقع ملتے ہیں ان کی نسبت سکھر یا دوسرے شہروں کے لوگوں کو کم مواقع میسر آتے ہیں۔

س: استادی شاگردی کا سلسلہ ادب میں بہت پرانا ہے اگرچہ اس کا اب رواج نہیں رہا، لیکن پھر بھی کئی گروہ ایسے ہیں جہاں استاد باقاعدہ شاگردوں کو پالتے ہیں انہیں غزلیں لکھ کر دیتے ہیں مشاعروں میں آگے لاتے ہیں کیا اس سے اچھے شاعروں کی حق تلفی نہیں ہوتی؟

ج: میں اس کا مخالف ہوں کہ کسی غیر شاعر نوجوان کو کوئی استاد غزل لکھ کر دے اور پھر وہ غیر شاعر نوجوان شاعر کے طور پر سامنے آئے اصل میں تو استادی شاگردی کا ادارہ اب ختم ہو گیا ہے اور اس کی گنجائش بھی نہیں رہی، یہ اس زمانے کی بات ہے جب نہ ریڈیو تھا نہ ٹی وی تھا لے دے کر اساتذہ تھے جن کے پاس شاگرد جا کر کچھ سیکھ لیتے تھے اب تو قدم قدم پر ہمیں ابلاغ عامہ کے ذرائع میسر ہیں اور نوجوانوں کے لئے ضروری نہیں کہ وہ باقاعدہ استاد کے آگے زانوئے ادب تہ کریں ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوان خود زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرے اور خود سیکھنے کی کوشش کرے جہاں ضروری سمجھے کسی سے مشورہ لے اور مشورہ دوستوں سے بھی لیا جا سکتا ہے۔

س: آخری سوال یہ ہے کہ موجودہ عہد میں آپ فیض احمد فیض کے بعد اردو کا بڑا شاعر کسے تسلیم کرتے ہیں؟

ج: میرا خیال ہے کہ فیض صاحب کے بعد ابھی یہ فیصلہ طلب بات ہے کہ کون بڑا شاعر ہے اور اس کا فیصلہ نہ میں کرسکتا ہوں نہ آپ کرسکتے ہیں یہ تو وقت ہی فیصلہ کرے گا بہر حال فیض احمد فیض کے بعد چند نام ابھی سامنے ہیں ملا رئیس امروہوی احمد ندیم قاسمی، ظہیر کاشمیری اور منیر نیازی یہ سب اپنے اپنے انداز کے شاعر ہیں ان کا اپنا اپنا سٹائل ہے یہ کہنا کہ ان میں سے فیض کی سطح کا بڑا شاعر کون ہے اس کا فیصلہ نہ فی الحال میں کرسکتا ہوں نہ آپ کرسکتے ہیں اس سطح کا کوئی نام فوری طور پر سامنے نہیں آرہا۔

(مطبوعہ: روزنامہ امروز لاہور)

پاکستان میں غزل، ہندوستان میں نظم، بہتر کہی جارہی ہے

اردو کے معروف غزل گو شاعر حسین سحر سے، مکالمہ

حسین سحر برصغیر کے ادبی حلقوں کا ایک جانا پہچانا نام ہے، وہ 10 اکتوبر 1942ء کو جلال آباد ممدوٹ ضلع فیروز پور (انڈیا) میں پیدا ہوئے، ان کے والد میاں برکت علی بھی پنجابی کے شاعر تھے، حسین سحر نے گریجوایشن ملتان سے کیا اور ایم اے اردو کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی لاہور سے حاصل کی، اس کے بعد ایم اے پنجابی، ایم اے اسلامیات، بی ایڈ اور ایل ایل بی بھی کیا اور ان دنوں بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے ذریعے ''اردو میں پنجابی اور سرائیکی ادب کے تراجم'' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا تھیسز تحریر کررہے ہیں، 1967ء میں محکمہ تعلیم کے لئے ان کی سلیکشن بطور لیکچرر ہوگئی، انہوں نے تعلیم وتدریس کا آغاز گورنمنٹ ایس ای کالج بہاولپور سے کیا اور تیس برس تک اس شعبے سے منسلک رہنے کے بعد 1997ء میں ولایت حسین اسلامیہ ڈگری کالج ملتان سے بطور پرنسپل از خود ریٹائرمنٹ لے لی اور اکتوبر 1997ء میں ریاض (سعودی عرب) میں سکونت اختیار کرلی جہاں ان کے دو صاحبزادے اچھے عہدوں پر کام کررہے ہیں۔

ادبی مشاغل:

حسین سحر نے بارہ تیرہ برس کی عمر سے شاعری کا آغاز کیا، ابتداء میں بچوں کے لئے نظمیں لکھیں، 1953ء سے 1956ء تک ان کی نظمیں پاکستان اور انڈیا میں شائع ہونے والے بچوں کے تمام نمائندہ رسالوں میں تواتر کے ساتھ چھپتی رہیں، باقاعدہ غزل کہنے کا آغاز انہوں نے 1956ء میں کیا، یہ جگر، جوش، فیض، قاسمی، ماہر القادری اور روش صدیقی جیسے نابغہ روزگار شعراء کا زمانہ تھا اور حسین کو ان تمام شعراء کی موجودگی میں شعر پڑھنے کا بارہا موقع ملا، 1960ء سے انہوں نے پنجابی میں بھی لکھنا شروع کردیا، ان کی پہلی کتاب بچوں کے لئے تھی جو 1976ء میں ''پھول اور تارے''

کے نام سے شائع ہوئی، اس پر پاکستان رائیٹرز گلڈ یو بی ایل کا انعام بھی ملا، ان کی دوسری کتاب ڈاکٹر عبدالعزیز خالد کے بارے میں تھی جو ''خالد، شخص و شاعر'' کے عنوان سے شائع ہوئی، 1988ء میں انہیں ان کی کتاب '' پیارے رسول'' پر صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا، 1989ء میں ان کی غزلوں کا پہلا مجموعہ ''دو جگ داوا ئی'' شائع ہوا، اس کے علاوہ پنجابی میں ہی نز کی کتاب ''سوچ و چار'' منظر عام پر آئی، 1997ء میں ان کے تنقیدی مضامین پر مشتمل دو کتابیں ''تحسین'' اور ''کتب نما'' شائع ہوئیں، 1998ء میں ان کی دینی شاعری پر مشتمل کتاب '' تجلی'' شائع ہوئی، اس کے علاوہ خواجہ غلام فرید کی سرائیکی کافیوں کے اردو ترجمہ بھی کر چکے ہیں جو زیر طبع ہے، پاکستان ریڈیو اور ٹی وی کے لئے بے بہا لکھ چکے ہیں، ملتان اور کراچی کے مختلف سماجی اور ادبی پرچوں کے ساتھ بھی منسلک رہے، پاکستان کے ایک بڑے روزنامے میں ادبی کالم بھی لکھتے رہے، بچوں کے لئے بہت سے رسالے نکالنے کے علاوہ 1980ء سے 1997ء تک ''اہل قلم'' کے نام سے ایک ادبی شمارہ بھی شائع کرتے رہے ہیں۔

حسین سحر کا ایک اور قابل ذکر ادبی کارنامہ یہ ہے کہ ان دنوں قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کرنے میں مصروف ہیں اور اب تک پانچ سپاروں کا منظوم ترجمہ کر چکے ہیں، اور اس کے علاوہ بہت سے قومی اور ملی نغمے بھی لکھ چکے ہیں، حسین سحر کی حامد ولید سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

اردو میگزین: جس زمانے میں آپ نے شاعری شروع کی وہ ادب میں خالصتاً ترقی پسندوں کا دور تھا، لیکن اس کے باوجود آپ کی شاعری میں ان نظریات کی جھلک نہیں ملتی، اس کی کیا وجہ ہے؟

حسین سحر: اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے اردگرد کا ماحول خالص دینی تھا، میرے دوست احباب جن میں خالد بزمی، ماہر القادری مرحوم، خواجہ جاوید عابد نظامی اور نعیم صدیقی وغیرہ تھے، سے ذہنی لحاظ سے قربت محسوس کرتا تھا، کا اسلام اور پاکستان سے گہرا جذباتی اور نظریاتی لگاؤ تھا، ترقی پسندوں سے رابطے تو تھے، ان سے میل جول بھی رہا لیکن سچی بات ہے کہ انہوں نے کبھی مجھے ''اپیل'' نہیں کیا، اگر چہ میں ''ادب برائے ادب'' کا بھی قائل نہیں ہوں کیونکہ یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے، لیکن ادب کا مقصد ''پراپیگنڈہ'' بھی نہیں ہے ،یعنی کہنا یہ چاہتا ہوں کہ پس منظر کے طور پر کوئی نہ کوئی نظریہ ضرور کام کرتا ہے جس کا اظہار

اگر فنی انداز میں ہو جائے تو ادب کہلاتا ہے، میرا ایمان ہے کہ مسلمان سب سے بڑا انسانیت پسند اور روشن خیال ہوتا ہے اور اسلام جدید ترین اور ہر عہد کا دین ہے، میں کسی بھی طرح اپنے مسلمان ہونے پر معذرت خواہ نہیں ہوں۔

اردو میگزین: ایک عمومی تاریہ ہے کہ فی زمانہ کامیاب اور مشہور شاعر وہی ہے جس کی ''پی آر شپ'' مضبوط ہو، آپ کیا کہتے ہیں؟

حسین سحر: یہ بہت حد تک صحیح بات ہے، ادبی مراکز جیسے لاہور اور کراچی میں بیٹھے لوگ اپنی ''پی آر شپ'' کے ذریعے دنوں میں وہ مقام بنا لیتے ہیں جو دور دراز علاقوں میں رہنے والے برسوں میں بھی حاصل نہیں کر پاتے، یہ سلسلہ کافی پرانا ہے، دلی میں رہنے والے دربار سے وابستہ شعراء کی حیثیت کہیں سے کہیں جا پہنچی لیکن کرنال اور میرٹھ کے شعراء کو کوئی جانتا تک نہیں، کیونکہ انہیں وہ مواقع حاصل نہ ہو سکے جو دلی کے شعراء کو حاصل تھے، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ''پی آر'' کے لئے انسان باؤلا ہو جائے اس حقیقت کے باوجود کہ شہرت ہر انسان کی خواہش ہے۔

اردو میگزین: ادب پر اس روش کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں؟

حسین سحر: اس سے ادب کے فروغ کو مثبت انداز میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا، مشاعرے اب تہذیب کی علامت نہیں رہے، آج کے مشاعرے کی حیثیت شوبز سے زیادہ نہیں ہے، ایک خاص دھڑے کے مخصوص لوگ ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں، ان کی لابی ہر جگہ موجود ہوتی ہے اور لوگوں کو تاردیتے ہیں کہ ہم ہی نمائندہ شاعر ہیں، بدقسمتی سے تمام بڑے شعراء اس انداز کو اپنائے ہوئے ہیں ماسوائے ڈاکٹر وزیر آغا کے، ان کے بارے میں کبھی نہیں سنا کہ تواتر کے ساتھ کہیں آتے جاتے ہوں، اگر چہ وہ میرے پسندیدہ لوگوں میں سے ہیں لیکن کسی لابی سے میرا تعلق نہیں ہے، میں احمد ندیم قاسمی صاحب کی بھی اتنی ہی عزت کرتا ہوں، ایسے فنکار روز روز پیدا نہیں ہوتے۔

اردو میگزین: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ الیکٹرانک میڈیا کے بڑھتے ہوئے رجحان اور اس پر عورت کے

ہر طریقے سے گلیمرائز کئے جانے کی وجہ سے غزل کہ جسے عورت سے گفتگو قرار دیا جاتا تھا، اپنی اہمیت کھو بیٹھتی ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟

حسین سحر: الیکٹرانک میڈیا کتنی ہی ترقی کر جائے، کتنے ہی چینل سامنے آجائیں، شاعری خاص طور پر اردو کے حوالے سے غزل کے زندہ رہنے کے بے پناہ امکانات ہیں، اب غزل کی تعریف بھی بدل گئی ہے، آج کی غزل زندگی کے بدلتے مزاجوں کی عکاسی کرتی ہے، آج غزل میں نعت کے شعر بھی کہے جا رہے ہیں، ماں، بہن اور بھائی کے بارے میں شعر کہے جا رہے ہیں اور آج کی غزل کسی خاص رشتے تک محدود نہیں رہ گئی ہے، لہٰذا اس کی اہمیت میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔

اردو میگزین: پاکستان سے باہر کے ممالک میں ہونے والی شاعری خاص طور پر سعودی عرب کے اردو شعراء کی شاعری کو آپ کیسے دیکھتے ہیں؟

حسین سحر: میں سمجھتا ہوں کہ ذرائع ابلاغ کے وسائل اور وطن سے دوری کے باوجود یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ انتہائی قابل تحسین ہے، سعودی عرب اور خلیجی ممالک کے اردو شعراء کی تخلیقات کا موازنہ کیا جائے تو یہاں کے لوگ زیادہ معیاری لکھ رہے ہیں، میں چونکہ ریاض میں مقیم ہوں اور اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہاں بھی اردو لکھنے والے خاصے سرگرم ہیں، جدہ اور ریاض کی شاعری کا فرق یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ جدہ ایک ساحلی شہر ہے، یہاں نمی زیادہ ہے اور تموج موجود ہے جبکہ ریاض میں خشکی زیادہ ہے اور اس فرق کو آسانی سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔

اردو میگزین: یہاں پچھلے دنوں یہ بحث چھڑی رہی کہ انڈیا کے مقابلے میں پاکستان میں اردو غزل زیادہ بہتر کہی جا رہی ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟

حسین سحر: میرے خیال میں پاکستان میں غزل اور ہندوستان میں نظم زیادہ بہتر کہی جا رہی ہے۔

اردو میگزین: گزشتہ چند برسوں سے بڑے شعراء میں "فلیپ رائٹنگ" کی بیماری کرت کے ساتھ پھیل گئی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

حسین سحر: یہ بھی "پی آر شپ" کی خرابیوں میں سے ایک ہے، دوستوں کو خوش کرنے اور مخصوص مقاصد کے حصول کے لئے کسی غیر معیاری کتاب پر بڑا ادیب غلط رائے کا اظہار کر دیتا ہے، میں کتاب پر دیباچے یا تعارف کا قائل نہیں ہوں، اس کو بلا واسطہ قاری تک پہنچنا چاہیے، خود میری ایک کتاب ایک متنازع ادیب کے دیباچے کے باعث متنازعہ ہو گئی اور دوسرے گروپ نے محض دیباچے کی وجہ سے کتاب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اردو میگزین: آپ نے کسی کتاب کا فلیپ لکھا ہے؟

حسین سحر: جی ہاں..... دوست داری کے جذبے کے تحت!

اردو میگزین: آنے والی کتابیں؟

حسین سحر: میری آنے والی کتابوں میں غزل کی ایک، نظم کی دو اور پنجابی شاعری کی ایک کتاب شامل ہے۔

جدید سرائیکی غزل سب سے پہلے میں نے لکھی

انٹرویو: احمد رضوان

اوصاف: شاعری کی ابتدا اور اپنے ابتدائی حالات کے بارے میں بتائیے؟

حسین سحر: میں 10 اکتوبر 1942ء کو جلال آباد ضلع فیروزپور (انڈیا) میں پیدا ہوا۔ تقسیم برصغیر کے وقت میری عمر پانچ سال کے قریب تھی۔ 1947ء میں والدین کے ہمراہ جب میں نے پاکستان ہجرت کی تو اس وقت کے حالات اب بھی میرے حافظے کا حصہ ہیں۔ میرے والد میاں برکت علی مرحوم پنجابی زبان کے اچھے شاعر تھے۔ چنانچہ شاعری مجھے ورثے میں ملی۔ میں نے 1953ء میں شعر کہنا شروع ہوا۔ اس وقت میں بچوں کیلئے چھوٹی چھوٹی نظمیں کہا کرتا تھا۔ جو بچوں کے رسائل میں چھپا کرتی تھی۔ غزل میں نے 1956ء میں کہنا شروع کی۔ اور اسی سال مشاعرے پڑھنے کا بھی آغاز کیا۔

اوصاف: آپ نے جب ملتان میں شاعری کی ابتداء کی تو ادبی منظر پر کون کون سے شعراء نمایاں تھے؟

حسین سحر: میں نے شاعری کا آغاز کیا تو میرے ساتھ ہی اقبال ارشد تھے جو شعر کہہ رہے تھے۔ ہماری دوستی کا آغاز بھی انہی دنوں ہوا۔ اس وقت سینئر شاعروں میں کشفی ملتانی، صابر دہلوی، گلچیں کرنالی، ضیاء صدیقی اور ارشد ملتانی ملتان کے ادبی فضا میں نمایاں تھے۔

اوصاف: ملتان قدیم تاریخ سے علم و ادب کا گہوارہ ہے۔ آپ کے نزدیک کس عہد میں ملتان میں اعلیٰ ادب تخلیق کیا گیا؟

حسین سحر: ملتان قدیم عہد ہی سے علم و ادب کا مرکز رہا ہے، لیکن جہاں تک اردو شعر و ادب کا تعلق ہے میرے خیال میں ملتان کی ادبی تاریخ کا پہلا نمایاں دور وہی ہے، جس میں کشفی ملتانی، علامہ طالوت، خلیق ملتانی، پرواز جالندھری، عاصی کرنالی اور ارشد ملتانی شعر کہہ رہے تھے، اس کے بعد 1970ء کے قریب دبستان ملتان کے خدوخال نمایاں ہوئے اور اس

وقت جو شعراء اور ادبا ادب کی تخلیق میں ہمہ تن مصروف تھے، انہوں نے ملتان کی الگ ایک پہچان قائم کی، ان میں عرش صدیقی، عاصی کرنالی، عزیز حاصل پوری، کیفی جام پوری، تابر نقوی، قمر لکھنوی، بیدل حیدری، ڈاکٹر اسد اریب، شمیم ترمذی، افتخار حسین شاہ، حامد علی سید، تابر وجدان، رحمٰن فراز، چاچا چگ، راسخ فریدکوٹی، عبدالمجید ساجد، ادب سیمابی، ضیاء صدیقی، حزیں صدیقی، ایاز صدیقی، ارشد ملتانی، حسن رضا گردیزی، فرخ درانی، صادق مصور، رفیق خاور جسکانی، عتیق فکری، جابر علی سید، مسعود اشعر، اکرام اللہ، حفیظ احسن، مقصود زاہدی، پرواز جالندھری، آغا صادق، آغا خاموش، اعجاز اکرم، قدرت نقوی، علامہ عیش فیروزپوری، اصغر علی شاہ اور ہلال جعفری شامل ہیں۔

نوجوانوں میں اسلم انصاری، انوار انجم، اقبال ارشد، اے بی اشرف، صادق قمر، انوار احمد، تابش صمدانی، نوشابہ نرگس، منیر فاطمی، ماہ طلعت زاہدی، طاہر تونسوی، محسن نقوی اور ولی محمد واجد نمایاں ہیں

یہ دور ملتان کی ادبی تاریخ کا سنہری دور ہے۔

اوصاف: غزل کی شاعری 70 کی دہائی میں یکسر تبدیل ہوئی، اس سے پہلے ظفر اقبال غزل کا مزاج بدلنے کی کامیابی کوشش کر چکے تھے، اس تبدیلی کے بعد غزل میں کہن انداز غزل گو شاعروں کی گنجائش نہیں رہی۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

حسین سحر: یہ درست ہے کہ غزل کی شاعری 70ء کی دہائی میں یکسر تبدیل ہوئی لیکن اس کا آغاز 60-61ء میں ہو گیا تھا، جب ایک طرف آزاد غزل متعارف ہوئی تو دوسری طرف نئی لسانی تشکیلات کے زیر اثر ظفر اقبال نے غزل میں فنی تجربے شروع کیے، اس زمانے میں، میں نے آزاد غزل کہی۔ گویا پاکستان میں آزاد غزل کا تصور پیش کرنے والوں میں، میں بھی شامل تھا۔ لیکن اسے باقاعدہ تحریک کی صورت انڈیا میں مظہر امام نے دی۔ ظفر اقبال کی لسانی تحریک پاکستان میں زیادہ موثر ثابت ہوئی لیکن غزل کے معنوی مزاج کو بدلنے میں شکیب جلالی بہت نمایاں شاعر تھے۔ پھر ان کے بعد شعراء کی ایک پوری کھیپ سامنے

آئی ۔ یہ کہنا کہ جدید غزل کے بعد قدیم یا کہنہ انداز کے غزل گو شاعروں کی گنجائش نہیں رہی ۔ میں اس سے متفق نہیں ۔ کیونکہ غزل کا اتنا مزاج تبدیل ہونے کے باوجود آج بھی غزل کا پرانا انداز بھی کہیں نہ کہیں موجود ہے ۔ البتہ آج کا جو مقبول طرز سخن ہے وہ جدید ہی ہے ۔ میں خود بھی جدید اسلوب کا حامی ہوں اور میری غزل میں فنی اور معنوی طور پر اس کا التزام بھی موجود ہے ۔

اوصاف گزشتہ پانچ سال سے آپ ملتان سے باہر ہیں ۔ دیار غیر میں جا آباد ہونے اور اپنا وطن مالوف چھوڑنے کا تجربہ آپ کو کیسا لگا؟

حسین سحر پہلی بات تو یہ ہے کہ میں گزشتہ پانچ سال سے سعودی عرب میں اپنے بیٹوں کے پاس ہوں اور یہ ملک میرے لئے دیار غیر نہیں کہ یہ سرزمین تو ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہمارے لئے دیار عزیز بلکہ دیار حبیب ہے، دوسری بات یہ کہ وہاں جا کر میں اپنے ملتان کو بالکل نہیں بھولا ، بلکہ ہر سال چند مہینے میں یہاں آ کر بھی گزارتا ہوں، بہر حال باہر اپنے کا تجربہ میرے لئے نہایت خوشگوار ہے کہ اس طرح میرے وژن میں وسعت پیدا ہوئی ہے اور میں خود پہلے سے زیادہ تخلیقی توانائی محسوس کرتا ہوں، چنانچہ میں نے وہاں رہ کر شہزادہ خالد الفیصل کی عربی نظموں کے تراجم کئے اور اس کے علاوہ جو سب سے اہم کام کیا وہ قرآن مجید کا اردو میں منظوم ترجمہ ہے ۔ جو بفضل خدا میں مکمل کر چکا ہوں ۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

علاوہ ازیں تخلیقی طور پر میں نے وہاں اتنا زیادہ لکھا ہے، جتنا شاید بیس سال میں بھی نہ لکھا ہوگا ۔

اوصاف آپ اس وقت سعودی عرب میں مقیم ہیں وہاں ادبی تقریبات میں شرکت بھی کرتے ہیں ۔ خطہ عرب میں اردو کے فروغ میں ہمارے شعراء نے کیا کردار ادا کیا ہے، وہاں کی ادبی فضاء کو آپ نے کیسا پایا؟

حسین سحر سعدی عرب میں الحمدللہ میری بہت پذیرائی کی گئی، وہاں کے دوستوں نے مجھے اوورسیز پاکستانی رائٹرز فورم کا صدر بنایا ہے اور اکثر مشاعرے اور ادبی تقریبات میں مجھے خاص عزت اور احترام سے مدعو کیا جاتا ہے، خطہ عرب میں اردو روز بروز فروغ پا رہی ہے، وہاں کے شعراء اس سلسلے میں ہمہ تن مصروف و مشغول ہیں، ان میں نسیم سحر، شبنم منا روی، کاوش عباسی، نورین طلعت عروبہ، تنویر احمد تنویر، صف فریدی، بشیر مرزا، نعمان منظور، افضل آرش، سید قمر حیدر، اقبال اعجاز بیگ، واصل عمانی، اقبال قمر، طارق بٹ، ناز مظفر آبادی، طارق محمود اور جاوید اختر، جاوید خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ ان کے علاوہ ہندوستان کے لکھنے والے جو وہاں مقیم ہیں وہ بھی خدمت میں مصروف ہیں ۔ وہاں کی ادبی فضا کی خاص بات یہی ہے کہ پاکستان اور انڈین شعرا سب مل کر مشاعرے منعقد کرتے ہیں ۔ اور ان میں کسی قسم کا کوئی تعصب نہیں پایا جاتا ۔ انڈین لکھنے والوں میں صفدر حسین، ڈاکٹر پرویز احمد، عذرا نقوی، سید ظفر مہدی، اعجاز شاہین، غفار حسینی، اقبال واحد اور اقبال فرید نمایاں ہیں ۔

اوصاف پاکستان بننے کے بعد ملتان میں بہت سے اہل قلم آ کر آباد ہوئے جنہوں نے اس شہر میں ادب کی شمع روشن کی ۔ آپ کے نزدیک ان سینئر شعراء میں کون کون شامل کیے جا سکتے ہیں جنہوں نے واقعی اعلیٰ ادب تخلیق کیا ہو؟

حسین سحر میرے نزدیک بہت سے شعرا ہیں لیکن ان میں نمایاں عرش صدیقی، عاصی کرنالی، جابر علی سید، بیدل حیدری، جزیں صدیقی، مقصود زاہدی، پرواز جالندھری، آغا صادق، بلال جعفری، اقبال ارشد، اصغر علی شاہ اور ڈاکٹر محمد امین ہیں ۔

اوصاف آپ کا مجموعہ کلام ''تخاطب'' کے نام سے سامنے آیا اگر ملکی سطح پر غزل کی شاعری پر بات کی جائے تو مخاطب کی شاعری کہیں نظر نہیں آتی ۔ اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

حسین سحر میں آپ کی رائے سے متفق نہیں کیونکہ تخاطب کی غزل کو ڈاکٹر انور مرید جیسے نقاد نے جدید غزل میں ایک خاص مقام دیا ہے ۔ البتہ ڈاکٹر انور سرید کے دیباچے کے باعث ان

حریف مکتبہ فکر کے نقالوں سے خلا میں اسے نظر انداز کر دیا اور یہی وہ نقصان ہے جو مجھے ہوا۔لیکن اس کے باوجود میں قطعاً مایوس یا دل برداشتہ نہیں کہ اب بھی جدید غزل کے حوالے میں میرے شعروں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ ہاں ایک عرصہ ملک سے باہر رہنے کا بھی نقصان ہے کہ میں اب کی مرکزی رو سے ذرا دور ہو گیا ہوں ۔مگر اہل نظر میرے نام اور کام سے پوری طرح واقف ہیں۔اوصاف: کمپیوٹر ایم میں کتاب اور کی آپ کے نزدیک کیا صورت ہوگی۔

حسین سحر کمپیوٹر ایج میں بھی کتاب اور ادب کی افادیت قائم رہے گی۔اس لیے کہ اعتبار ہمیشہ کاغذ پر لکھے ہوئے حرف ہی کو حاصل رہا ہے اور رہے گا۔اور کمپیوٹر میں بھی ادب اپنی حیثیت کسی نہ کسی انداز میں برقرار رکھے گا،ادب کو اس سے کوئی خطرہ نہیں، بلکہ کمپیوٹر نے ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، اس کی مال کمپیوٹر کتابت ہے، جس نے لکھنے والوں کا وقت اور پیسہ دونوں بچا دیئے ہیں، پھر اس کتابت میں ایک ہمواری اور یکسائی ہے، جو آنکھوں کو بھلی ہی لگتی ہے۔

اوصاف ملتان میں صاحب اسلوب غزل گو شاعر آپ کے نزدیک کون ہے؟

حسین سحر میرے نزدیک یہاں کے صاحب اسلوب غزل کہنے والوں میں عاصی کرنالی حزیں صدیقی، ارشد ملتانی اسلم انصاری، ایاز صدیقی اور اقبال رشد شامل ہیں۔

اوصاف ایک حالیہ تحقیق کے مطابق سرائیکی کے پہلے غزل گو شاعر قاضی راضی قرار دیئے گئے، جن کا مجموعہ 1927ء میں شائع ہوا، ملتان میں پہلے سرائیکی غزل گو ارشد ملتانی قرار دیئے جاتے ہیں، جبکہ اس حوالے سے آپ کا اپنا دعویٰ بھی موجود ہے، اس بارے میں کچھ بتایئے؟

حسین سحر یہ تو نئی تحقیق ہے کہ سرائیکی کے پہلے غزل گو قاضی راضی ہیں۔البتہ ارشد ملتانی نے بہت خوبصورت سرائیکی غزلیں کہی ہیں۔ان کے علاوہ اقبال سوکڑی، سرور کربلائی کے نام بھی اس سلسلے میں لیے جا سکتے ہیں جہاں تک میرا تعلق ہے۔کوئی دعویٰ نہیں البتہ میں نے

سرائیکی کے پہلے باقاعدہ پبلک مشاعرے میں 61ء میں اپنی سرائیکی غزل پیش کی تھی۔ جس کو اس وقت کے روزنامہ کوہستان نے بھی کور کیا تھا۔اس کے علاوہ کیفی جامپوری کی کتاب سرائیکی شاعری میں بھی اس سلسلے میں صرف میرا ذکر ہے۔اس وقت سحر رومانی کے نام سے لکھا کرتا تھا۔ یوں آپ کہہ سکتے ہیں کہ سرائیکی میں جدید طرز کی غزل لکھنے والوں میں میرا نام سب سے پہلے آتا ہے۔کوئی اسے مانے یا نہ مانے یہ ایک دستاویزی حقیقت ہے سرائیکی سے یاد آتا ہے ملتانی اور بہاولپوری زبانوں کا نام سرائیکی بھی 61ء میں رکھا گیا اور بہت سے حضرات کے ساتھ میں بھی اس اجلاس میں موجود تھا۔جس میں میر حسان الحیدری نے اس زبان کا نام سرائیکی تجویز کیا تھا یوں گویا میں اس کا چشمہ دید گواہ ہوں۔ارشد ملتانی بھی اس اجلاس میں موجود تھے۔

اوصاف جنوبی پنجاب کے شعراء کو ملکی میڈیا میں نظر انداز کیا جاتا ہے آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

حسین سحر قومی میڈیا میں جنوبی پنجاب کی اتنی نمائندگی نہیں جتنا اس کا حق ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ یہاں ریڈیو اسٹیشن کے ساتھ ساتھ ایک ٹی وی اسٹیشن بھی قائم کیا جائے تا کہ اس محرومی کا ازالہ ہو سکے۔

اوصاف عرب علاقے میں رہنے سے ظاہر ہے آپ نے عربی ادب کا بھی مطالعہ کیا ہوگا۔آپ کے خیال میں عربی ادب کی اس وقت عالمی ادب میں کیا حیثیت بنتی ہے۔؟

حسین سحر میں نے معاصر عربی ادب کا جستہ جستہ مطالعہ کیا ہے اور عالمی ادب میں اس کا اپنا ایک مقام اور مرتبہ ہے۔

اوصاف ادب میں آپ کا کام بہت منفرد اور پھیلا ہوا ہے۔ذرا اس کی طرف اشارہ کیجئے۔

حسین سحر الحمد اللہ میں نے ادب کی تقریباً تمام اصناف میں کام کیا ہے۔میری کوئی بیس بائیس کتابیں چھپ چکی ہیں۔جن میں اردو میں تنقید وتبصرہ کے علاوہ حمد ونعت ،منقبت اور سلام ،غزل کے علاوہ بچوں کے ادب کی کتابیں بھی شامل ہیں علاوہ ازیں تراجم بھی ہیں۔

اوصاف دیگر ادبی خدمات؟

حسین سحر مختلف ادبی اداروں کی تشکیل کے علاوہ میں نے یہاں کے دوستوں کی تقریباً پچاس کتابیں شائع کی ہیں۔اس کے علاوہ اہل قلم کے نام سے پندرہ سال تک تواتر سے ایک ادبی مجلّہ بھی شائع کرتا رہا ہوں۔

اوصاف کیا آپ اپنے ادبی کام سے مطمئن ہیں؟

حسین سحر جی ہاں بہت حد تک مطمئن ہوں۔لیکن میں ابھی تک خوب سے خوب تر کی جستجو میں رواں ہوں۔

سہل پسندی نے نثری نظم کو رواج دیا

ماہر تعلیمات، شاعر و ادیب حسین سحر سے مکالمہ

ریاض.....جاوید اختر جاوید

پروفیسر حسین سحر ہمہ گیر اور ہمہ جہت شخصیت کا نام ہے، ماہر تعلیمات اور صاحب کتابیات ہیں، ان کی کتابیں ان کی ادبی شناخت ہیں، انہوں نے سعودی عرب کے ریگزاروں میں اپنے سخن کے چراغ روشن کیے، مشعل علم و ادب کو روشنی اور فکر و فن کو جلا بخشی اور یہاں اردو شاعری کی عظمت کو دوبالا کیا، انہوں نے قرآن مجید کا منظوم پنجابی ترجمہ کر کے ہمارے دینی ذخیرے میں اضافہ کیا ہے، یہ بلاشبہ نہایت نازک کام ہے، اس کے لئے پل صراط سے گزرنا پڑتا ہے، ذرا سی کوتاہی مدح کو قدح میں تبدیل کر سکتی ہے، اس کیلئے مہارت فن کی ضرورت ہوتی ہے، زبان پاکیزہ، الفاظ پرسوز اور پرتاثیر اور لہجہ نرم اور دھیما ہونا چاہیے، یہ فریضہ کوئی کامل فن اور صاحب فکر و نظر ہی سرانجام دے سکتا ہے، اللہ کی کتاب کی بلاغت پر صدقے جایئے، خود بولتی ہے کہ محمد (ﷺ) پر اتاری گئی ہوں قرآن پڑھنے سے روح کو سکون ملتا ہے اور قرآن سمجھنے سے فکر و نظر کو جلا ملتی ہے، ذیل میں ریاض میں پروفیسر حسین سحر کے ساتھ مختلف اصناف سخن پر کی گئی گفتگو نذر قارئین ہے۔

س: اصل نام؟

ج: خادم حسین

س: قلمی نام؟

ج: حسین سحر

س: والد کا نام؟

ج: میاں برکت حسین

س: تاریخ پیدائش؟

ج: 01/03/1942 جلال آباد، ضلع فیروز پور (ہندوستان)

س: تعلیم

107

ج: ایم اے اردو، ایم اے پنجابی، ایم اے علوم اسلامیہ، بی ایڈ، ایل ایل بی۔

س: تعلق؟

ج: ملتان سے

س: موجودہ حیثیت؟

ج: ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ ڈگری کالج ملتان۔

س: دائرۂ قلم؟

ج: شاعری، تنقید، تحقیق، بچوں کا ادب، تراجم۔

س: زبان تحریر؟

ج: اردو، پنجابی، سرائیکی اور انگریزی۔

س: تصانیف (مطبوعہ)؟

ج: خالد، شخص و شاعر تنقیدی مضمون، باب العلم مناقب، لہو لہو سلام، اختر مہران مضامین، پھول اور تارے بچوں کے لئے نظمیں، پاکستان رائٹرز گلڈ اور اہل قلم ایوارڈ یافتہ 1976 پیارے رسول ﷺ بچوں کیلئے سیرت نبوی ﷺ، قومی سیرت انعام یافتہ 1978)، سپنوں کی وادی، ننھا تیر انداز، غریب طالبعلم، بے داغ محل (بچوں کے لئے کہانیاں) تقدیس (حمد و نعت)، تخاطب (غزلیں)، تطہیر (سلام و مناقب)، دو جگ دا والی (پنجابی نعتیں)، تحسین (مضامین)، کتب نما (مضامین)، سوچ و چار (پنجابی مضامین)، تجلی (دینی شاعری)، صحرا میں گلاب (انتخاب)، سعادت (حمد و نعت)، مودت (سلام و مناقب)، پھل کلیاں (بچوں کے لئے پنجابی مضامین)، ستارہ و ہلال (قومی و ملی نظمیں)، دھیاں چھانواں (پنجابی شاعری)، تنویر (دینی شاعری) کہرے میں دھنک (اردو نظموں کا مجموعہ)، ننھی منی نظمیں (بچوں کے لئے)، ہم کلیاں، ہم پھول (بچوں کے لئے) اور فرقان عظیم (قرآن مجید کا منظوم ترجمہ)۔

س: پہلا شعر کب کہا؟

108

ج: 1953ء میں جب چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔

جو زبان ادیب ہوتی ہے
دو جہاں کی نقیب ہوتی ہے

س: لمحہ موجود کے غزل گو؟

ج: احمد فراز اور شہریار

س: نظم نگار؟

ج: وزیر آغا اور بلراج کومل

س: شاعرات؟

ج: بینا راجا اور فاطمہ حسین۔

س: مزاحمتی ادب کے سرخیل؟

ج: عوامی انقلابی شاعر حبیب جالب اور بطل حریت آغا سورش کاشمیری

س: اور ہندوستان میں

ج: اس روایت کو ڈاکٹر راحت اندوری آگے بڑھا رہے ہیں۔

س: پنجابی زبان کے بڑے قلمکار؟

ج: امرتا پریتم اور منیر نیازی

س: اور استاد دامن؟

ج: استاد دامن کی شاعری کو امرتا پریتم اور منیر نیازی کے معیار پر رکھنا ممکن نہیں البتہ ان کی شاعری کی روح میں ابلاغ ہے، عوامیت اور عمومیت ہے۔

لالی اکھیاں دی پئی دسدی اے
روئے تسی وی او، روئے اسی وی آں

س: نعت گو؟

ج: عبدالعزیز خالد، عاصی کرنالی اور حفیظ تائب، نعتیہ نقاد ڈاکٹر ریاض مجید

س: ہائیکو نگار؟

ج: ڈاکٹر محمد امین

س: مزاحیہ شاعر؟

ج: انور مسعود اور پاپولر میرٹھی۔

س: مزاحیہ ادیب؟

ج: مشتاق یوسفی اور مجتبیٰ حسین

س: ناول نگار؟

ج: کرشن چندر اور پنجابی زبان کا فخر زماں۔

س: افسانہ نگار؟

ج: انتظار حسین۔

س: تنقید نگار؟

ج: فرمان فتح پوری اور شمس الرحمٰن فاروقی

س: انشائیہ نگار؟

ج: وزیر آغا۔

س: محقق؟

ج: مشفق خواجہ۔

س: کالم نگار؟

ج: منو بھائی

س: قطعہ نگار؟

ج: رئیس امروہی۔

س: خطیب؟

ج: بہادر یار جنگ، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور آغا شورش کاشمیری۔

س: پسندیدہ قلمکار؟

ج: عبدالحمید عدم اور اختر شیرانی۔

س: سمندر پار ادب کے حوالے سے کچھ کہنا چاہیں؟

ج: سمندر پار ادب کے حوالے سے میری کتاب ''دبستان عرب'' جلد منظر عام پر آرہی ہے جس میں سمندر پار تخلیق ہونے والے ادب کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

س: نثری نظم؟

ج: سہل پسندی نے نثری نظم کو رواج دیا، اس کا سفر جاری ہے ابھی تک ''میچور'' نہیں ہو سکی۔

س: ادیب اور شاعر کے متعلق آپ کا نقطہ نظر؟

ج:

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

ملتانی اور بہاولپوری زبان کو مشترکہ نام دینے کیلئے ''سرائیکی'' لفظ اپنایا گیا

سحر رضوان

حسین سحر ملک کی نامور ادبی شخصیت ہیں ۔ آپ اردو' پنجابی' سرائیکی کے معرف شاعر' بچوں کے ادب کے تخلیق کار اور مترجم ہیں۔

ملتانیات پر آپ نے خاصا وقیع کام کیا ہے اردو میں قرآن کا آزاد منظوم ترجمہ آپ کا شاہکار ہے 20 کتب کے مصنف اور صدارتی ایوارڈ یافتہ شاعر ہیں ''پاکستان'' کے ساتھ ایک طویل نشست میں انہوں نے علم و ادب کی مختلف جہتوں پر جن خیالات کا اظہار کیا ان کی تفصیل ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

☆ آپ کہاں اور کب پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم، انوی اور اعلیٰ تعلیم کے مراحل کیسے طے کئے؟

حسین سحر' جناب میں 1942ء میں یکم مارچ (سرکاری) (حقیقی 10 اکتوبر 1942ء جلال آباد ممدوٹ ضلع فیروز پور بھارت میں پیدا ہوا، ہم لوگ پاکستان 1947ء کے آواخر میں آئے۔

والدین کے ساتھ ملتان میں قیام کیا تعلیمی سلسلہ یہاں ہی سے شروع ہوا، میٹرک اسلامیہ ہائی سکول عام خاص باغ سے کیا، انٹر اور بی اے ایمرسن کالج سے کیا، ایم اے کرنے کے لئے یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں داخلہ لیا بعدازاں اس سلسلے کو پرائیویٹ طور پر مکمل کیا 1964ء میں ایم اے اردو کیا، اس کے علاوہ ایم اے پنجابی، ایم اے علوم اسلامیہ بی ایڈ اور ایل ایل بی کے بھی امتحانات پاس کیے۔

☆ سکول کالج دور کا کوئی واقعہ جو یادگار بن گیا ہو؟

حسین سحر' جب میں چھٹی جماعت کا طالب علم تھا تو میں نے انگریزی کے امتحان میں 50 میں سے 50 نمبر لے کر سکول کا ریکارڈ قائم کیا اور اس وقت یہ ایک ایسا غیر معمولی واقعہ تھا کہ ہیڈ

ماسٹر صاحب نے مجھے اسمبلی کے اسٹیج پر بلا کے میری حوصلہ افزائی کی اور شاباش دی سکول ہی کے زمانے میں معروف فلمی ہیرو سید محمد علی ہمارے سکول فیلو رہے وہ سینئر تھے اور ان سے میری اچھی علیک سلیک تھی اسی زمانے میں میں نے کچھ دوستوں کے ساتھ مل کر بچوں کے لئے رسالے شائع کرنا شروع کیے مختلف رسالے نکالے یہ بات 54-1953ء کی ہے یوں ادب کی دنیا میں میرا تعارف ہوا۔

☆ شادی کہاں اور کب ہوئی طے شدہ تھی یا پسند کی۔ لو میرج کی یا صرف لو؟

حسین سحر شادی والدین کی جانب سے طے شدہ تھی اور یکم جنوری 1962ء کو ہوئی جب میں بی اے کا امتحان دے رہا تھا۔ البتہ بیوی میری پسند ہی کی ملی۔

☆ ملازمت کا سلسلہ کہاں سے شروع کیا' کیا کیا ہوا اور کہاں کہاں خدمات سرانجام دیں۔ کوئی بیرونی سفر؟

حسین سحر سب سے پہلے 1963ء میں اسلامیہ ہائی سکول حرم گیٹ میں ایک استاد کے طور پر اپنی ملازمت کا آغاز کیا کیونکہ اس زمانے میں پرائیویٹ ایم اے کی عام اجازت نہیں تھی اس کے لئے کسی سکول میں باقاعدہ استاد ہونا ضروری تھا اس لئے میں نے یہ ملازمت اختیار کرلی۔ 1965ء میں فیملی پلاننگ کے محکمے میں آگیا، 1967ء میں پنجاب پبلک سروس کمیشن کی جانب سے بطور لیکچرر انتخاب ہوگیا اور میں محکمہ تعلیم میں آگیا سب سے پہلے گورنمنٹ ایس ای کالج بہاولپور میں میرا تقرر ہوا اس کے بعد میرا تبادلہ گورنمنٹ انٹر کالج ملتان ہوا جو بعد میں ڈگری کالج سول لائنز کے نام سے معروف ہوا یہاں میں نے 22 سال تک خدمات سرانجام دیں 1992ء میں گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ ڈگری کالج میں بطور پرنسپل میرا تقرر ہوا اور میں ریٹائرمنٹ تک وہیں فرائض سرانجام دیتا رہا، ریٹائرمنٹ میں نے 1997ء میں چار سال پیشتر حاصل کی اور اس کے بعد اپنے بچوں کے پاس سعودی عرب چلا گیا، آج کل ریٹائرڈ زندگی گزار رہا ہوں۔

☆ ادب کی طرف کب اور کیسے آئے؟ کس نے انسپائر کیا اور کیا کیا لکھا؟

حسین سحر ادب کا ذوق وشوق بچپن ہی سے تھا میرے والد مرحوم میاں برکت علی پنجابی میں شعر کہتے تھے ورے میں یہ ذوق مجھے بھی ملا چنانچہ میں نے 3/4 جماعت میں ہی شعر موزوں کرنا شروع کر دیئے شروع میں بچوں کے لئے لکھا اور پھر آہستہ آہستہ بڑوں کے ادب کی طرف آگیا ، اتفاق سے میرے لڑکپن کے دوستوں میں بھی کچھ ایسے دوست تھے جو شاعری سے دلچسپی رکھتے تھے ان میں اسلم انصاری، انوار انجم مرحوم اور اقبال رشد جنہوں نے بعد میں ادب کی دنیا میں بڑا نام پیدا کیا یہ میرے دوست تھے اس زمانے میں ملتان میں صابر دہلوی، عاصی کرنالی گلچین، کرنالی، پرواز جالندھری اور آغا خاموش مرحوم ملتان کی ادبی فضا پر چھائے ہوئے تھے، علامہ اقبال، اسماعیل میرٹھی اور کرشن چندر کو پڑھ کر لکھنے کی تحریک ہوئی نرو نظم کی تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔

☆ اقبال ارشد کے ساتھ آپ کی جوڑی بڑا عرصہ قائم رہی اب صورتحال کیا ہے؟

حسین سحر 1952ء میں جب میں پانچویں جماعت میں تھا اقبال ارشد سے میری ملاقات ہوئی اقبال بھی بچوں کے لئے نظمیں لکھتے تھے اور میں بھی ، اور ہماری یہ نظمیں ہندو پاک کے بچوں کے رسائل واخبارات میں باقاعدگی سے شائع ہوتی تھیں اس زمانے میں میں سحر رومانی کے نام سے لکھا کرتا تھا بعد میں 1974ء میں رومانی کو ہٹا کر اپنا نام حسین سحر رکھ لیا ، اقبال ارشد کے ساتھ میری دوستی کو 50 سال سے زیادہ کا عرصہ گزر رہا ہے وہ میرے بہترین دوست بھی ہیں اور بھائی بھی ۔میری ہر تخلیق (تحریر) کے پہلے سامع وہی ہوتے ہیں اور اسی طرح ان کی ہر تحریر کا پہلا قاری میں ہوتا ہوں ۔ یہ دوستی اب تک بغیر کسی رکاوٹ کے چل رہی ہے اور انشاءاللہ آخری دم تک چلے گی ہمارے مزاج اگرچہ کچھ مختلف ہیں لیکن اس کے باوجود ہماری دوستی جاری وساری رہے میں اقبال ارشد کے بغیر نہیں رہ سکتا اور اقبال ارشد میری بغیر، ہم دونوں لازم وملزوم ہیں کسی زمانے میں ہماری اسی دوستی کو دیکھتے ہوئے لوگ ہمیں ادب کی چھوٹی بڑی سوسائیٹیاں یا ادب کے نزاکت علی سلامت علی بھی کہا کرتے تھے۔

☆ بچوں کا شعری ادب جاندار ہے یا نثری ادب؟

حسین سحر ہمارے یہاں بچوں کے ادب کی طرف ویسے ہی توجہ بہت کم ہے پھر آپس میں شعری اور نثری ادب کی کیا تخصیص البتہ نثر کے مقابلے میں ہمارے ہاں بچوں کے لئے شاعری کی طرف رجحان زیادہ ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ بچوں کے لئے جہاں اچھی شاعری کی جائے وہاں نثر میں بھی زیادہ سے زیادہ لکھا جائے۔

☆ پنجابی اور سرائیکی ادب سے آپ کی دلچسپی ہے اس سلسلہ میں آپ نے کیا کیا ہے؟

حسین سحر پنجابی اور سرائیکی ادب سے بھی میری دلچسپی پرانی ہے 60 کی دہائی میں میں نے پنجابی میں لکھنا شروع کیا اور اس وقت میری چار پنجابی کتابیں آچکی ہیں جہاں تک سرائیکی ادب کا تعلق ہے اس سے بھی میری دلچسپی اتنی ہی پرانی ہے جتنی پنجابی سے چنانچہ میں آج بھی پنجابی کے ساتھ ساتھ سرائیکی میں بھی لکھتا لکھاتا رہا ہوں ، بلکہ ملتانی زبان کا نام جب سرائیکی رکھا گیا میں اور اقبال ارشد اس اجلاس میں بھی موجود تھے یعنی ہم اس کے چشم دید گواہ ہیں ہوا یوں کہ 1961ء میں سرا پبلک سکول میں میر حسان الحیدری کی دعوت پر ملتان ڈیرہ غازیخان اور بہاولپور کے نمائندہ ادیبوں کا اجلاس ہوا جس میں ملتانی اور بہاولپوری زبان کو ایک مشترکہ نام دینے کے لئے سرائیکی کا لفظ اپنایا گیا سندھی میں سرائیکی کے لفظی معنی ''شمال کی زبان'' کے ہیں چونکہ یہ علاقہ سندھ کے شمال میں ہے اس لئے اس کی زبان کو وہاں سرائیکی کہا جاتا ہے چنانچہ اسی کو یہاں اپنایا گیا اور یہ نام آہستہ آہستہ مقبولیت کے اس درجے پر پہنچا کہ اب اس زبان کے اصلی نام (ملتانی) کو لوگ بھولتے جارہے ہیں، اس وقت اجلاس میں جو لوگ شامل تھے ان میں ارشد ملتانی، کیفی جام پوری، رفیق خاور جسکانی، ریاض انور وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔(اتفاق سے یہ تمام ہستیاں مرحوم ہو چکی ہیں)۔

☆ بچوں کے ادب کی طرف آپ آئے؟ پاکستان میں بچوں کے ادب کا معیار کیا ہے؟ ملتان میں بچوں کے ادب کی صورتحال کیا ہے؟

حسین سحرؔ میں بچوں کے ادب کی طرف 52-51 میں آ گیا تھا ملتان میں بچوں کے ادب کے سلسلہ میں میرے علاوہ اقبال ارشدؔ خادم کیتھلی مہر ادسحر اور مظہر کلیم اور خالد پرویز خاص طور پر لکھ رہے ہیں، اس سلسلہ میں 3/4 کتابیں اقبال ارشد کی نو بہار، ایار، چاندنی کی جھیل اور میری کتابیں پھول اور تارے پیارے رسولؐ ہم کلیاں ہم پھول ننھی منی نظمیں سپنوں کی وادی' ننھا تیر انداز شائع ہو چکی ہیں اس کے علاوہ مہر ادسحر کی ایک کتاب '' بدحواسیاں '' خالد پرویز کی 3/4 کتابیں (نثری) اور مظہر کلیم کی بیسیوں کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں

۔

☆ ادب کی تخلیق کے حوالے سے ملتان کہاں کھڑا ہے، یہاں کونسی صنف ادب زیادہ تخلیق ہوئی یہاں کا ادبی افق اور مستقبل کیسا ہے؟

حسین سحرؔ ملتان بلا مبالغہ ایک ادبی دبستان ہے جو صدیوں سے علوم و فنون اور ادب و شعر کا مرکز رہا ہے قیام پاکستان سے پہلے بھی یہاں کے ادباء اور شعراء پورے برصغیر میں جانے جاتے تھے قیام پاکستان کے بعد جب کچھ لوگ ہجرت کر کے یہاں پہنچے تو اپنے ساتھ اپنی تہذیب و ثقافت اور زبان ادب کے سرمایے کو بھی ساتھ لائے ان لوگوں کی شرکت سے یہاں ادب کو فروغ حاصل ہوا چنانچہ 1947ء کے بعد ادبی لحاظ سے ملتان نے کافی ترقی کی اور یہاں ہر صنف ادب میں طبع آزمائی کی گئی بے شمار شعری مجموعے شائع ہوئے اور نثر کی لاتعداد کتابیں یہاں سے شائع ہوئیں اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے مرحومین میں صابر دہلوی، کشفی ملتانی، عرش صدیقی، ارشد ملتانی، حزیں صدیقی، آغا خاموش، ڈاکٹر مہر عبدالحق، علامہ عتیق فکری، حسن رضا گردیزی اور علامہ طالوت خاص طور پر قابل ذکر ہیں کیفی جام پوری دور حاضر میں بزرگ اہل قلم کے علاوہ نوجوانوں کا ادبی شعور بھی روز افزوں ارتقاء پذیر ہے اس ساری صورتحال کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملتان کا ادبی مستقبل روشن اور تابناک ہے۔

☆ آپ کی اپنی پسندیدہ تخلیق نمونہ کے طور پر کچھ سنائیں؟

حسین سحر میں نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے ماٰ حمد نعت منقبت اور سلام کے علاوہ نظم و غزل نثر میں بھی لکھتا رہا ہوں لیکن میری پسندیدہ صنف غزل ہے اپنی ایک غزل کے دو شعر پیش کر رہا ہوں۔

میں لہلہاتی شاخ کو سمجھا تھا زندگی
پتہ گرا تو درس فنا دے گیا مجھے
میرے لئے تو سانس بھی لینا محال ہے
یہ کون زندگی کی دعا دے گیا مجھے

☆ شعراء ادیب افسانہ نگار اور ناول نگار میں سے کون پسند ہیں؟

حسین سحرؔ پسند کا معاملہ ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے ظاہر ہے مجھے بھی کچھ لکھنے والے زیادہ پسند ہیں دور حاضر کے ادیبوں اور شاعروں میں جوش، فیض، ساحر، ندیم، کرشن چندر، اشفاق احمد، ناصر کاظمی، اور وزیر آغا مجھے زیادہ پسند ہیں۔

☆ ادب میں فکری و نظری جمود پایا جاتا ہے؟ وجہ!

حسین سحر مجھے اس معاملے میں آپ سے اختلاف ہے میرے خیال میں ادب میں کبھی فکری و نظری جمود نہیں پایا جاتا۔ ادب تو آب رواں کی مانند ہے جو ہر دور میں برابر محو سفر رہتا ہے۔ اس میں جمود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ زمانے کے نشیب و فراز کا اس پر اثر ضرور ہوتا ہے لیکن اس کا اصل دھارا ہمیشہ رواں دواں ہی رہا ہے کہ اس کا تعلق زندگی کے ساتھ ہے اور زندگی آپ جانتے ہیں مسلسل سفر ہی کا نام ہے۔

☆ اردو زبان کا پاکستان میں مستقبل کیا ہے؟ یہ قومی زبان کے طور پر ہنوز کیوں نافذ نہ ہو سکی، ادبی دنیا اس سلسلہ میں فعال کیوں نہیں؟

حسین سحرؔ اردو زبان کا مستقبل اگر کہیں ہے تو پاکستان میں کہ یہ ہماری قومی زبان بھی ہے اور رابطے کا ذریعہ بھی۔ قومی زبان کے طور پر یہ اب تک اس لئے نافذ نہ ہو سکی کہ اس میں جہاں ہماری بیوروکریسی ذمہ داری ہے وہاں سیاستدان بھی شامل ہیں۔ ادبی دنیا کا بھی قصور ہے کہ وہ

بھی سیاست کا شکار ہے یہ اہل قلم کے لئے بھی لمحہ فکریہ ہے لیکن مایوسی کی کوئی بات نہیں جوں جوں میڈیا ترقی کرے گا ہمیں اپنی زبان کی اہمیت کا اندازہ ہوتا جائے گا اور انشاءاللہ ایک روز پوری دنیا میں تیسری بڑی زبان ہونے کی حیثیت سے یہ اپنے وطن میں بھی اپنی حیثیت منوالے گی۔

☆ آپ کے دونوں بیٹوں شہزاد سحر اور مہزاد سحر اور بھتیجے شاکر حسین شاکر نے اپنی شناخت شاعری کی بجائے نثر کو بنایا ہے، کیا آپ ان کی کارکردگی سے مطمئن ہیں؟

حسین سحر: الحمدللہ میرے دونوں بیٹے شہزاد اور مہزاد اور بھتیجے شاکر باقاعدگی سے لکھ رہے ہیں اور میں ان کی کارکردگی سے مطمئن ہوں۔ اللہ ان کے زور قلم میں اضافہ فرمائے۔

☆ کیا ادب کا عملی پہلو بھی ہے؟ کیا شاعری، ناول نگاری، افسانہ نویسی کل وقتی کام ہیں اور کیا یہ انسان کا پیٹ بھر سکتے ہیں؟

حسین سحر: میں سمجھتا ہوں کہ ادب انسان کا پیٹ نہیں بھر سکتا، یہ ذوق کا مشغلہ ہے پیٹ بھرنے کے لئے اور دھندے تھوڑے ہیں جو اس کو پیشہ بنا دیا جائے، چنانچہ جتنے بڑے ادیب اور شاعر گزرے ہیں ان میں چند ایک کو چھوڑ کر اکثریت کسی اور ذریعہ معاش سے منسلک رہی ہے البتہ دور حاضر میں کچھ لوگوں نے ادب سے خوب کمایا بھی ہے لیکن یہ استثناء ہے اور اسے اصول نہیں بنایا جا سکتا۔

☆ آپ کے خیال میں ادب کی توانا ترین صنف کونسی ہے؟ نظم، غزل، مرثیہ یا نعت آپ نے ان سب اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے؟

حسین سحر: میرے خیال میں کوئی ایک صنف بھی الگ سے توانا اور زندہ صنف نہیں ہوتی تمام اصناف میں توانائی اور زندگی ہوتی ہے صرف یہ لکھنے والوں کے رویئے پر منحصر ہے مثلاً پاکستان میں غزل زیادہ مقبول ہے جبکہ ہندوستان میں نظم، اسی طرح ہمارے یہاں افسانہ کا زیادہ رواج ہے اور وہاں تنقید کا رہا مرثیہ یا نعت تو وہ دونوں جگہ اپنے اپنے حلقے میں زندہ ہیں البتہ نعت کو پاکستان میں زیادہ فروغ حاصل ہے۔

☆ آپ کو ترجمے سے بھی دلچسپی ہے؟ سنا ہے آپ نے حال ہی میں قرآن پاک کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے، کچھ اس سلسلہ میں بتائیں؟

حسین سحر: ترجمے میں بھی میری دلچسپی پرانی ہے چنانچہ میں نے پنجابی، سرائیکی، انگریزی، فارسی اور عربی زبان کے بہت سے فن پاروں کو اردو میں منتقل کیا ہے اس سلسلہ میں ایک شاعر کا ترجمہ ''نظمیں'' کے نام سے منظر عام پر آ بھی چکا ہے اس کے علاوہ میں نے الحمدللہ قرآن پاک کا اردو میں منظوم ترجمہ بھی مکمل کیا ہے جو عنقریب شائع ہو رہا ہے، یہ ترجمہ میں نے نظم آزاد میں کیا ہے، علاوہ ازیں میں نے 20 کتب تصنیف کیں جن کے نام یہ ہے پھول اور تارے، پیارے رسول، تقدیس، تخاطب، تطہیر، دو جگ داوائی، تحسین، کتب نما، سوچ و چار، تجلی، سعادت حمد و نعت، صورت، پھل کلیاں، ستارہ و ہلال دھیاں چھانواں تنویر، ہم کلیاں ہم پھول، نظمیں (ترجمہ) کہر میں دھنک (نظمیں)۔

☆ اعزازت وغیرہ کی پوزیشن؟

حسین سحر: الحمدللہ عوامی اور سرکاری سطح پر میرے فن کی پذیرائی بھی ہوئی چنانچہ اس سلسلہ میں میری نعتوں کی کتاب ''تقدیس'' کو صدارتی ایوارڈ 1889ء میں ملا، جبکہ 1988ء میں بچوں کے لئے سیرت کی کتاب ''پیارے رسول'' پر ''قومی سیرت'' انعام ملا یہ کتاب الحمدللہ اردو میں بچوں کے لئے سیرت کی مقبول ترین کتاب ہے جسے Best Seller کہتے ہیں جو کیر تعداد میں شائع ہو چکی ہے جسے سنگ میل لاہور نے شائع کیا ہے اس کے علاوہ بچوں کے لئے کتاب پھول اور تارے پر رائٹرز گلڈ انعام اور بچوں ہی کیلئے ایک کتاب ''ننھی منی نظمیں'' پر نیشنل بک فاؤنڈیشن کا انعام ملا علاوہ ازیں ورلڈ ہوا زہو کے تحت امریکہ اور برطانیہ کی یونیورسٹیوں میں میرا نام شامل کیا گیا، یونیسیف 1992ء کی شعراء اور ادبا کی ڈائریکٹری میں میرا نام بھی شامل کیا گیا جس میں آپ کا نام بھی شامل ہے۔

☆ میں روزنامہ ''پاکستان'' ملتان کی جانب سے آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ہمیں وقت دیا۔

حسین سحر: آپ کا بھی شکریہ۔ (مطبوعہ: روزنامہ ''پاکستان'' ملتان)

کتابوں پر تبصرے

باب العلم

ملک بھر میں پندرہویں صدی ہجری کے آغاز کے سلسلے میں جہاں سرکاری سطح پر دینی اور علمی ادبی کام ہوئے وہاں مختلف شہروں کی مختلفعلمی وادبی مجلسوں اور انجمنوں نے بھی خاطر خواہ حصہ لیا ہے۔ملتان عرصہ دراز سے علمی وادبی سرگرمیوں کا مرکز چلا آرہا ہےاور یہاں گذشتہ برسوں میں علم وادب کی تحقیق کے سلسلے میں بہت سا کام ہوا ہے۔

مجلس اہل قلم نے پندرہویں صدی ہجری کا استقبال زیرنظر کتاب ''باب العلم'' کی اشاعت سے کیا ہے۔کتاب کی ترتیب کا کام حسین سحر نے بڑی جانفشانی سے سرانجام دیا ہے۔ کتاب کا نام ''باب العلم'' سنتے ہی ہر مسلمان ذی شعور کا ذہن حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی طرف مائل ہوتا ہے کہ متفقہ حدیث نبوی ہے۔انا مدینۃ العلم و علی بابہا (میں علم کا شہر اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں) حسین سحر نے ایسی بہت سی منقبتیں یکجا کی ہیں جن میں مولائے کائنات حضرت علیؑ کا تذکرہ موجود ہو اور اس مجموعے کو باب العلم کے نام سے موسوم کیا ہے۔اکانوے شعراء کا کلام زیر نظر مجموعہ کی زینت ہے۔ چند ایک بزرگان دین اور اساتذہ کرام کا کلام تبرکا۔مجموعے کے آغاز میں شامل کیا گیا ہے۔حسین سحر کا یہ کام لائق ستائش ہے کہ انہوں نے مناقب علیؑ کو یکجا کرنے میں اولیت حاصل کی ہے۔

ماہنامہ تخلیق لاہور۔مبصر: اصغر مہدی

لہو لہو

امام حسینؓ کی شخصیت میں عظمت کے کئی پہلو پوشیدہ ہیں چنانچہ چودہ سوسال سے ادیب اور شاعر ان کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔واقعہ کربلا کے بارے میں بے شمار شعر کہے گئے ہیں۔مگر اب بھی اس کے ایسے انداز موجود ہیں جو دعوت فکر دیتے رہتے ہیں۔کربلا کے میدان میں امام صاحب کے ساتھ بہتر ساتھی تھےان کی رعایت سے حسین سحر نے زیر تبصرہ کتاب میں 72 شعراء کے کلام کا انتخاب پیش کیا ہے۔ان کے علاوہ شروع میں حضرت معین الدین چشتی اور علامہ اقبال

کے اشعار بھی بطور تبرک شامل کئے گئے ہیں۔اس انتخاب سے تشنگی کچھ بڑھ جاتی ہے مگر یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ شعراء نے امام عالی مقام کے بارے میں کیا کچھ تحریر کیا ہے۔

مبصر: ڈاکٹر حسن اختر

اشتیاق اظہر فن اور شخصیت

اشتیاق اظہر معروف شاعر اور ادیب ہیں۔معروف اور خوش فکر شعراء کے فن اور شخصیت پر کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ مستحسن ہے۔اسی طرح فن کار کی شخصیت کا جامع تعارف بھی ہو جاتا ہے اور نگارشات بھی محفوظ ہو جاتی ہیں۔پچھلے سال ارباب ملتان نے اشتیاق اظہر کے ساتھ ایک شام کا اہتمام کیا تھا۔اس شام میں اظہر کی شاعری اور شخصیت پر مضامین پڑھے گئے تھے۔یہ تمام مضامین چناب اکادمی ملتان نے کتابی صورت میں شائع کئے ہیں۔اس کتاب کے مرتب اقبال ارشد، اور سحر رومانوی ہیں۔مرتب خود بھی اچھے شاعر ہیں۔اس لئے اس کتاب کو بڑے سلیقے سے ترتیب دیا ہے۔ کتاب کے تمام مضامین معیاری اور دلچسپ ہیں اور اشتیاق اظہر کی شخصیت نیز فن کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔یہ کتاب شخصیتوں پر کام کرنے والوں کے لئے مثالی حیثیت رکھتی ہے۔

''نئی قدریں'' خاص نمبر مئی 1970ء (حیدرآباد)

مبصر۔اختر انصاری اکبرآبادی

خالد۔شخص و شاعر

خالد۔شخص و شاعر: جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ہمارے عہد کے ایک ممتاز شاعر عبدالعزیز خالد کی شخصیت اور شاعری پر لکھے جانے والے مضامین کا منتخب اور قابل ذکر مجموعہ ہے۔ جسے حسین سحر نے ترتیب دیا ہے۔ 192 صفحات کا یہ نثری مجموعہ تیرہ مبصروں اور ادیبوں کی نگارشات پر مشتمل ہے۔لکھنے والوں میں ڈاکٹر سید عبداللہ۔شاہد احمد دہلوی مرحوم۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی جیسے مشاہیر اہل قلم بھی شامل ہیں۔تاہم نمائندگی کرنے والے دوسرے ادیبوں کی تحریریں بھی مواد اور پیشکش کے لحاظ سے یقیناً اپنا ایک اہم مقام رکھتی ہیں۔

حسین سحر نے خالد کے شخصی مرتبے اور شعری مقام کا تعین کرنے والے ان تمام اچھے مضامین کو جمع کر دیا ہے جنہیں ''خالدیات'' کے سلسلے میں کسی نہ کسی طرح کوئی اہمیت حاصل تھی۔

منتشر اور متنوع تحریروں کے انبار میں سے جس تمیز اور تفریق سے انہوں نے قابل قدر مواد کو چھانٹا ہے وہ ان کے حسن مذاق کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔جناب خالد ہمارے درمیان زندہ ہیں۔زندہ شخصیت کے بارے میں نقد و نظر کے منصب کو نبھانا آسان نہیں ہوتا۔تنقید کی میزان عموماً اپنا توازن کھو دیتی ہے اور اگر اس زندہ شخصیت سے قلبی دوستی بھی ہو تو عقیدت مندی فیصلے کی معروضیت اور غیر جانبداری پر ضرور اثر انداز ہوتی ہے اور سچ کے ساتھ جھوٹ کا کچھ نہ کچھ عنصر ضرور خلط ملط ہو جاتا ہے تاہم یہ مجبوری بھی ہے جس سے پوری طرح مفر ممکن نہیں۔

مجموعے میں سب سے پہلے مرتب کا دیباچہ ہے جس کی آخری سطر بہت معذرت خواہانہ ہے اس نے لکھا ہے کہ میں ان کے بکھرے ہوئے ادبی جواہر ریزوں کو صرف یکجا کرنے کا گنہگار ہوں میرے خیال میں جناب حسین سحر کا یہ صرف انکسار ہے۔فرد فرد مضامین میں یکجائی اور ترتیب میں بھی ان کا ذوق تخلیق شامل ہے۔شاہد احمد دہلوی کا خاکہ لفظی مصوری کا ایک شاہکار ہے انہوں نے خالد کی نئی تشکیل پرانے حوالوں سے کی ہے۔ارشاد احمد حقانی نے خالد کو ایک بے حد عظیم اور مخلص فنکار بتایا ہے۔انہوں نے خالد کو قریب ترین مقام سے دیکھا ہے اور ان کی فن سے گہری وابستگی اور پر خلوص لگن کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔سید مقصود زاہدی نے خالد کو بہت خلاق بہت منفرد اور بہت بڑا نظریاتی شاعر قرار دیا ہے۔ان کے خیال میں وہ کٹر پاکستانی ہے اور علامہ اقبال کے خواب دگر دانائے راز کی عملی تعبیر ہے۔ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے میں خالد ایک اختراع پسند نعت نگار ہے۔انہوں نے اس کی فنی قدروں کو ادب کی جدید تحریکوں مثلاً تاثریت۔اظہاریت اور تجریدیت کے حوالوں سے اجاگر کیا ہے۔انہوں نے خالد کے افکار کا ماخذ اسلام قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے خالد کی روش فکر و سخن پر روشنی ڈالی ہے اور ان کی کتابوں ''منحمنا'' ''لحن صریر'' اور دوسری تصانیف کے حوالے سے ان کے ہاں غالب و اقبال کے اثرات کی نشاندہی ہے، عفت موہانی نے خالد کو عاشق رسول کی حیثیت سے پڑھا اور سنا ہے۔ان کا خیال ہے کہ خالد اقبال کی

نعتیہ شاعری کا متولی اور وارث ہے، جعفر طاہر کا مضمون تاثراتی ہے اور انہوں نے خالد کو ملک الکلام یعنی فرمانروائے سخن قرار دیا ہے اور تخلیقی پیرائے میں خالد کے ہاں جمالیاتی قدروں مثلاً تشبیہ واستعارہ اور کنائیہ وغیرہ سے پیدا ہونے والی جمالیاتی فضا اور شعر کے ڈرامائی عناصر آہنگ اور دروبست الفاظ سے پیدا ہونے والے صوتی اثرات کو واضح کیا ہے۔ ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی نے ان کے ہاں انجیل، تورات، زبور اور اقوام عالم کی تاریخ کے مطالعہ سے حاصل ہونے والے افکار کو شعر میں ڈھالنے کی صلاحیت کا اعتراف کیا ہے اور اس کے شعری اسلوب کی قرۃ العین حیدر کے نثری اسلوب سے مماثلت قائم کی ہے۔ عاصی کرنالی نے اپنے تاثراتی مضمون میں خالد کو تیز رفتار پرجوش اور تیز موج سمندر کہا ہے اور ان کی زبان کو ایک ایسا وسیع دائرہ قرار دیا ہے جس میں کائنات بھر کی تہذیبیں اور زبانیں اپنی تمام توانا روایتوں اور احیائی امکانات کے ساتھ سمٹ آئی ہیں۔ خالد بزمی نے خالد کی لفظی ثقالت اور مشکل پسندی کو رد کر کے صرف اس کی آسان شاعری کو پیش کیا۔ اس کا خیال ہے کہ مشکل سے آسان کی طرف یہ سفر خالد نے ماحول کے اشارے پر کیا ہے۔ کمار پاشی نے خالد کی شاعری میں سنسکرت ادب کے اس رس کو دریافت کیا ہے جو عورت کی جسمانی مصوری اور لمسی کیفیت سے پیدا ہونے والی جمالیاتی حظ اندوزی اور مسرت آفرینی کا دوسرا نام ہے خالد کی شاعری کا یہ زمینی اور ارضی پہلو اس کی شاعری کے مذہبی اور آسمانی عنصر کے متوازی چلتا ہے۔ وزیری پانی پتی نے خالد کی شاعری میں بلحاظ موضوع ماضی حال اور مستقبل کے پورے پھیلاؤ کو سمٹے ہوئے دیکھا ہے۔ ان کے ہاں سیفو اور دلائل کا ذکر اس انداز سے آیا ہے کہ بعد زمانی کا ذرا احساس نہیں ہوتا۔ ان کے خیال میں ''فارقلیط'' دنیا کی وہ طویل ترین نظم ہے کہ صرف اس کے پیش نظر خالد کو وحید عصر اور یکتائے روزگار کہا جا سکتا ہے۔ سب سے آخر میں حسین سحر نے اپنے مضمون میں خیال ظاہر کیا ہے کہ گزشتہ بیس پچیس سال میں خالد نے اپنے شعری سرمائے کے ساتھ اردو کو سب سے زیادہ مالا مال کیا ہے وہ صاحب طرز شاعر ہے اور اس کا اسلوب عالمانہ پرشکوہ اور رفیع ہے۔ وہ غالب اور اقبال سے متاثر بھی ہے اور مختلف بھی۔ یہ تھا مضامین کا جائزہ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ مقامات کا یہ گراں قدر مجموعہ یقیناً بڑی افادیت کا حامل ہے۔ ایک پڑھے لکھے قاری کے لئے جہاں یہ ایک حوالہ بن سکتا ہے وہاں عام قاری کے لئے بھی اپنے اثر اور کیفیت

کے لحاظ سے یقیناً سودمند ہے۔

ماہنامہ ''کتاب'' لاہور۔ جولائی 1977ء، مبصر:۔ پروفیسر تاثیر وجدان

منزل کی طرف

یہ کتاب ایک سہ بابی تمثیل ہے جس کا نام ''منزل کی طرف'' ہے اور مصنف سحر رومانی اور اقبال ارشد۔ یہ سہ بابی تمثیل، اس طرح لکھی گئی ہے جس طرح اسٹیج ڈرامے لکھے جاتے ہیں، اس کا اہم موضوع وہ اہم حالات ہیں جن سے عموماً ہر طبقہ دو چار رہتا ہے۔ مثلاً یہ کہ آمدنی کم ہے اخراجات زیادہ رہنے کے لئے معقول انتظام نہیں، اولاد میں اضافہ برابر ہوتا ہے اور تعلیم کے ذرائع مفقود یہ مسائل ایسے ہیں جو غریب طبقے کا مقدر بن چکے ہیں۔ اس ڈرامے میں کوشش کی گئی ہے کہ ان تمام خرابیوں کو سامنے لانے کے بعد ان کے سدباب کی تلاش کی جائے، اس میں اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ اولاد کی زیادتی بھی بعض اوقات مشکلات کا باعث بن جاتی ہے۔ ڈرامے میں یہ رخ بہت ہی خوبصورت طریقے سے آتا ہے۔ اگر یہ احتیاط نہ کی جاتی تو یہ ڈرامہ اشتہار بن جاتا اس ڈرامے میں کوئی اشتہاری یا سطحی بات نہیں ہے بلکہ موضوع کو دلائل کے ساتھ اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ یہ ڈرامہ اصلاح کا سبب سکے اور وہ طبقہ جو عموماً دشواریوں کا شکار رہتا ہے۔ اپنے لئے کوئی مناسب راہ اختیار کر سکے۔

اس سہ بابی تمثیل کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ زبان ادبی اور معیاری ہے اور یہ کہ ڈرامے کا کوئی حصہ کمزور نہیں ہے کہیں بھی بے ربطی اور بے کیفی کا احساس نہیں ہوتا، یہ مصنفین کی ذہانت کی دلیل ہے۔

(بشکریہ ریڈیو پاکستان حیدرآباد)

مبصر اختر انصاری اکبرآبادی

''نئی قدریں'' حیدرآباد۔ اکتوبر 1971ء

اختر مہران

مردہ پرست معاشرے میں جیتے جی کسی شخصیت پر مضامین لکھ کر پڑھنے کے بعد کتابی شکل میں شائع ہو جائیں تو ایسے حیرت انگیز واقعہ کو بجا طور پر معجزہ کہا جا سکتا ہے ''اختر مہران'' ایسی

ہی ایک کتاب کا نام ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں پندرہ مضامین شامل کئے گئے ہیں جو اردو کے معرف شاعر ادیب اور نقاد اور صحافی اختر انصاری اکبرآبادی کی شخصیت اور فن کے بارے میں لکھے گئے ہیں ۔ یہ مضامین ادبی جریدے ''نئی قدریں'' کی سلور جوبلی کے موقع پر پڑھے گئے تھے۔

اختر انصاری اکبرآبادی ''نئی قدریں'' کے مدیر ہیں اور گذشتہ پچیس برس سے اس ادبی جریدے کی شمع کو جلائے ہوئے ہیں ۔ ڈاکٹر وزیر آغا کے مطابق اختر انصاری اکبرآبادی ایک اچھے انسان اور ایک مدیر ہی نہیں ایک خوش گفتار شاعر اور سوجھ بوجھ رکھنے والے تبصرہ نگار بھی ہیں ۔ جن لوگوں نے حیدرآباد ریڈیو سے ان کے تبصرے سنے ہیں وہ ان کی کشادہ نظری اور تنقیدی سوجھ بوجھ کے معترف ہیں ۔ اسی طرح جن لوگوں نے ان کی غزلیں سنیں ہیں وہ جانتے ہیں کہ اختر صاحب نے کلاسیکی رکھ رکھاؤ کو حرزِ جاں بنا رکھا ہے اور اپنی غزل میں غزل کی نغمگی کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں ڈاکٹر وزیر آغا، سلیم احمد، عاصی کرنالی، سجاد باقر رضوی، اقبال ساغر صدیقی اور جان کاشمیری کے مقالات خاص اہمیت کے حامل ہیں ۔

ماہنامہ تخلیق لاہور، مبصر سام لاہوری

تخاطب

حسین سحر ان شاعروں میں سے ہیں جو بدلتے وقت کے تقاضوں سے آگاہ ہوتے ہیں اور ان کی شاعری انہی سانچوں اور لہجوں میں ڈھلتی رہتی ہے ۔ گویا وہ ایک مقام پر رک نہیں جاتے ۔ ان پر جمود طاری نہیں ہوتا اور وہ اس زعم میں بھی نہیں رہتے کہ زمانہ پلٹ کر ان کی طرف دیکھے گا ۔ عصری شعور انہیں اس کرب سے آگاہ رکھتا ہے جس میں معاشرہ اور انسانیت مبتلا ہوتے ہیں ۔ مگر ان جیسے دھیمے لہجے کے شاعر کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے جذبوں کو نعرہ نہیں بناتے اور ان پر وقت کے فیشن کے مطابق کسی نظریے کی مہر بھی ثبت نہیں کرتے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی چھاپ کے بغیر شعر و ادب کے ہر حلقے میں یکساں مقبول ہیں ۔

حسین سحر کی شاعری کا سفر ربع صدی سے بھی زیادہ عرصے پر پھیلا ہوا ہے ۔ غزل کے علاوہ ان کے کئی نعت کے مجموعے بھی چھپ چکے ہیں اور وہ ملتان سے اہل قلم کے نام سے ایک معیاری ادبی رسالہ بھی جاری رکھے ہوئے ہیں ۔ تخاطب ان کا پہلا مجموعہ کلام ہے اور اس میں

وقت کے آشوب اور ذات کے کرب کا بہت خوب صورت امتزاج ہے ۔ ان کی غزل جہاں کلاسیکی روایات کی امین ہے وہیں سوچوں میں ندرت اور جدت بھی ہے یہ شعر ملاحظہ کریں ۔

تمام شہر ہے خاموش جاگتا ہوں میں
اندھیری رات میں جلتا ہوا دیا ہوں میں

نظر کو خیرہ کیا اس قدر شعاعوں نے
کہ ہم نے چاند کی رنگت بھی سرمئی دیکھی
جس سے شب کی تاریکی کچھ اور بڑھے
اس جگنو کو صبح کا تارا مت کہنا

تغزل کے حوالے سے رومانوی خیالات کا پرتو بھی ملتا ہے اور وصل اور ارسائی کی کیفیات کا اظہار بھی جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔

''روزنامہ امروز'' مبصر اظہر جاوید

تقدیس

حسین سحر ملتان کے ممتاز اہل قلم اور معروف دانش ور ہیں ۔ وہ ماہر تعلیم بھی ہیں، لیکن انہوں نے اپنا مشغلہ محض درس و تدریس تک محدود نہیں رکھا بلکہ شعر و ادب کی ہر صنف میں انہوں نے اپنی تخلیقات پیش کی ہیں ۔ غزل ہو یا نظم، نعت ہو یا منقبت، افسانہ ہو یا خاکہ انشائیہ ہو یا تبصرہ، مقالہ ہو یا تنقید غرضِ کہ انہوں نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے حتیٰ کہ بچوں کے لئے بھی نظمیں لکھی ہیں جو دلچسپ اور سبق آموز ہیں ۔ جناب عاصی کرنالی نے ''پیش حرف'' میں لکھا ہے کہ میرا یہ ادبی عقیدہ ہے کہ تمام اصناف سخن شعری مشق کے بل پر معرض وجود میں آسکتی ہیں ۔ لیکن نعت صرف عشق کے بطن سے ظہور کرتی ہے اگر انسان کا سراپا آتشِ عشق سے گزرا نہ ہو تو نعت وجود ہی میں نہیں آسکتی ۔ یہ کسی رسم و رواج کی تکمیل نہیں ۔ نعت سوچ سے اظہار تک صادق جذبوں کا ایک چراغاں ہے جس کی حرارت اور شعلگی کی اصل عشق اور صرف عشق ہے'' نعت نگاری میں

''کچھ ادھر کا اشارہ' لازمی ہے ورنہ بات نہیں بنتی اور نعت نعت نہیں ہو سکتی۔
حسن سحر خوش نصیب ہیں کہ ان کے نعتوں میں بھی ''کچھ ادھر کا بھی اشارہ موجود ہے''

مرے دل میں ہے شمع عشق روشن
مجھے کیا واسطہ تاریکیوں سے
مرے نزدیک آ سکتی نہیں تاریکیاں غم کی
مرا سینہ چراغ عشق احمدؐ سے فروزاں ہے

اسی طرح جب تک نبی اکرم ﷺ کا قرب اور وسیلہ حاصل نہ ہو خدا تک رسائی اور اس کی معرفت بھی ممکن نہیں، سعدی ہو یا جامی، غالب ہو یا اقبال، سبھی تقرب الٰہی کی بنیاد معرفت رسول کو قرار دیتے ہیں۔ حسین سحر نے بھی اسی زینہ اور ذریعہ کا اعتراف کیا ہے۔

جب ان کو دیکھا تو ہم نے خدا کو پہچانا
خدائے پاک کا دیدار ہے حضور کی ذات

حسین سحر نے نعت سے سیرت نگاری کا کام بھی لیا ہے انہوں نے نعت کو سرور کائنات کے محاسن فضائل اور اخلاق و کردار کی تجلیات بیان کرنے کا وسیلہ بنایا ہے۔ اسی طرح انہوں نے مسلمانوں کی اخلاقی تربیت کا فریضہ بھی سرانجام دیا ہے۔

زیست محروم کرم تھی کتنی
آپؐ کی شانِ عطا سے پہلے
آگہی، علم، شعور و عرفاں
کچھ نہ تھا نور ہدیٰ سے پہلے
ہر طرف پھیلی ہوئی ہے اب بھی
آپؐ کے دست کرم کی خوشبو

حسین سحر کے نعتیہ اشعار میں علامہ اقبال کا رنگ اور مفاہیم موجود ہیں۔ غرضیکہ حسین سحر نے نعت کو محض حضور اکرمؐ کے سراپا کے بیان تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ ان کی تعلیمات اور اس کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والے فوائد اور برکات و حسنات کو بھی موضوع سخن بنایا ہے اور یہی وہ کام ہے جو

عصر حاضر کی اشد ضرورت ہے۔ نعت نگاری کو زندہ رہنا ہے تو اس میں نئے مضامین اور نئے مفاہیم کو داخل کرنا ہوگا اور عصر حاضر کے نعت نگاروں نے جن میں حفیظ تائب، عارف، عبدالمتین، حافظ لدھیانوی، بے چین رجپوری بدایونی نظیر لدھیانوی منیر قصوری راجا رشید محمود شامل ہیں۔ نعت کی صف کو بہت وسعت دی ہے اور اس میں دور جدید کے مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اگر انسانیت فوز و فلاح چاہتی ہے تو وہ اسوہ رسول مقبول پر عمل کر کے تمام جسمانی و روحانی اور قومی و بین الاقوامی مسائل سے نجات پا سکتی ہے۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

حسین سحر کی نعت گوئی میں نئے مضامین و مفاہیم بھی موجود ہیں۔ ندا ت اور جدت بھی ہے علم و شعور کی آگہی بھی۔

(روزنامہ امروز لاہور، مبصر:۔ سعید بدر)

تطہیر

زیر نظر کتاب معروف شاعر اور ادیب، ممتاز ماہر تعلیم حسین سحر کے مناقب و سلام پر مشتمل ہے۔ اس سے قبل تقدیس کے عنوان سے ان کا نعتیہ مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

''پیش حرف'' اسداد یب نے لکھا ہے جو ممتاز ادیب ہیں وہ اپنے مقدمے میں لکھتے ہیں۔

''حسین سحر اس دور کے ان ممتاز شعرا میں سے ہیں جنہوں نے مختلف اصناف سخن پر مکمل دسترس حاصل کی ہے۔ غزل نظم، نعت، قصیدہ کی مختلف اور متنوع ہیئتوں میں نئے نئے تجربے کئے ہیں لیکن سن و سال کی اس پختہ کاری کے دوران اب جب کہ وہ نصف صدی کا کامیاب سفر کر چکے ہیں۔ خانوادۂ اہل بیت کی مدح و تذکار میں ''تطہیر'' کے سلام و مناقب سامنے لا رہے ہیں''

''یہ سلام اس روایت کا حصہ ضرور ہیں جو روایت ہمارے صدیوں پرانے احساسات سے عبارت ہے مگر اس میں اظہار خیال کی ایسی تازگی ہے جس کی ایک ایک رگ معانی اور رشتہ انفاس میں نئے زمانے کی خوشبو رچی ہے۔ یہ سلام معنوی قرینوں اور تفکر کے لحاظ سے اردو میں بیسویں صدی کے

شعری ارتقا کا مکمل مظہر ہیں"

حسین سحر نے زیرِ نظر "تطہیر" میں سلام و مناقبت کے سلسلہ میں نئے شعری تجربے بھی کئے ہیں۔ رباعی، قطعے اور مسدس بند کے مقابلے میں انہوں نے ثلاثی کی تشکیل کی ہے لیکن چوتھا مصرعہ ترکیب بند کے طور پر استعمال کیا ہے۔

آپ قرآنِ ناطق کی تصویر ہیں
آپ نہج البلاغہ کی تحریر ہیں!
آپ دروازہ شہر علم نبیؐ
یا علیؑ، یا علیؑ یا علیؑ یا علیؑ

اسی طرح انہوں نے "حسینی بائیکوز" کی نئی اصطلاع کے تحت لکھا ہے۔

آگہی کی علامت زندہ،
استعارہ ہے عشق محکم کا
کربلا درس گاہ ایمان ہے

انہوں نے نئے تجربات میں شعریت کو مجروح نہیں ہونے دیا بلکہ اسے مزید جاندار تابدار اور پر کشش بنا دیا ہے مزید براں حسین سحر نے غم زندگی کا مقابلہ کرنے کے لئے نورِ حسین سے درس حکمت لیا ہے۔

غم نہیں ہے جو مصائب ہیں مری رہ میں سحر
راہ برماتا ہوں حق کے پرستاروں کو

مختلف مقامات پر انہوں نے تاریخی حوالوں اور استعاروں کو بڑی خوبصورتی سے استعمال کیا ہے اور حسین ابن علی کے سانحہ کربلا کو حضرت ابراہیم خلیل اور حضرت اسماعیل ذبیح کے تناظر میں دیکھا ہے اس طرح ایمان و ایقان اور عرفان و آگہی کے سلسلہ کی تصویر واضح ہو کر سامنے آ گئی ہے وہ کہتے ہیں۔

فدیہ ذی شان اسماعیل تو!
ہے شعاعِ فکر کی قندیل تو!
صبر کی ہے ساختہ تمثیل تو

منزل عرفان کا سنگ میل تو

اے حسین ابن علی تجھ پر سلام مزید براں حسین سحر نے اپنے سلام و مناقبت کی زمینوں کا انتخاب خود کیا ہے ان کے قوافی اور ردیفیں طبع زاد ہیں ان کے ذاتی عقیدے کی آتش پنہاں نے ان سلام و مناقب میں سوز و گداذ کے ساتھ ساتھ فکر و فن کے جمالیاتی عنصر کو نکھارا اور سنوار کر پیش کیا ہے۔

(روزنامہ امروز لاہور، مبصر:۔ سعید بدر)

تجلی:

حسین سحر نے اپنے شعری کمالات سے ایک طویل عرصے تک ادب پسندوں کو مبہوت کئے رکھا ہے۔ وہ پچھلے کئی برس سے ریاض (سعودی عرب) میں مقیم ہیں۔ لیکن ان کے فن کی خوشبو ہمیں یہاں بھی محسوس ہوتی ہے۔ حسن سحر بارہ تیرہ سال کی عمر سے شعر کہہ رہے ہیں ایک مذہبی گھرانے کے فرد ہونے کے باعث انہوں نے نعت و منقبت و سلام سے اپنے شعری سفر کا آغاز کیا تھا۔ ان کے مختلف مجموعوں کی اشاعت کے بعد تازہ ترین مجموعہ تجلی ہے۔

تجلی میں پانچ حمدیہ نظموں، 34 نعتوں، 10 منقبتوں اور 17 سلاموں پر مشتمل۔ دینی شاعری کا مجموعہ ہے۔ حسین سحر، حمد میں ایک شکر گزار بندہ خدا، نعت میں ایک عاشق رسول ﷺ، منقبت میں محب اہل بیت اور سلام میں امام عالی مقام حسین علیہ السلام کا ایک مداح خواں نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری کا بنیادی موضوع بھی دراصل توحید و رسالت و امامت ہے۔

یہ درست ہے کہ پچھلے بیس برسوں میں نعت گوئی پر خصوصی توجہ دی گئی ہے اور ملتان میں یہ صنف زیادہ پھلی پھولی ہے ہمیں اس کے پس منظر میں حسین سحر کی ذات بڑی فعال و متحرک نظر آتی ہے۔ حسین سحر کی دینی شاعری عقیدت اور احترام کے ساتھ ساتھ پاک اور مطہر جذبات کا آئینہ بھی ہے اسے ہم معمول سے بڑھ کر سمجھنے پر مجبور ہیں کیونکہ اس میں شاعر اپنی تمام تر حسیات و توجہات کے ساتھ شامل ہے اور جو کچھ کہتا ہے وہ اس کے عقیدے کا اظہار ہے۔ تجلی کی شاعری اپنے نام کی مناسبت سے روشن ہے، آنے والے دنوں میں اس کا اجالا دور دور تک پھیلے گا۔ اور اس شاعری میں

پیش کیے گئے جذبے پڑھنے والوں کے دلوں میں بھی آباد ہو جائیں گے۔

صحرا میں گلاب

مرتب: حسین سحر، شمشاد علی صدیقی، سجاد ظہیر

ناشر: پاکستان رائٹرز فورم۔ ریاض

''صحرا میں گلاب'' سعودی عرب میں مقیم ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات کا دس سالہ نمائندہ خطاب ہے۔ میری رائے میں یہ صحرا میں گلاب نہیں بلکہ گلستان کا گلاب ہے، کیونکہ سعودی عرب، خلیجی ریاستوں اور بعض دوسرے ممالک نے دیکھتے ہی دیکھتے اردو کے گلستان کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ یہ مجموعہ سات اجزاء پر مشتمل ہے۔ جس میں دین و وطن، مضامین، نظمیں، افسانے، غزلیں، طنز و مزاح اور پنجابی نظم و نثر کا انتخاب شامل ہے۔

''صحرا میں گلاب'' معتبر اور معروف لکھنے والوں کی تخلیقات کے ساتھ ساتھ نئے ناموں پر بھی مشتمل ہے لیکن جو بات قابل ذکر ہے وہ ان سب لکھنے والوں کی وطن دوستی، پاک وطن کی سوندھی مٹی سے محبت اور اپنی ثقافت کا بھرپور اظہار ہے۔ پاکستان کے یہ غیر سرکاری سفیر اپنی تخلیقات کے ذریعے سے بڑی بھرپور ادبی اور ثقافتی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر اسلم فرخی ''رابطہ'' کراچی

ستارہ و ہلال

حسین سحر معروف شاعر اور نثر نگار ہیں۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں لکھتے ہیں۔ حمد، نعت، مناقب، سلام، غزلوں اور بچوں کے لیے نظموں کے متعدد مجموعے شائع کر چکے ہیں۔ ان کے بعض مجموعوں پر قومی اداروں کی جانب سے انعام بھی دیئے گئے ہیں۔ ستارہ و ہلال، حسین سحر کی قومی اور ملی نظموں کا مجموعہ ہے۔ یہ ساری نظمیں جوش، جذبے، محبت اور خلوص میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ انداز بیان سادہ اور پراثر ہے۔ ان نظموں کے مطالعے سے قاری کے دل میں وطن اور اکابر وطن کی محبت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے حسین سحر نے ملت اسلامیہ کے حوالے سے بھی پراثر نظمیں لکھی

ہیں۔ فلسطین، صحرائے عرب، ایران اور جنگ خلیج کے بارے میں ان کی نظمیں قابل قدر ہیں۔ ستارہ و ہلال کے بارے میں ڈاکٹر عاصی کرنالی نے لکھا ہے کہ یہ مجموعہ ایک پیکر جمال ہے اور بقدر ذوق ہم اس سے اثر پذیر ہو سکتے ہیں۔ میری رائے میں یہ 'ستارہ و ہلال' پر بہترین تبصرہ ہے۔

ڈاکٹر اسلم فرخی ''رابطہ'' کراچی

پھلکاری

اردو زبان میں پاکستان کی دوسری زبانوں کے تراجم کا سلسلہ شروع سے چلا آ رہا ہے اور اس میدان میں بہت سے ادیبوں شاعروں نے کام کیا ہے۔ پنجابی، سرائیکی، پشتو، بلوچی، سندھی، کشمیری وغیرہ کئی زبانوں کے ادب کے تراجم ہوتے آ رہے ہیں، جن میں شاعری کے ساتھ ساتھ نثری تخلیقات بھی ہیں۔ ان تراجم میں کلاسیکی ادب کے علاوہ جدید عہد کی تخلیقات بھی شامل ہیں۔ پیش نظر کتاب ''پھلکاری'' بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ حسین سحر نثر و نظم میں جانا پہچانا نام ہے، اپنی اس کتاب میں انہوں نے پنجاب اور سرائیکی ادب پاروں کو اردو میں منتقل کیا ہے۔ اس میں ایک سو اہل قلم کی تخلیقات شامل ہیں جن میں 84 شعراء اور 16 افسانہ نگار شریک ہیں۔ مترجم نے بتایا ہے کہ یہ تراجم انہوں نے گزشتہ پچاس برس کے عرصہ میں کیے ہیں۔ جہاں تک ترجمے کا تعلق ہے، ظاہر ہے اصل تو اصل ہی ہوتی ہے تاہم حسین سحر کے تراجم قابل تعریف ہیں۔ آخر میں یہ بھی جان لیں کہ کتاب کا نام ''پھلکاری'' ہے اور پھلکاری پنجابی زبان میں وہ چادر نما دوپٹہ ہوتا ہے جس پر رنگارنگ اور طرح طرح کے پھول کڑھے ہوتے ہیں اور مترجم نے پھول بوٹوں کی نسبت سے مختلف زبانوں کے تراجم کو یہ نام دیا ہے۔

روزنامہ ''جنگ کراچی'' مبصر: شفیع عقیل

فانوس حرم

پروفیسر حسین سحر ادیب بھی ہیں اور شاعر بھی ہیں۔ اردو میں بھی لکھتے ہیں اور پنجاب زبان کو بھی ذریعہ اظہار بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے بعض دیگر زبانوں کے اردو میں

تراجم بھی کیے ہیں اور میں انہیں اس زمانے سے پہچانتا ہوں جب وہ بچوں کے لیے سحر رومانی کے نام سے نظمیں لکھا کرتے تھے۔ یہ 1960ء کی دہائی کا ابتدائی زمانہ تھا اور میں ماہنامہ ''بھائی جان'' کا ایڈیٹر تھا جو ادارہ ''جنگ'' کی طرف سے شائع ہوتا تھا۔ ''فانوس حرم'' حسین سحر کا غالباً ساتواں مجموعہ ہے۔ جس میں نعتیہ اور حمدیہ کلام شامل ہیں۔ ایک بات میں متعدد بار لکھ چکا ہوں کہ حمدیہ اور نعتیہ کلام کسی تنقید وتبصرے کا محتاج نہیں ہوتا کیوں کہ یہ تو محبت وعقیدت کا اظہار ہوتا ہے جس پر تبصرے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

روزنامہ ''جنگ کراچی'' مبصر: شفیع عقیل

پھول اور تارے

بچوں کے لئے اور بچوں کی سطح پر آ کر لکھنا بظاہر ایک آسان لیکن اصل میں نہایت ذمہ داری اور تجربے اور مہارت کا کام ہے۔ کیونکہ بچہ ہر نصابی کتاب کے علاوہ دوسری عام مطالعے کی تمام کتابیں اور رسائل محض رضا کارانہ طور پر اور بے جبر پڑھتا ہے اور پڑھنا چاہتا ہے لیکن اگر بچوں کی عام مطالعے کی کتابوں میں بھی نصابی کتابوں کی طرح ہی لفظی اور معنوی جبر ہو تو بچے ایسی کتابوں کو بالکل نہیں پڑھتے۔ لیکن نظم ونثر کے جو شاعر اور مصنف بچوں کو خیالات میں نہ تو کسی جبر کا شکار کرتے ہیں اور نہ بچوں پر ہمیشہ نصیحتوں کے ڈونگرے برساتے ہیں۔ وہی ہمیشہ بچوں میں مقبول ہوتے ہیں جناب حسین سحر صاحب بھی بچوں کے ایسے ہی شاعر ہیں کہ وہ بچوں کے زیادہ قریب ہو کر اور بالکل بچوں کے قریب کی بات کرتے ہیں، پھول اور تارے حسین سحر صاحب کا بچوں کیلئے قریباً ساٹھ نظموں کا ایک پھولوں اور تاروں بھرا خوب صورت مجموعہ ہے۔

ماہنامہ ''کتاب'' لاہور۔۔ندیم ظفر

فرقان عظیم

تبصرہ نگار:.....خالد یزدانی

فرقان عظیم، قرآن کریم کے مطالب ومفاہیم کو اردو میں منظوم پروفیسر حسین سحر نے کیا

ہے۔ حسین سحر کا نام علم وادب کی دنیا میں محتاج تعارف نہیں۔ وہ محکمہ تعلیم میں تیس سال ملازمت کے بعد سعودی عرب چلے گئے تھے۔ وہ عرض مترجم کے عنوان سے رقم طراز ہیں ''میں نے جب علوم اسلامیہ میں ایم اے کرنے کا ارادہ کیا تو اس عظیم الہامی کتاب کے مطالعے میں میری دلچسپی اور بڑھ گئی۔ اس دوران مختلف تراجم اور تفاسیر کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا ترجمہ بھی ہونا چاہیے جس میں تمام اہم مکاتب فکر کے تراجم کی خصوصیات موجود ہوں چنانچہ اس کاوش کا بنیادی محرک بھی یہی احساس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات کا نثر میں ترجمہ بھی مشکل ہے چہ جائے کہ نظم میں اسے بیان کیا جائے اور اس کے مفہوم کی ترجمانی کسی حد تک ممکن ضرور ہے''۔ زیر نظر فرقان عظیم میں حسین سحر نے بھی حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ زبان سلیس، عام فہم اور رواں ہو اور اس میں وہ کامیاب رہے ہیں اور قرآن کے الہامی پیغام کی ہر سورہ کے ترجمے میں ایک تسلسل اور روانی دکھائی دیتی ہے۔ یہی مترجم کے فن کا کمال ہے اسے کتاب نگر حسن آرکیڈ ملتان سے منگوایا جا سکتا ہے۔

بشکریہ روزنامہ نوائے وقت

تحسین اور کتب نما

1997ء میں شائع ہونے والی تنقیدی مضامین پر مشتمل ان دونوں کتابوں کے مصنف پروفیسر حسین سحر ہیں۔ جن کا نام اردو ادب کے کسی بھی قاری کیلئے نا آشنا نہیں۔ انہوں نے عمر عزیز کی کئی دہائیاں تدریسی سرگرمیوں کی مصوفیات کے باوجود مسلسل تخلیقی ادبی سرگرمیوں کی نذر کیں اب کہ وہ تدریسی منصب سے سبکدوش ہو چکے ہیں یقیناً ان کی ادبی خدمات کا سلسلہ وسعت اختیار کریگا اب تک وہ کئی شعری ونثری کتابوں کے مصنف کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں اپنا ایک منفرد مقام بنا چکے ہیں اور ان دنوں وہ مدینہ الریاض، سعودی عرب میں قیام پذیر ہیں بلا شبہ ان کا یہاں قیام سعودی عرب کے اردو ادبی حلقوں کیلئے ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ ملتان میں قیام کے دوران پروفیسر حسین سحر ''اہل قل'' کے نام سے ایک ممتاز اور معتبر ادبی جریدہ بھی نکالتے

رہے ہیں جسے پاکستان اور ہندوستان کے اہل قلم کے علاوہ بیرون ملک ادبی حلقوں اور شخصیات کا بھرپور تعاون بھی میسر تھا اور جس نے معیاری ادبی تخلیقات شائع کر کے بڑی مقبولیت پائی تھی۔

زیر نظر کتابیں ''تحسین'' اور ''کتب نما'' پروفیسر حسین سحر کے ان ادبی مضامین کے دو مجموعے ہیں جو انہوں نے وقتاً فوقتاً مختلف کتابوں یا موضوعات پر لکھے اور جو ادبی جریدوں بالخصوص ''اہل قلم'' میں شائع ہوئے۔ کتابوں پر تبصرہ جس سنجیدگی، مطالعے کی گہرائی اور موضوع پر گرفت کا تقاضا کرتا ہے اس کا اندازہ مصنف کی ان دونوں کتابوں کے مضامین کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ادبی تخلیقات کے حوالے سے ان مضامین کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ جیسا کہ ان دونوں کتابوں کے عنوانات ''تحسین'' اور ''کتب نما'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان مضامین کا مقصد لکھنے والوں کی دل شکنی یا ان پر بے جا تنقید و تنقیص نہیں ہے۔ مصنف نے ان کے ذریعے صرف اچھے ادب کی جانب قاری کی رہنمائی کی ہے جن کتابوں پر مضامین لکھے گئے ہیں وہ بھی مکانی یا زمانی طور پر کسی ایک صنف ادب یا ادیبوں کے کسی ایک گروہ تک محدود نہیں اور ان مضامین کا مطالعہ کرنے سے جہاں کتابوں کے مندرجات کا پتہ چلتا ہے وہاں پر وفیسر حسین سحر کے کثیر الجہتی مطالعہ اور غیر جانبداری کا اعتراف بھی کرنا پڑتا ہے۔

''تحسین'' میں شامل زیادہ تر مضامین شاعری کے مجموعوں کے حوالے سے لکھے گئے ہیں اور ان میں جن اصناف ادب پر تنقید کرتے ہوئے خود مصنف کی رائے بھی سامنے آتی ہے ان میں حمد و نعت، نظم، غزل، قومی و ملی شاعری، ہائیکو کے علاوہ ایک مضمون اردو میں بچوں کے ادب کے حوالے سے ہے۔ تین مضامین علامہ اقبال کے بارے میں ایک اور مضمون پنجابی اور سرائیکی ادب میں مرثیہ کے عنوان پر ہے۔ اس کتاب میں اردو، پنجابی، سرائیکی ادیبوں کی ادبی خدمات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جبکہ زمانی لحاظ سے میر انیس، خواجہ فرید، علامہ اقبال سے لیکر عصر حاضر کے شعراء تک کا احاطہ کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال کے چند اشعار کی تشریح پر مشتمل مضمون خاص طور پر مصنف کی صحت فکر اور فنی بصیرت کا ثبوت دیتا ہے۔

''کتب نما'' میں شامل تمام مضامین مختلف موضوعات پر شائع ہونے والی کتابوں پر تبصرے پر

مشتمل ہیں اور اصناف ادب کے لحاظ سے اس میں دینی و ملی شاعری، سفرنامہ، افسانوی ادب، طنز و مزاح، تنقید، شاعری، تراجم، علاقائی ادب اور بچوں کا ادب کے ذیلی عنوانات کے ساتھ ان اصناف میں شائع ہونے والی کتابوں پر تبصرے یا مختصر مضامین شامل ہیں۔ پروفیسر حسین سحر نے کہیں بھی اختصار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا مگر کسی بھی تبصرے یا مضمون کو پڑھ کر تشنگی کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ اپنا مافی الضمیر واضح انداز میں ادا کرنے کا ہنر جانتے ہیں یہ ہنر طویل ادبی اور فنی ریاضت کے ساتھ ساتھ اخلاص و دیانتداری کی خصوصیات کی دین ہے۔

اردو نیوز۔ جدہ۔ مبصر: ۔نسیم سحر

شاعری عمومی تاثرات

ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی

حسین سحر صاحب کے مجموعۂ کلام کے نام سے ہی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ غزل کی ماہیت سے پوری طرح باخبر ہیں۔غزل کی مقبولیت کا بنیادی سبب ہی یہ ہے کہ اس میں شاعر کا رشتہ اپنی ذات' انسانوں' کائنات اور خود خالقِ کائنات سے نہیں ٹوٹتا۔شاعر ذرے سے خطاب بھی کرتا ہے اور اس کی گفتگو سنتا بھی ہے۔یہی نہیں وہ دلِ ذرہ میں خورشید کے لہو کی روانی کا بھی نظارہ کرتا ہے۔

حسین سحر کی غزل میں زندگی اور روایت کا تسلسل بھی ہے۔ان کی انفرادیت کا اظہار بھی' اور روایت کی توسیع بھی۔نئے مضامین یا پُرانے مضامین میں نئے پہلوؤں کو روایت کی توسیع کہنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے' مثلاً یہ شعر ملاحظہ ہو۔

رقص کرتے ہیں بگولے ہی بگولے چار سُو
خاک وہ اُڑنے لگی صحرا نظر آتا نہیں

نظر اور نظر کا اعتبار ہی آج کا بنیادی مسئلہ ہے۔ہم کہ فریبِ نظر کے دور میں زندہ ہیں اور یوں کہ ریت ہماری آنکھوں میں کھٹک رہی ہے۔ایسے دور میں جس اس مسئلے کا احساس اور ادراک ہو اُس کی آواز اور ذات سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔حسین سحر کی غزل اسی مسئلے کا شاعرانہ بیان ہے۔ جو آدمی مسائل کو ذہن کے ساتھ ساتھ دل کی فضا کا حصہ بنا دے وہ یقیناً شاعر ہے اور اچھا شاعر ہے۔ شاعری ہمارے پورے وجود کا بیان ہے جس میں ذہن اور دل دونوں شامل ہیں۔اور شاعری اس مرتبہ تک اُسی وقت پہنچتی ہے۔جب بصارت اور بصیرت دونوں ہم آغوش ہو جائیں۔

پروفیسر سحر انصاری

''تخاطب'' کی غزلیں میرے سامنے ہیں ۔ان کے مطالعے سے حُسین سحر کے تخلیقی مزاج اور شاعرانہ معیار کی پہچان ہوتی ہے۔حسین سحر ایک جانا پہچانا ادبی نام ہے ادبی رسالوں میں سحر کی تحریریں تواتر سے شائع ہوتی رہتی ہیں ۔لیکن جب کلام یکجا ہو کر شعری مجموعے کی صورت میں آتا ہے تو اس سے مجموعی طور پر لُطف اُٹھانے اور اس کی مختلف کیفیات کو سمجھنے کی راہ نکلتی ہے حسین سحر کا ''تخاطب'' اپنی ذات سے بھی ہے ۔اس کو جمالیاتی احساس سے ہمکنار کرنے والے وجود سے بھی ہے اور گردوپیش کے اس ماحول سے بھی جہاں دھوپ چھاؤں کے منظر زندگی کی بدلتی ہوئی اقدار کا پتا دیتے ہیں ۔حسین سحر نے ان مختلف کیفیات کو شاعری کا پیکر دے دیا ہے اور اپنی بات اپنے انداز میں کہنے کی سعی کی ہے۔سحر کے چند اشعار جو مجھے خصوصیت کے ساتھ پسند آئے یہ ہیں ۔

رقص کرتے ہیں بگولے ہی بگولے چار سُو
خاک وہ اُڑنے لگی صحرا نظر آتا نہیں

.....

جدھر سے گزریں جہاں جائیں سب نگر اُن کے
مسافر اپنی کوئی سرزمیں نہیں رکھتے
بصارتوں کے لئے چاہئے بصیرت بھی
یہی شعور مرے نکتہ چیں نہیں رکھتے

.....

کس نے دیکھی ہے لبوں کی خوشبو
کون سنتا ہے نظر کی آہٹ

.....

میں علامت ہوں اُجالوں کی سحر
میرے ماتھے پہ لکھا ہے سورج

.....

جب سفر کی گرد چھٹ جائے تو پھر یہ سوچنا
ہم تمہارے راستے میں نقشِ پا کیوں ہو گئے
اِک کرن آواز کی ڈوبی تھی دشتِ شام میں
شہر کے سارے دریچے بے صدا کیوں ہو گئے
اس حقیقت سے ہے واقف میرے دشمن کا ضمیر
خود بخود لب میرے مصروفِ دُعا کیوں ہو گئے
وہ جو سائے کی طرح ہمراہ تھے اپنے سحر
حادثوں کی دھوپ میں ہم سے جُدا کیوں ہو گئے
جہاں جاتا ہے میرا ذکر کرتا ہے وہ نفرت سے
یہ اس کی مہربانی ہے مجھے بھی ساتھ رکھتا ہے

''تخاطب'' میں ایسے پُراثر اشعار کی کمی نہیں ۔ان اشعار میں جذبے کی سچائی اور تجربے کی حرارت موجود ہے جسے زندگی کے بدلتے موسموں میں سانس لینے والے حساس انسان بہت قریب سے محسوس کر سکتے ہیں ۔حسین سحر اپنے اظہار میں کامیاب ہیں ۔اور ان کی شاعری اپنے عہد کے ساتھ چلنے کا حوصلہ بھی رکھتی ہے اور دوسروں کو اپنے ساتھ چلنے کا موقع بھی فراہم کرتی ہے۔ مجھے حسین سحر کا یہ شعری مجموعہ بہت پسند آیا۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

''تخاطب'' کو اور حسین سحر کے ''تخاطب'' کو جب کہ وہ نگارِ فن بن کر حرف و صوت کے خوب صورت پیکر میں' لب کشا ہو۔ اپنے مخاطب کے لئے ''فردوس گوش'' و سحر آفریں ہونا ہی چاہئے تھا۔ سو' وہ ہے۔ لیکن اس سے آگے بڑھ کر اس ''تخاطب'' میں انسان کے ذہن کو چونکانے۔ اس کے احساس کو جگانے' قوتِ فکر و تامل کو مہمیز کرنے اور گرد و پیش کی زندگی کو آئینہ تمثال بنانے کا جو ایک عنصر پوشیدہ ہے وہ حیرت انگیز ہے۔

''تخاطب'' کے جن گنے چنے اشعار سے میرا واسطہ رہا ان کی روشنی میں کہنا پڑتا ہے کہ ''تخاطب'' کے ایک ایک لفظ' ایک ایک مصرع اور ایک ایک شعر سے حسین سحر کی عصری آگہی' تخلیقی صلاحیت' فنکارانہ مہارت اور اپنے گرد و پیش کی زندگی سے سچی آشنائی اور پختہ وابستگی کا سُراغ ملتا ہے۔ یہ آشنائی و وابستگی بظاہر ایک فرد کی ذات سے ہم رشتہ ہے لیکن غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ذات کے دامن میں کائنات بھی بڑی حد تک سمٹ آئی ہے اگر ایسا نہ ہو تو شاید حسین سحر اس قسم کے اشعار نہ کہہ سکتے اور کہہ بھی سکتے تو میں کراچی کے خوں چکاں ماحول میں بیٹھ کر ان اشعار کی داد دینے پر خود کو مجبور نہ پاتا۔ دو چار شعر آپ بھی سن لیجئے۔

بجھتا ہوا دیا یہ سزا دے گیا مجھے
میں شعلۂ جنوں تھا ہوا دے گیا مجھے
میرے لئے تو سانس بھی لینا محال ہے
یہ کون زندگی کی دُعا دے گیا مجھے

.....

گنبدِ شب کا کوئی در' وا نظر آتا نہیں
آسماں پر ایک بھی تارا نظر آتا نہیں

رقص کرتے ہیں بگولے ہی بگولے چار سُو
خاک وہ اُڑنے لگی صحرا نظر آتا نہیں

.....

پتھر کا اُسے نقش بنا کیوں نہیں دیتے
اس دل کو دھڑکنے کی سزا کیوں نہیں دیتے
ہر سمت ہیں نفرت کے اندھیرے ہی اندھیرے
اِک شمع محبت کی جلا کیوں نہیں دیتے

.....

دیکھتے ہی دیکھتے نا آشنا کیوں ہو گئے
وہ جو نزدیک رگِ جاں تھے جُدا کیوں ہو گئے؟
سوچتا ہوں قربتوں کا کیا یہی انجام تھا
زندگی کے رَس بھرے لمحے سزا کیوں ہو گئے؟

حسین سحر اپنی تلاش میں

پروفیسر مشکور حسین یاد

مجھ سے اکثر انٹرویو لینے والے پوچھتے ہیں۔ مشکور آپ اردو کے بڑے بڑے شعرا مثلاً میر تقی میر، غالب اقبال فیض وغیرہم میں سے کس سے زیادہ متاثر ہیں، یا ان میں سے کوئی شاعر آپ کو زیادہ پسند ہے۔ اس کا جواب میں سب کو ایک ہی دیا کرتا ہوں کہ میں اردو کے ہر اچھے اور بڑے شاعر سے متاثر ہوتا ہوں۔ اور جب مجھ سے پوچھنے والا یہ پوچھتا ہے کہ آپ کی تخلیقات ادب یعنی شاعری اور نثر پر کسی اہل قلم کا اثر نمایاں ہے تو میں جواب میں کہتا ہوں کہ میں چاہتا تو یہ ہوں کہ میری نظم ونثر پر میرے سوا کسی کا اثر نہ ہو لیکن لاشعوری طور پر ہو سکتا ہے کہ ہر بڑے شاعر ونثر نگار کا اثر میری تحریروں میں موجود ہو۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میں بہ حیثیت صاحب قلم اپنی تلاش میں مسلسل لگا ہوا ہوں۔

حسین سحر کی تحریروں سے صاف پتا چلتا ہے کہ انہوں نے اپنے طور پر اپنے آپ کو پا لیا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ مجھے اپنی طرح اپنی تلاش میں سرگرداں نظر نہیں آتے۔ ہر لکھنے والا خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا سب سے پہلے اپنی تلاش میں شعوری یا لاشعوری طور پر نکلتا ہے۔ بہت سے لکھنے والے اپنے آپ کو جلدی پا لیتے ہیں۔ بہت سے مجھ ایسے اہل قلم اپنی تلاش میں مسلسل لگے رہتے ہیں اور ان کی تلاش کا یہ عمل جاری رہتا ہے۔

حسین سحر صاحب کی میں نے غزلیں بھی پڑھی ہیں۔ مناقب کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ ان کی حمد ونعت بھی میرے زیر مطالعہ رہی ہیں اور سب سے بڑھ کر انہوں نے جو ایک کاوش یہ کی ہے کہ قرآن پاک کا مفہوم لوگوں کی سمجھ میں آجائے ایک الگ نوعیت کی کوشش ہے۔ حسین سحر نے یہ نہیں دعوی کیا کہ انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ کیا ہے بلکہ واضح طور پر یہ بتایا ہے کہ موصوف نے قرآن پاک زبان اردو کے ذریعے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے ورنہ آپ جانتے ہیں۔ ترجمہ ویسے ہی مشکل کام ہے اور قرآن پاک کے ترجمے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ترجمہ کے بارے میں ایک معیار یہ ہے کہ

ترجمہ اصل عبارت سے نہ اونچا ہونا چاہئے اور نہ نیچا۔ قرآن پاک کے ضمن میں یہ بات ممکن ہی نہیں ہے۔ گویا قرآن پاک کے ترجمے کا دعوئی کرنا سراسر ایک غلط بات ہے۔ اس لئے حسین سحر اس منزل سے بھی نہایت خوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے ہیں۔

اسی طرح وہ غزلیں مناقب اور حمد ونعت بھی اپنے انداز سے کہتے ہیں۔ لاشعوری طور پر آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی شاعری پر بڑے شعرا کا اثر ہو لیکن بغور دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے۔ حسین سحر اس معاملے میں بھی بہادر اہل قلم میں سے نکلے کہ اپنے کلام میں وہ خود بولتے محسوس ہوتے ہیں۔ آپ ان کی شاعری کے بارے میں ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ موصوف کی فلاں غزل یا فلاں حمد اور فلاں نعت یا منقبت فلاں بڑے شاعر سے متاثر ہو کر کہی گئی ہے۔

حسین سحر کی جیسی غزل ہے ان کی اپنی ہے۔ حسین سحر کی جیسی حمد ہے ان کی اپنے انداز کی حمد ونعت ہے۔

میں نمونے کے طور پر جیسا کہ عموماً تبصرہ نگار کرتے ہیں۔ حسین سحر کا کوئی شعر پیش نہیں کر رہا جو کچھ عرض کیا ہے وہ حسین سحر صاحب کا کلام پڑھ کر۔ خود فیصلہ کیجئے کہ میں نے کہاں تک سچی بات کہی ہے۔

جس حسین سحر سے آپ عام زندگی میں ملتے ہیں۔ ان کی شاعری بھی آپ کو ان سے متعارف کرائے گی۔ یہ ایک الگ بحث کہ آپ حسین سحر کی شاعر سے کس طرح متاثر ہوتے ہیں کیونکہ قاری سے بڑھ کر کسی شاعری کے متن کا دوسرا کوئی نقاد نہیں ہو سکتا۔ اس نے آپ حسین سحر کی شاعری کا مطالعہ کیجئے۔ میری آپ سے یہی درخواست ہے تا کہ آپ کو معلوم ہو کہ حسین سحر نے خود کو کہاں تک تلاش کیا ہے۔

حسین سحر کا شعری رنگ

ڈاکٹر عاصی کرنالی

ایک موسم خزاں کا ہے ایک بہار کا ان دو موسموں سے زندگی نے دو رویے پیدا کئے ایک رویہ ہے بہار کے بعد خزاں آئے گی دوسرا یہ ہے خزاں کے بعد بہار آئے گی پہلے کا نام ہے یاسیت دوسرے کا امید پرستی' اسی طرح اندھیرا اور اجالا یا رات اور صبح اسی طرح فراق اور وصال اسی طرح غم اور مسرت اب یہ زندگی کے سفر کا رخ ہے کہ وہ اندھیرے سے اجالے کی طرف پیش رفت کرتی ہے یا اجالے سے اندھیرے کی جانب پسپائی اختیار کرتی ہے اس کی پیش قدمی مسرت کی جانب ہے یا اس کی مراجعت غم کی سمت وہ فراق کے نقطے پر جامد ہو جاتی ہے یا وصال کی فضاؤں میں متحرک ہوتی ہے زندگی تاریک بین یا روشنی دوست' منفی روش رکھتی ہے یا مثبت' کسی شاعر کی تخلیقات بھی انہی دو رویوں میں سے ایک رویے کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔

آیئے حسین سحر کی غزلیات میں ان کے رویے کا سراغ لگائیں حسین سحر خزاں کو ایک موسم ضرور سمجھتے ہیں اور اس میں چند لمحے بسر بھی کرتے ہیں لیکن اس پڑاؤ میں خیمہ زن نہیں ہوتے خزاں کے اس لمحاتی قیام کے فوراً بعد ان کا سفر منزل بہار کی جانب شروع ہو جاتا ہے وہ اس منزل پر سکونت اختیار کرتے ہیں کبھی کبھار ذرا ذائقہ بدلنے کے لئے وہ موسم خزاں کو محض چھونے کی خاطر ادھر آ نکلتے ہیں لیکن ان کے سفر کا تسلسل بلکہ دوام بہار ہی کے رخ رہتا ہے جب خزاں کو چھونے آتے ہیں تو دل بہار ہی میں پڑا رہتا ہے اور اضطراراً کہتے ہیں۔

اس قدر عام ہوا حبس ہوا۔ چپ ہے خوشبو کے نگر کی آہٹ

اس حالت اضطرار میں بھی ذہن میں بہار کی فضا آباد ہے۔

نصیب آج ہیں کانٹے اگر تو کیا غم ہے
نئی رتوں کے شگفتہ گلاب میرے ہیں

اور پھر نئی رت کے شگفتہ گلابوں کی جانب تیز رفتاری سے سفر کا آغاز کر دیتے ہیں حسین سحر کا یہی معاملہ فراق و وصال کے سلسلے میں ہے فراق کے مرحلے سے گزرتے ہیں تاکہ تغزل کے لئے جو گداز شرط ہے وہ قلب میں پیدا ہو جائے لیکن ذہن کو فراق کا روگ نہیں لگاتے بلکہ خیال محبوب سے ذہن کا اٹکاؤ رکھتے ہیں جو شخص ہجر میں بھی خیالی وصل میں گم رہتا ہو ہجر اس کی صحت کا کیا بگاڑ لے گا اور اس عاشق کے تر و تازہ اور حسین و جمیل چہرے کی تر و تازگی میں کیا کمی آئے گی آپ میرے اس جملے کی توثیق کے لئے حسین سحر کے حسن اور صحت کے معیار کو دیکھ سکتے ہیں۔ لمحات ہجر میں ان کا شعر۔

خیال اس کا دل ناشاد رکھنا
گھر اس کی یاد سے آباد رکھنا

جیسے کوئی انگلی پکڑ کر کلائی پر پوری گرفت حاصل کر لیتا ہے اسی طرح حسین سحر محبوب کے خیال سے جست لگا کر پہلے اس کی آنکھوں تک پہنچتے ہیں پھر اس کے پورے چہرے پر قبضہ کر لیتے ہیں اور اس طرح وصال کی منزل پر متمکن ہو جاتے ہیں دو اشعار حاضر ہیں۔

اب میں ہر مرحلہ غم سے گزر جاؤں گا
مل گیا آپ کی آنکھوں کا اشارا مجھ کو

ترے چہرے کا اک اک نقش دنیائے معانی ہے
پڑھوں گا میں یہ سربستہ کتاب آہستہ آہستہ

غم اور مسرت کے ساتھ بھی ان کا یہی رویہ ہے غم کا ہجوم ان کے راستے میں آتا ہے لیکن وہ کیونکہ منزل مسرت کی جانب رواں ہیں اس لئے ٹھہرتے ہیں اور غم کو ایک قافلے کے طور پر قبول کرتے ہیں اور پھر اس قافلے کو پیچھے چھوڑ کر خود مسرت کی منزل پر پرچم گاڑ دیتے ہیں۔

اک کاروان درد و الم ساتھ ہے سحر
کہنے کو یوں تو دل میرا تنہا سفر میں ہے

کبھی وہ درد و الم کو سیلاب قرار دیتے ہیں یعنی وہی سیلاب غم کو تیزی سے گزار کر پرسکون

ہو جانے کا رویہ!!

آ ہی جانے کا سکوں پر یہ لہو کا دریا
درد سیلاب کی مانند گزر جائے گا

اور نشاط و مسرت سے اپنے دائمی تعلق کا اقرار وہ یوں کرتے ہیں۔

دیکھے ہوئے ہیں ہم نے دھنک کے تمام رنگ
منظر کوئی ہمارے لئے اجنبی نہیں

اندھیرے اجالے کے بارے میں بھی وہ اس روشن رویے کے علم بردار ہیں ان کا ایک مشاہدہ ماحول کے حوالے سے یہ ہے۔

گنبد شب کا کوئی دروا نظر آتا نہیں
آسماں پر ایک بھی تارا نظر آتا نہیں

اب وہ اس تاریک ماحول کو روشن کرنے کے لئے پہلے تو اپنی ذات کے اندر روشنی کا سراغ لگاتے ہیں دل میں ایک دیا جلتا ہوا دیکھتے ہیں اور دعوت عام دیتے ہیں۔

روشنی کی ہو جسے بھی خواہش
وہ میرے دل کا دیا لے جائے

پھر ہر فرد کو کرن کرن اجالا بانٹنے کے بعد پورے ماحول کے روبرو اعلان کرتے ہیں۔

میرا ماحول اندھیروں کا جہاں
میری مٹھی میں چھپا ہے سورج
میں علامت ہوں اجالوں کی سحر
میرے ماتھے پہ لکھا ہے سورج

ہماری غزل کی ایک طویل روایت ہے جس میں آہ و بکا نالہ و فریاد حرماں نصیبی اور شکستہ دلی کی شکل میں ایک گورستانی ماحول ملتا ہے اس گورستان میں تاریکی یاسیت سناٹے اور ویرانی کی ہیبت طاری ہے۔

حسین سحر اور ان جیسے روشن ضمیر روشن خیال اور روشن نظر شعراء نے غزل کو گورستانی ماحول سے نکال کر ہنستی مسکراتی پر رونق اور پر امید زندگی کے ہنگامے عطا کئے ہیں نگار غزل سے اور اس کے حوالے سے دکھی انسانیت کی آنکھوں سے آنسو پونچھ کر اس کے ہونٹوں کو ایک دوامی تبسم بخشا ہے میرے نزدیک ایسی شاعری عبادت سے کم نہیں ہے عبادت کا اصلی منشا حقوق العباد ہے اور ہمارے دکھ بھرے تاریک زمانے میں بندگان الٰہی کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ ان کے دلوں کو محبت خود اعتمادی پر امیدی اور راحت و آسودگی کی روشنیوں سے معمور کر دیا جائے۔

ہر سمت ہیں نفرت کے اندھیرے ہی اندھیرے
اک شمع محبت کی جلا کیوں نہیں دیتے

اور حسین سحر نے بڑی ذمہ داری سے یہ حق ادا کیا۔

ذہن جب تاریک ہو جائیں مشینوں کے طفیل
جذب دل کی روشنی کو عام کرنا چاہئے

حسین سحر کی غزل پر سرسری نظر

وزیری پانی پتی

پروفیسر حسین سحر کی غزلیہ شاعری پر اظہار خیال سے قبل میرے لئے یہ ضروری تھا کہ میں پہلے صنف غزل کی قدر و قیمت کا بھی تعین کردوں۔

پروفیسر حسین سحر کے مزاج میں وہ معصومیت اور خلوص پوری طرح موجود ہے جس کے بغیر صنف غزل کی خدمت اور ترقی ناممکن ہے۔

سحر صاحب گذشتہ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۴ء تک پاک و ہند کے ممتاز رسائل و جرائد میں ملیح شہلائی، سحر رومانی، اور دیگر اسی قسم کے مختلف ناموں سے بچوں کی بہترین اور کامیاب نظمیں لکھتے رہے ہیں۔ نیز بچوں کے شاعر کی حیثیت سے کافی معروف رہ چکے ہیں اور صاحب علم جانتے ہیں کہ بچوں کے لئے شعر کہنا ''کار طفلاں'' نہیں ہے۔ اس کے لئے بیدار ذہن، بالغ نظر اور بچوں جیسی معصومیت کا حامل ہونا لازمی ہے اور غزل گو کے لئے بھی انہیں صفات سے متصف ہونا ضروری ہے۔ یہ مضمون چونکہ سحر صاحب کی غزل گوئی سے متعلق ہے اس لئے ان کی شاعری کی دیگر اصناف پر گفتگو بے محل ہوگی۔

سحر کی غزل محض الفاظ کا گورکھ دھندا نہیں ہے۔ اس میں حسن و عشق کے تجرباتی شعور اور تجربوں کی آنچ نے ایک عجیب دل آویزی پیدا کردی ہے۔

جوان خون کی گردش ہے جسم کی سرخی
یہ وہ نشہ ہے جو ملتا نہیں شرابوں میں
ترے لبوں کی مہک کے قریب میں آ کر
الجھ گیا ہوں کئی کاغذی گلابوں میں

سحر، خلوص سے معریٰ تعلقات سے، جو عموماً سیاست کی زبان میں ''تعلقات عامہ'' کہلاتے ہیں، بیزار ہیں۔ اور اس بیزاری کا وہ کتنے قرینے سے اظہار کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

ہمیں تو شہر کا ماحول بھی نہ راس آیا
خوشا وہ لوگ جو آباد ہیں خرابوں میں

سحر صاحب کی غزل میں، نکہت و جمال کی فراوانی ہے۔ ان کی ہر غزل ''سید گل'' کی طرح مہکتی دکھائی دیتی ہے۔

تمام جسم مہکتا ہے پھول کی صورت
لبوں کا رنگ بھی تازہ گلاب جیسا ہے
چھلک رہا ہے بدن کا ہر ایک پیمانہ
مئے شباب کا نشہ شراب جیسا ہے

اس کے علاوہ سحر صاحب کی غزل میں شعور و حکمت کے موتی بھی جا بجا بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک شعر ملاحظہ ہو۔

کسی نے غور سے اس خاک کو نہیں دیکھا
ہر ایک ذرہ یہاں آفتاب جیسا ہے

سحر کی غزل میں روایتی مضامین بہت کم ملتے ہیں اور جو کچھ ہیں وہ آہنگ و اسلوب کی جدت کی بنا پر نئی چیز معلوم ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں سحر صاحب اپنی غزلوں میں جدیدیت کے بھی علمبردار نظر آتے ہیں۔

جو آدھی رات کو دروازہ کھٹکھٹاتا تھا
وہ کوئی شخص نہیں تھا ہوا کا جھونکا تھا
کسے خبر ہے بھلا روشنی کے صحرا کی
وہاں پہ میں تھا فقط اور میرا سایہ تھا
ضرور اس میں بھی ایک حادثہ چھپا ہوگا
وگرنہ پہلے تو اس طرح وہ نہ ملتا تھا

وہ اپنی غزل میں نئی علامتوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ صرف ایک شعر پیش خدمت ہے۔

اپنے جنوں کی شہر میں تشہیر عام ہے
سیلاب بڑھ گیا ہے خطر کے نشان سے

سحر صاحب کا ذاتی اخلاص اس کا متقاضی نہیں ہے کہ وہ اپنی محبوبہ کو اس امر کا یقین دلانے کی غیر مخلصانہ

کوشش کریں کہ انہیں اس کی صورت کے سوا کسی اور کی صورت پسند نہیں ہے۔

چہروں کے اژدہام سے فرصت اگر ملی
لکھوں گا ایک نظم ترے خدوخال پر

وہ اکثر اپنی غزلوں میں خارجی مشاہدے کو ایک داخلی حقیقت بنا دیتے ہیں مثال کے طور پر

چمکا ہے داغ بن کے ردائے خیال پر
وہ پھول جو کڑھا ہے تری سرخ مثال پر

حوادث حیات کے مقابلے کے لئے پامردی اور استقامت کا انداز بھی دیکھئے

کرنوں کے تیز تیر برستے رہے مگر
رو کے رہا میں اپنے ہی سائے کی ڈھال پر

سحر صاحب جھوٹی اور بے بنیاد توقعات سے نہ خود مطمئن ہوتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو مطمئن کرنے کے عادی ہیں۔ان کی فکر ایک حقیقت پسندانہ انداز رکھتی ہے۔

ممکن نہیں جو بات صدی میں بھی اے سحر
کیونکر اٹھا رکھیں اسے آئندہ سال پر

حسین سحر حوادث آشنا ضرور ہیں۔لیکن وہ مایوسی اور احساس شکست کو اپنے نزدیک نہیں پھٹکنے دیتے۔

سورج کی تیز روشنیوں کے وجود سے
چھٹ جائے گی کبھی نہ کبھی آئینوں کی گرد

ان کی یہ توقع بھی ایسے حالات میں برقرار ہے جبکہ بقول ان کے

خوابوں کا دور دور تصور نہیں سحر
مدت سے ایسے جاگ رہے ہیں ہم اہل درد

انسانی مستقبل کے بہتر ہونے کی انہیں توقع ہی نہیں بلکہ یقین بھی ہے۔

وہ بھی دن آئے گا جب بجھتے ہوئے دیپک کی لو
سخت طوفان ہوا کے سامنے ڈٹ جائے گی

وہ غزلوں میں قدیم الایام الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں۔لیکن نئے معانی پہنا کر۔

روح میری جسم کے زنداں میں ہے تو کیا ہوا
لعل کی قیمت بھلا گدڑی میں کچھ گھٹ جائے گی

سحر صاحب نے محبوب کے ضمیر کی تذکیر کو تانیث سے بدل دینے کی بھی قابل تقلید جسارت کی ہے ملاحظہ ہو۔

تو اگر مجھ سے خفا ہو جائے گی
پھول سے خوشبو جدا ہو جائے گی

اس غزل کا ایک اور نہایت ہی عجیب اور بلیغ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

روشنی عکس ہر ذرے میں ہے
روشنی بڑھ کر خدا ہو جائے گی

جدیدیت کے حامل حسب ذیل اشعار بھی قابل داد ہیں۔

کبھی دھنک کبھی سورج کے قید خانوں میں
زمیں کی خاک بھٹکتی ہے آسمانوں میں

فصیل دل کو سپاہ خیال نے گھیرا
یہ شہر چھپ گیا بادل کے سائبانوں میں

گلوں کے رقص میں آنے کا وقت ہے لیکن
خزاں کا رنگ جھلکتا ہے آشیانوں میں

پروفیسر حسین سحر کی غزل

پروفیسر محمد امین

ادب میں حسین سحر کی خدمات کیر الجہات ہیں ۔وہ ایک ان تھک ادبی کارکن ہے۔اس نے کئی ادبی انجمنیں قائم کیں جنہوں نے نوجوان نسل کی شعری اور ادبی تربیت میں اہم کردار ادا کیا ہے وہ مشاعرے کی مرتی ہوئی روایت کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔پاکستان بھر میں جہاں کہیں بھی مشاعرہ ہو حسین سحر وہاں موجود ہوتا ہے اپنے شہر میں بھی اس نے کئی مشاعرے کرائے اور اب بھی اگر مشاعروں کا اہتمام اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔بچوں کے ادب میں اس کی خدمات قابل قدر ہیں۔وہ بچوں کا بھائی جان ہے، وہ ریڈیو کا بہترین مقرر سپیئر اور مضمون نگار ہے۔ریڈیائی ادب سے اس کی دلچسپی بڑی پرانی ہے جس کا اظہار اس نے اپنے ایک شعر میں یوں کیا۔

کبھی تو کوئی سنے گا مجھے توجہ سے
ہوائے دوش پہ اڑتی ہوئی صداہوں میں

وہ ملتان کے واحد باقاعدہ ادبی رسالے ''اہل قلم'' کا مدیر بھی ہے کئی کتابوں کا مرتب اور ناشر بھی ہے مگر اس نے اپنی کتابیں نہیں چھاپیں، دوسروں کی کتابیں چھاپتا ہے۔اس سے اس کی بے لوث ادبی خدمت کا پتہ چلتا ہے۔وہ تنقید بھی لکھتا ہے فیچر بھی لکھتا ہے اور کالم بھی لکھتا ہے شاعر ہے اور ہر صنف میں یکساں قدرت اور مہارت کے ساتھ شعر کہتا ہے۔ایسی شخصیت کا شعری محاکمہ یقیناً ایک مضمون میں ممکن نہیں اس مضمون سے میرا مقصود بھی شعری محاکمہ نہیں ہے بلکہ اس کی غزلوں کا مطالعہ کرنا ہے اور غزل میں اس کے اساسی رویوں کو تلاش کرنا ہے

غزل اپنی جامعیت، ایجاز اور ایمائیت کے اعتبار سے جامع الاضاف ہے۔غزل نے اپنے دامن میں شعری قصیدہ اور مرثیے کے مضامین کو سمولیا ہے۔غزل کی ریزہ خیالی جہاں مورو الزام ٹھہری ہے وہاں اس نے غزل کے موضوعات کو تنوع بھی دیا ہے۔قافیہ اور ردیف کی پابندی

نے اسے گیت کا سا رچاؤ دیا ہے۔غزل اب بھی اردو کی توانا اور مقبول ترین صنف شاعری ہے۔ اس میں اس قدر جان ہے کہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دے سکتی ہے۔اس کے آہنگ میں اتنی مٹھاس ہے کہ عام قاری بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔یہی سبب ہے کہ اردو شاعری کی تاریخ کا بیشتر سرمایہ غزل پر مشتمل ہے۔غزل مشرقی مزاج سے ہم آہنگ ہے۔اس لیے وہ زندہ ہے۔

غزل ہمارے تہذیبی شعور کی نمائندہ ہے۔غزل جس تہذیبی شعور کی نمائندگی کرتی ہے حسین سحر کی غزل میں وہ تہذیبی شعور نمایاں ہے۔یہ تہذیبی شعور جن صداقتوں اور حقیقتوں میں اظہار پاتا ہے ان میں سے سب سے بڑی حقیقت فنا ہے۔یہ دنیا دار فانی ہے اسے بات حاصل نہیں۔ہم جسے زندگی سمجھتے ہیں وہ دراصل موت کا پیغام ہے۔حسین سحر نے اپنی غزلوں میں اس صداقت کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ان کا یہ مشہور شعر اس صداقت کا کیا خواب اظہار ہے

میں لہلاتی شاخ کو سمجھا تھا زندگی
پتا گرا تو درس فنا دے گیا مجھے

فنا اور دنیا کی بے باقی کا موضوع اردو غزل کی تہذیبی روایت بن چکا ہے مگر اس شعر کی خوبی اس کی ڈرامائیت ہے۔شاعر جب لہلہاتی شاخ کو دیکھتا ہے تو اسے زندگی کا احساس ہوتا ہے مگر دوسرے ہی لمحے جب پتا شاخ سے ٹوٹ کر گرتا ہے تو اسے فنا کا شدید احساس ہوتا ہے۔حسین سحر نے اپنے اشعار میں اسی تصور کو مختلف انداز میں پیش کیا ہے

زندگی کی دوسری بڑی حقیقت غم اور تنہائی ہے۔یہ حقیقت بھی غزل کے موضوعات میں شامل رہی ہے اور حسین سحر کی غزل میں بھی اس صداقت نے بڑے قرینے سے اظہار پایا ہے۔

اپنا غم ، اس کا غم ، سب دنیا کا غم
میں بھی کیا کیا بوجھ اٹھائے پھرتا ہوں

غم کی تنہائی بھی انسان کا مقدر ہے اس تنہائی کو مٹانے کے لئے وہ کیا کیا جتن کرتا ہے مگر اس کے احساس تنہائی میں کمی نہیں ہوتی

دکھاتی دیتے ہو ہر سو عجیب ھنگامے
بغور دیکھا تو ہر شخص تنہا تنہا تھا

تنہائی پر حسین سحر کا یہ شعر نہایت خوبصورت ہے.....

اداس شام کا منتظر بہت اچھوتا تھا
لپٹ کے روتی رہی مجھ سے میری تنہائی

تمنا ایک فریب ہے۔انسان کی ایک خواہش پوری ہوتی ہے تو دوسری کا آغاز ہوتا ہے اور بس خواہشات کا یہ لامتناہی سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا:

بھٹکے گا کہ ہے تشنہ لبی اس کا مقدر
دل دشت تمنا کے سرابوں میں رہے گا

آج کے شہروں کی تیز زندگی نے انسان کو خود غرض اور بے حس بنا دیا ہے۔اس تیز صنعتی زندگی نے انسان کو احساس سے عاری کر دیا ہے اور صورت یوں ہو گئی ہے کہ جیتا جاگتا انسان پتھر کا لگتا ہے۔

میں ان چند مالوں سے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ حسین سحر بیرون ذات کا شاعر ہے۔وہ اپنی ذات کے علاوہ بھی زندگی کو دیکھتا ہے اور اپنے مشاہدے سے جو حقائق اخذ کرتا ہے انہیں اپنی شاعری کا موضوع بناتا ہے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کے یہاں داخلی واردات کا اظہار نہیں ہے۔اس کے یہاں داخلی واردات کا بیان بھی ملتا ہے اور اس کا ایک معتبر حوالہ حسن وعشق کا ہے۔حسن پرستی انسان کے بنیادی جذبات میں شامل ہے اور عشق کی بنیاد جبلت پر ہے۔حسن کے حوالے سے چند شعر قابل مطالعہ ہیں:

چاندنی میں رچ گئی ہے تیری خوشبوئے بدن
چاند کا چہرہ ہے روشن تیرے پیکر کی طرح

شاخ شب پر ترے مہکے ہوئے چہرے کا گلاب
چاند نکلے گا تو کچھ اور نکھر جائے گا

حسن وعشق کے معاملات اردو غزل کی روایت کا معتبر حصہ ہیں۔حسین سحر نے اپنی غزلوں میں اس روایت کو آگے بڑھایا ہے۔اس کی غزلوں کے یہ چند موضوعاتی پہلو ہیں۔اب رہی بات اسلوب اور رویے کی، حسین سحر، شریف، صلح جو، معتدل مزاج اور ہنس مکھ آدمی ہیں دوست نوازی اُن کا شیوہ ہے۔وہ روایت پرست اور وضع دار ہیں اس کی شخصیت میں شدید رویے دکھائی نہیں دیتے۔وہ ہمیشہ اعتدال پر رہے ہیں ان کا شعری رویہ بھی یہی ہے ان کی شاعری میں شدید رویوں کا اظہار نہیں ملتا اور شاعری میں غصہ، جھلاہٹ، بغاوت، پر مردگی، افسردگی اور مایوسی نہیں ہے محبت میں بھی ان کا معاملہ اعتدال سے نہیں بڑھتا۔جس طرح وہ اپنی زندگی میں معتدل رویہ رکھتے ہیں ان کی شاعری میں بھی یہی رویہ ہے ان کی شاعری میں شدید جذبوں کا اظہار معتدل ہوتا ہے۔ان طرح اس کا اسکوب بھی متوازن ہے۔نہ جدید نہ قدیم، کلاسیکی رچاؤ کے ساتھ بھرپور ابلاغ ان کے اسلوب کی خصوصیت ہے۔

ادھورے خوابوں کی سرزمین کا مسافر

رضیہ انوار رضی

حسین سحر سے میری ملاقات اس وقت سے ہے۔ جب میں بچوں کے رسالوں میں نظمیں بڑے ذوق وشوق سے لہک لہک کر پڑھتی تھی ..... میری عمر کے ساتھ ساتھ بچوں کا یہ شاعر بچوں کے رسالوں سے نکل کر بڑے بڑے لفظوں میں منتقل ہوتا چلا گیا۔ (حالانکہ حسین سحر شروع ہی سے بہت بڑا تھا۔ یہ صرف میری سمجھ کا قصور تھا' کہ میں اُسے بچوں کی طرح چھوٹا ہی سمجھتی رہی تھی) اور اس کا احساس مجھے اس وقت بہت زیادہ ہوا جب حسین سحر محض سحر رومانی تھا' سحر رومانی سے حسین سحر تک بننے میں کتنا وقت لگا' اس بات کو جاننے میں مجھے خاصی دقت محسوس ہوئی۔ سحر رومانی کی نظمیں اور غزلیں' سیپ' اوراق اور حیدرآباد کا رسالہ نئی قدریں جیسے ادبی رسالوں میں دیکھ دیکھ کر میں سوچا کرتی تھی۔ کہ یہ نظمیں اتنی ادھوری ادھوری سی کیوں ہیں۔ اس کی صداقت آج شاید کئی برس بعد مجھ پر منکشف ہو رہی ہے۔ کہ حسین سحر' سحر رومانی کے لبادے میں ادھورا صرف اس لئے تھا کہ اس کے ادھورے خوابوں کے رتجگوں نے اُسے پتھر بنا دیا تھا' اور پتھروں کے شہروں میں آباد لوگ صرف خواب ہی دیکھ ہی سکتے ہیں۔ اُس کی تعبیر نہیں پا سکتے' اور بقول حسین سحر انہوں نے خواب بے شمار دیکھے ہیں۔ مگر خوابوں کی دھنک نے اُن کو ہمیشہ بے قرار کئے رکھا۔

میری آوازوں کا اِس پر کچھ اثر ہوتا نہیں
میں جسے انسان سمجھتا ہوں کہیں پتھر نہ ہو
گوشے گوشے میں ہے رنگا رنگ خوابوں کی دھنک
ذہن بھی اُس کے خیالوں کا عجائب گھر نہ ہو

شعر جذبوں سے جنم لیتے ہیں۔ شاعری لفظوں کا لبادہ اوڑھتی ہے اور شاعر اپنے حسی تجربات کے وسیلے سے لفظوں کو اُن کے باطن سے جُدا کر کے اُن کی اصلی کیفیت کا اندازہ لگاتا ہے۔ اُن کے جذبات' اُن کے احساسات اِسی کیفیت کی اساس پا کر آگے بڑھتے ہیں۔ اِن لفظوں کے وجود سے شاعر کی اپنی ذات آگے بڑھتی ہے اور ایسے میں اگر آواز اور جذبے دونوں

ہم آہنگ ہو کر ایک وجود تراش لیں۔ تو یہ وجود حسین سحر کا بن جائے گا۔

میں آنے والا وقت ہوں پیشِ نگاہ رکھ
تیرے لئے رکوں گا میرا انتظار کر
تیری سرشت میں نہیں شعلوں سے دوستی
تو خاک ہے تو خاک کے ذروں سے پیار کر
آواز کا بھی عکس بہت دلفریب ہے
دیکھا ہے ہم نے شیشۂ دل میں اُتار کر

حسین سحر' سحر رومانی سے زیادہ خوبصورت شاعر ہے۔ اس کی تمام شاعری خوابوں کے رتجگوں سے شروع ہو کر پتھروں جیسے شہر اور خوشبوؤں جیسے چہروں پر آن کر ختم ہو جاتی ہے۔

تیرے لبوں کی مہک کے فریب میں آ کر
الجھ گیا ہوں کئی کاغذی گلابوں میں
کبھی تو جاگتی آنکھوں پہ آشکارا ہو
وہ ایک شخص جو ملتا ہے روز خوابوں میں

ان ادھورے خوابوں نے حسین سحر کو بے چین کر رکھا ہے۔ آنکھوں میں ناتمام سپنوں کی تپش چھپا کر خود ہی سے وہ مخاطب ہو جاتا ہے۔

ہم اُسے یاد کئے جاتے ہیں
جس کی عادت ہے بھلائے رکھنا
جاگنے کا بھی یہی مطلب ہے
آنکھ میں خواب سجائے رکھنا

ہونٹوں پر باتیں ہیں' تیری ہی باتیں
آنکھوں میں سپنے اب تیرے رہتے ہیں

ان خوابوں کا شاعر اپنے لئے ایک ایسا مقام منتخب کر چکا ہے۔ جہاں وہ رُک رُک کر

اپنے اردگرد پھیلی ہوئی محبت کی کائنات کا جائزہ لے سکتا ہے۔ جسے وہ اپنے خوابوں کی منزل گردانتا ہے۔ یہاں پر ایسی منزل کو شاعر کی شخصیت اور فن کے ارتقائی عمل کا نقطۂ عروج بھی کہا جا سکتا ہے۔

خواب تھے تحلیل ہو کر رہ گئے کیوں آنکھ میں
آئینوں میں عکس تھے اڑ کر ہوا کیوں ہو گئے
گرد چھٹ جائے سفر کی جب تو پھر یہ سوچنا
ہم تمہارے راستے میں نقشِ پا کیوں ہو گئے
اِک کرن آواز کی ڈوبی تھی دشتِ شام میں
شہر کے سارے دریچے بے صدا کیوں ہو گئے

حسین سحر کے اندر کے شاعر کا یہ جذباتی سا احتجاج ہمیں اس مرحلے پر چونکانے کے لئے کافی ہے۔

جن خوابوں کی کوئی بھی تعبیر نہیں
دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں ایسے خواب
چاہو تو یہ سودا ہے منظور مجھے
لے لو مجھ سے میرے دے دو اپنے خواب
کیا رکھا ہے پاس میرے کیا رکھا ہے
خواب ہیں لیکن وہ بھی چند ادھورے خواب

اس آخری شعر میں لفظوں کی تکرار نے شعریت کا یہ حسن چرا لیا ہے کہ بے ساختہ شاعر کے اس احتجاج پر کان دھرے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

بھٹکے گا کہ ہے تشنہ لبی اس کا مقدر
دل دشت تمنا کے سرابوں میں رہے گا
پت جھڑ میں بکھر جائیں گے سب پھول سے چہرے
خوشبو کا مگر نشہ گلابوں میں رہے گا

اسی طرح ایک جگہ اور یونہی کہتے ہیں۔

گلوں کے خواب تو جی بھر کے دیکھو
مگر اندیشۂ صیاد رکھنا ۔۔

حسین سحر کی شاعری میں OBLIQUE زیادہ اور Direct کم ہے۔ وہ صراحت سے زیادہ رمز کے حامی ہیں۔ اُن کا اپنا انفرادی رنگ ہے۔ اُن کی آواز صریحاً اُن کی اپنی ہے۔ اور اِس آواز میں جذبوں اور لفظوں دونوں کی آمیزش ہے۔ اور یہی آمیزش اُن کے کلام کو آج دوسرے شعراء سے منفرد مقام عطا کرتی ہے۔

ضرور لمس ملا ہوگا اُس کے ہاتھوں کا
رچی ہوئی ہے جو یوں لفظ لفظ میں خوشبو
ترا خیال جو آیا سفر کے عالم میں
فضائے شب میں وہیں تیرنے لگے جگنو
میں اپنے آپ کو خود سے جدا کروں کیسے
چھپا ہوا ہے مجھی میں مری انا کا عدد

سحر کی یہی سادگی اور فطری سنجیدگی ہمیں زندگی کے کئی نشیب و فراز سے نکال کر غالبؔ تک لے آتی ہے غالب کا میدان عمل سحرؔ کی منزل ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام ہر قسم کے آورد سے پاک ہے۔ وہ اکثر اوقات سے تشبیہ اور تشبیہہ سے استعارہ ذہن کے پردوں پر اُجاگر کرتے ہیں اور اس تخیل میں وہ احساس کے قلب تک جا نکلتے ہیں۔ بے خواب کواڑ' بے رنگ ستارے مایوس اور ویران نگاہیں اور پھر بعض اوقات تو یوں لگتا ہے کہ زندگی کی جہدِ مسلسل کی کوئی خوبصورت سی الہامی آواز ہمیں پکار رہی ہو۔

فکر آغاز کرو' صبح کے سورج کی طرح
سب کو معلوم ہے انجام میں کیا رکھا ہے

سحر کے خوابوں کے شہر میں غم کی ہلکی سی ٹیس اور درد کی کسک' چاندنی کی سی ٹھنڈک' آبشاروں کا سا ترنم حسین صبح کی امید اور انتظار کی شمع کی سی جلن موجود ہے اور یہی سحر کی قوتِ حیات ہے۔

خونِ دل دے کے جنہیں سینچا تھا
آج وہ پھول بنے ہیں کانٹے
ہم نے پھولوں کی تمنا کی تھی
اور دنیا نے دیئے ہیں کانٹے

سحر کی شاعری میں فطری اور تعمیری رنگ ایک نئے احساس کے ساتھ خوابوں کے دریچوں پر ابھرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ہمیں سحر نے شاعری کے آنگن میں فکر و احساس کی ایک نئی تکنیک دکھائی دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں موسیقیت اور موزونیت کا ایک جدا رنگ ہے انہوں نے اپنے حسن بصیرت اور احساس شگفتگی کی وجہ سے شاعری میں جذبوں کو ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ ہر موڑ پر رُک کر سوچنا اور پھر کچھ کہنے کے لئے تذبذب کا شکار رہنا ہی بہت بڑی بات ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر شعر نغمۂ شیریں کی دھڑکنوں کا پیامبر ہے جو حسن و عشق کے پیچیدہ مسائل پر مبنی ہو کر ضم نہیں ہوتا۔ بلکہ عشق کی معراج تک پہنچنے کی کوشش میں بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے۔

ہماری روشنی اپنی ہی جاں کی دشمن تھی
مثالِ شمع جلے ہم پگھل گئے چپ چاپ

ہمارے ہاں غزل کے اشعار میں نمایاں خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ شعروں میں بُعد نہ پایا جائے۔مولانا عبدالرحمٰن بجنوری نے CANT کی کتاب CRITIQUE OF PRACTICAL کا حوالہ دیتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ بہت سے اشعار ایسے ہوتے ہیں جن میں آزاد حسن ہوتا ہے۔وہ پھولوں کی طرح اپنے معنی بیان نہیں کرتے۔ بلکہ اپنی خوشبو سے مشامِ جان کو مسرور کرتے ہیں۔اور اگر ان کی نثر کر کے اور ان کے مطالب دریافت کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ کوشش ایسی ہوگی جس طرح کوئی شخص پھولوں کی خوشبو کو پانے کی غرض سے ان کی پتیوں کو توڑ کر علیحدہ کر دے اور حسنِ اتفاق سے حسین سحر اس معیار پر پورا اترتے ہیں۔

اس قدر عام ہوا حبسِ ہوا
چپ ہے خوشبو کے نگر کی آہٹ

مدتوں بعد تری یاد آئی
دشت میں آئی ہے گھر کی آہٹ
کس نے دیکھی ہے لبوں کی خوشبو
کون سنتا ہے نظر کی آہٹ

حسین سحر شاعری کا ایک خوبصورت استعارہ ہے۔اس کی تنہائیوں کی ہلکی ہلکی اداسیوں کا اس کے خوابوں کی بستیوں پر بہت اثر پڑتا ہے۔ اُس کے خوابوں کی اکیلی بستیاں اپنی داخلی تصوریت کا استعارہ بن کر ہمارے سامنے ابھرتی ہیں۔حسین سحر جس دور میں زندہ ہے وہ اس کے تقاضوں سے پوری طرح آگاہ ہے۔ ادھوری آرزوؤں کی نوکیلی انگلیوں کے نشان اس کی آنکھوں کی بند پلکوں پر بہت نمایاں ہیں۔آوازوں اور خوشبوؤں کی گونج کے تعاقب میں اس کی عمر گزری ہے شکستِ دل کی صداؤں سے اس کے کان آشنا ہیں۔خوابوں کے جھروکوں سے اُتر کر ویرانی اور اداسی کی طویل کہانیاں اس کے سینے میں دفن ہو چکی ہیں۔لیکن اس تمام خام مواد کو اس نے کچھ اس طرح فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے کہ اشعار میں غم کے بولتے ہوئے چپچپی کی آواز میں صرف دل ہی کا درد سنائی نہیں دیتا۔ بلکہ دوسرے افراد کے دکھ کی بھی نمائندگی ہوتی ہے۔حسین سحر کی شاعری اس کے اپنے عہد اپنے دکھ اور درد کی سنجیدہ مگر مہذب آواز ہے۔

میں تیری بھیگتی پلکوں پہ اک ستارہ ہوں
جو ہو سکے تو ابھی خاک میں ملا نہ مجھے
کہیں کلی کوئی چٹکی تو دل میں ہوک اٹھی
ملا ہے شدتِ احساس کا خزانہ مجھے

شاعری کا اس سے بڑا منصب اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ انسان کو اس کے تشنۂ اظہار دیدہ و نادیدہ خوابوں جبلتوں اور جذبوں کی ایسی آئینہ کشی کر دے کہ انسان اس میں اپنے ظاہر و باطن کے جلووں کو دیکھ سکے۔حسین سحر ایسی ہی شاعری کا نمائندہ بن کر ہمارے سامنے ابھرتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ تو اب جدا نہیں ہوگا
کہ تیرے خواب کی تعبیر ہو گیا ہوں میں

حسین سحر کی پوری شاعری کا اگر بغور جائزہ لیا جائے۔تو خوابوں کی سرزمین سے لے کر خوشبوؤں اور پتھروں جیسے چہروں تک کے سفر میں وہ ہمیں بڑا گہرا اور چپ چاپ شاعر لگتا ہے۔ بڑا جمال پرست اور لذت پرست شاعر۔

کبھی تو کوئی سنے گا مجھے توجہ سے
ہوا کے دوش پہ اُڑتی ہوئی صدا ہوں میں
یہ آئینہ میرے پہلو میں کیوں چمکتا ہے
دیارِ سنگ میں رہ رہ کے سوچتا ہوں میں

اور یہی عالمگیر صداقت سحر کو دوسرے شعراء سے بہت دور لے جاتی ہے۔اس کی سیدھی سادھی باتوں میں وسیع وعریض خیالات پنہاں ہوتے ہیں اور یہی خصوصیت انہیں ترقی پسند شعراء میں ممتاز کرتی ہے۔ان کی شاعری میں حد درجہ رجائیت ہے زندگی پر اعتماد اور قوتِ احساس کا پرتو ان پر بہت زیادہ ہے دراصل میں بھی فراسٹ FRAST کی طرح اِس شاعری کی قائل ہوں کہ جو پہلے مسرت اور پھر بصیرت عطا کرے۔سحر کی پوری شاعری پہلے مسرت اور پھر بصیرت عطا کرتی ہے۔عجل سے کام نہیں لیتی۔ وہ اپنے خوابوں کے تانوں بانوں سے ان دونوں باتوں کو درجہ بدرجہ بہت جلد طے کر لیتا ہے۔

میں لہلہاتی شاخ کو سمجھا تھا زندگی
پتا گرا تو درسِ فنا دے گیا مجھے
میرے لئے تو سانس بھی لینا محال ہے
یہ کون زندگی کی دُعا دے گیا مجھے

فن کا بنیادی تقاضہ احساسات اور خیالات کا خوبصورت اظہار ہے۔مگر جب اِس فن کے اظہار میں بے ساختگی اور برجستگی بہت خوبصورت طریقے سے پائی جائے۔تو وہ کلام ہمیں کسی شاعر میں بڑی ریاضت قادرالکلامی اور کہنہ مشقی کی منزلیں عبور کرتا نظر آتا ہے۔برسوں کی سوچ کا عمل اور جذبے کی پختگی شاعر کے کلام کا لاشعوری طور پر طرۂ امتیاز بن جاتا ہے۔بات کہنے کے اِس والہانہ پن میں حسین سحر اپنے سامع کو کہیں بھی تھکا دینے والی یکسانیت اور بوریت کا شکار نہیں

ہونے دیتا۔

گلوں کے رقص میں آنے کا وقت ہے لیکن
خزاں کا رنگ جھلکتا ہے آشیانوں میں
دھواں اگلتی ہوئی چمنیاں یہ کہتی ہیں
حیات روز سلگتی ہے کارخانوں میں

حسین سحر اپنے ادھورے خوابوں کی سرزمین کا ایک بچھڑا ہوا مسافر ہے۔ بے خواب کواڑوں پر دستک دیتا ہوا ایک عہد ہے۔خوابوں کے رمجگوں نے اسے احساسِ تنہائی کے دشت میں نہیں پھینکا۔ وہ لفظوں اور محاوروں کی دنیا میں اجنبی نہیں بنتا۔اور ذہنی طور پر کسی بھی المیے کا دباؤ قبول نہیں کرتا۔اس کی شاعری زمان و مکان کی قیود میں رہ کر بھی اپنے مطالب واضح کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ہوا کے جھونکے خواب کی دستکوں کا لمس پا کر حسین سحر کو خوشبوؤں کے دیس لے جاتے ہیں۔

غزل کی ادائیں اس کے وجود کی نفی نہیں کرتیں۔

گرچہ خالی ہے فضا مستیٔ میخانہ سے
جبر یہ ہے کہ ہر اک آنکھ کو پیمانہ کہو
میں شبِ تار کو یوں صبح نہیں کہہ سکتا
شوق سے دار پہ کھینچو مجھے دیوانہ کہو

اسی طرح ایک جگہ اور کہتے ہیں۔

جاگتی آنکھوں فسوں ٹوٹ گیا رنگوں کا
کاش خوابوں ہی میں اس شخص کو دیکھا ہوتا

حسین سحر کے ذاتی تجربے خوابوں سے آگے نہیں نکلتے۔وہ خوشبوؤں کے ایقان سے نکل کر پتھروں پر دیوانہ وار دوڑتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ آہستہ آہستہ اپنے جذبوں کے کرب کو لمحہ لمحہ وقت کے سینے میں اتارتا چلا جاتا ہے۔اور یہی بات حسین سحر کے مزاج کی شگفتگی کا اصل پرتو ہے۔یا پھر دوسرے معنوں میں اپنے خوابوں کی تعبیر سے غیر مطمئن شخص کا دوسرا نام حسین سحر ہے۔

حسین سحر ایک جمالیاتی اور سماجی شاعر

طارق محمود طارق

حسین سحر پر گفتگو کا آغاز کرنا بہت سہل ہے کیونکہ وہ ایک ایسی جامع صفات شخصیت ہیں جس کا ہر پہلو آئنہ کی طرح صاف اور واضح ہے۔ مشکل تو ایسی شخصیت پر لکھنا ہوتا ہے جو ظاہراً کچھ اور باطن کچھ اور ہو۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی نے حسین سحر کی شخصیت کے بارے میں تبصرہ ان خوبصورت الفاظ میں کیا ہے ''وہ بہت خوبصورت ہیں چہرے سے دل تک اور بہت شریف ہیں ظاہر سے باطن تک''۔

لفظ کے دو پہلو ہیں ایک کاروباری جو ترسیل کی معاملے میں ابہام کو زہر قاتل سمجھتا ہے۔ کہ اس کا دوسرا پہلو رنگ، سنگ اور شرر کو اپنی تحویل میں لے لیتا ہے۔ شاعری لفظ کے اس دوسرے پہلو کا کارنامہ ہے۔ ایک شاعر کی اصلی قوت اس بات میں پوشیدہ ہے کہ اس نے لفظ کو کتنے کتنے موثر انداز میں استعمال کیا ہے اور یوں وہ کس حد تک محسوسات اور خیالات کے اجتماعی خزانے پر قابض ہوسکا ہے۔ ادب اور شاعری کا مواد کائنات میں جا بجا بکھرا پڑا ہے مگر اس پر دسترس اسے ہی حاصل ہوتی ہے جو لفظ کے نازک ہتھیاروں کے استعمال میں یکتا ہو اور حسین سحر میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان کا کلام، لفظ اور لفظی تراکیب کی تازگی اور ندرت کا مرقع ہے اور یہ ہی وجہ ہے کہ وہ انوکھے خیالات، نادر محسوسات اور لمحات کی تجسیم کر کے شاعری کے خوبصورت اور لافانی شہکار تخلیق کرنے میں کامیاب و کامران ہیں۔

حسین سحر کی شاعری مستِ اندیشہ ہائے افلاکی نہیں ہے بلکہ وہ شاعری کے ذریعے زمین کے ہنگامے سہل کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں انکی شاعری میں دو پہلو بڑے نمایاں ہیں مگر اس کے باوجود ان کی شخصیت دولخت نظر نہیں آتی۔ جب وہ سماجی انسان کی حیثیت سے معاشرے کے مصائب، زوال اور ہلاکت آفرینی کو اپنے اشعار میں ڈھالتے ہیں تو ان کا قلم خونچکاں اور انگلیاں فگار ہوجاتی ہیں لیکن جب وہ جمالی کیفیت میں، کائنات کا جلوہ صد رنگ

دیکھتے ہیں تو اس کی حسین رعنائیوں میں کھوئے ہوئے نظر آتے ہیں اور تیشہ بدست انسان کے بجائے ایک ایسے نرم و نازک اور کومل انسان نظر آتے ہیں جو ٹمٹماتے ہوئے ستاروں سے اکتساب نور کرنے میں مصروف ہو اور وادی خیال میں پھولوں کی پگڈنڈی پر سفر کر رہا ہو۔

وادی شعر و سخن اور گلزار فکر و فن میں کسی شاعری کی شعری شخصیت کے دو منفرد زاویے خال خال ہی نظر آتے ہیں یعنی سماجی اور جمالیاتی زاویے حسین سحر کی شاعری کا ایک قدم دشت امکاں کی طرف ہے تو دوسرا دشت زماں کی جانب اور وہ ایک دیدہ ور کی صورت میں ہمیں اپنے مشاہدات، تاثرات اور تجربات میں شامل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حسین سحر اور دبستان ملتان

شہزاد احمد خاں

خادم حسین سحر نے بچوں کے ادیب و شاعر کی حیثیت سے اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا اور وہ اپنے فنی و تخلیقی سفر میں مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے قرآن مجید کے منظوم ترجمے تک جا پہنچے۔ سحر رومانی سے حسین سحر تک کا سفر بھی مشاہدوں، تجربوں اور متنوع کیفیات سے عبارت تھا۔ بچوں کے ادیب سے کلاسیکی غزل گو شاعر تک کے تخلیقی اظہار کا سفر مسلسل فنی ریاضت کا آئینہ دار رہا۔ ایک زمانے تک انہوں نے کثرت سے غزل کہی۔ مگر بعد میں وہ بتدریج دینی اصناف شعری کی طرف مائل ہوتے چلے گئے۔ شاید انہوں نے خیال کیا ہوگا کہ دینی اصناف میں شعر کہنے کا عمل زیادہ پائیدار راستے کی طرف جاتا ہے اور یوں وہ اپنے تئیں اس پائیدار راستے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ نصف صدی سے زیادہ عرصے پر محیط اپنے ادبی سفر میں وہ غزل کا صرف ایک ہی شعری مجموعہ لا سکے جبکہ ان کی دینی شاعری کے متعدد مجموعے چھپتے رہے۔

حسین سحر نے بچوں کے ادیب اور شاعر کے طور پر اوائل عمری میں ہی نام کمانا شروع کر دیا تھا مگر وہ اس تخلیقی سفر کو 80ء کی دہائی کے آغاز تک ہی تسلسل سے برقرار رکھ سکے۔ بعد میں ان کی دلچسپی دوسری اصناف کی طرف ہو گئی۔ انہوں نے سوچا ہوگا کہ بچوں کے ادیب کو وہ ناموری ملنا کافی مشکل ہوتا ہے جو بہت جلد ایک اچھی غزل کہنے والے شاعر کا مقدر ہوتی ہے۔ غزل کے میدان میں روایت اور جدت کے امتزاج کے ساتھ کہ جس میں روایت سے استفادے کا پہلو غالب رہا انہوں نے اپنے تخلیقی اظہار کی صورت گری کی، تاہم اس ذیل میں اب تک کا واحد شعری مجموعہ لانے کے بعد ہی ان کی توجہ کا حاشیہ ایک اور سمت کی طرف مڑ گیا۔ اب کی بار انہوں نے مذہبی اصناف کو اپنے شعری اظہار کا وسیلہ بنایا۔

بڑھتی ہوئی عمر میں خیال و فکر کی پختگی اور ارتقا کے ساتھ ساتھ مذہبی میلان طبع کے پس منظر میں یہ پائیدار راستے کا سفر تھا جس پر چلتے ہوئے حسین سحر نے حمد، نعت، سلام اور منقبت وغیرہ کثرت سے کہے، یوں دینیاتی فکر میں شعری اظہار کا یہ سفر قرآن مجید کے آزاد نظم میں کیے گئے منظوم ترجمے سے جا ملا۔

وقت کے ساتھ ساتھ انسانی فکر مسلسل ارتقاء پذیر رہتی ہے اور ہر شخص اپنی ذات کے تناظر میں ہی اس امر کا فیصلہ کرتا ہے کہ اب اس نے کیا کرنا ہے۔ اپنی طبعی عمر کی ساڑھے چھ دہائیاں گزار لینے کے مرحلے میں اب جب کہ ان کی روح ارتفاع کی طرف مائل ہے۔ ان کے شعور و فکر میں حقیقت مطلقہ کا فہم واضح سے واضح تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ حسین سحر نے اپنی مخصوص شرافت طبع، دینی رجحان اور وضع شدہ شخصی نفسیات کے تناظر میں خاموشی سے اپنا کام جاری رکھا۔ گزرتے وقت کے ساتھ ہی ان کے فن میں ارتقاء اور سوچ و فکر کے نظریات میں واضح استحکام پیدا ہوتا چلا گیا۔ اردو ادب کی مختلف اصناف میں عمر کے مختلف مدارج میں انہوں نے اپنے حصے کا کچھ نہ کچھ کام کیا اور یوں ایک فعال و متحرک ادیب کی حیثیت سے ملتان کے ادبی منظر نامے کی صورت گری کی۔ انہوں نے اظہار ذات کے تناظر میں تقریباً ہر میڈیم کو استعمال کیا اور اپنی آواز دوسروں تک پہنچانے کی شدید خواہش کی تسکین کرتے رہے۔

حسین سحر ادبی حوالے سے فعال، شخصی اعتبار سے متحرک، نفسیاتی لحاظ سے متوازن اور کرداری رنگ میں ایک شریف النفس انسان سمجھے جاتے ہیں۔ جن کی شخصیت کی عکاسی ان کے فن میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ ادبی تخلیقی اور فنی لحاظ سے انہوں نے ملتان اور اس کے گرد و نواح میں ایک فعال اور ہنگامہ خیز زندگی گزاری ہے اور گزشتہ دس سالوں سے سرزمین عرب میں جا کر بھی اپنی شناخت کے عمل کو جاری رکھا ہے۔

وقت کا قافلہ رواں دواں ہے کہ جس نے ابد تک کے زمانی سفر کو طے کرتے چلے جانا ہے۔ لمحۂ موجودگی گرفت بذات خود ایک تخلیقی عمل ہے اور آنے والے کل کا مورخ ماضی کے دریچوں میں جھانک کر نئے اسباب کھوجے گا۔ کہا جا سکتا ہے کہ حسین سحر نے اپنی تخلیقات سے آنے والی نسل کو کلاسیکی اور مذہبی شاعری کا ایک خاص حد تک جواز فراہم کر دیا ہے۔ ملتان کی اردو فضا کو تھپکی دینے، اس کو مہمیز کرنے اور آگے کی طرف بڑھانے میں حسین سحر کا فعال کردار نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ گزرتے ہوئے لمحے ان کے ادب اور فن پر اپنے اثرات مرتسم کر رہے ہیں اور آنے والا کل ان سے کیا تخلیقی کام لے گا، اس کا فیصلہ فردا کے ہاتھ میں ہے۔

خصوصی اظہارِ خیال

وسیع کینوس کا شاعر

ڈاکٹر اقبال واجد (دمام سعودی عرب)

حسین سحر وسیع کینوس اور آفاقی تصور کے شاعر ہیں۔ان کی شاعری اپنے موضوعات' معانی' مطلوب اہداف اور جمال کے اعتبار سے اپنے معاصر ادب میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔وہ شاعری کو آفاق کی ہم نوائی عطا کرتے ہیں اور اسے ایسا اسلوب گویائی عطا کرتے ہیں جو واقعات اور موضوعات کے پس پردہ بھی اپنی ترسیل جاری رکھ سکے۔وہ منطقی اور فکری تعبیرات کو اپنے مخصوص فکری نہج میں ڈھال لیتے ہیں۔شعر گوئی کا یہ اسلوب اپنے افکار میں بہت موثر اور ممتاز ہے۔

اردو شاعری میں پے در پے تجربوں اور تبدیلیوں نے اس کے مزاج کو مختلف معنوں میں متاثر کیا اور رفتہ رفتہ یہ عام تاثر قائم ہوتا گیا کہ بحیثیت شعریات اردو شاعری کا کوئی مخصوص اور متعین مزاج نہیں ہے بلکہ شاعرانہ مزاج کی ترتیب اور تہذیب خود شاعر کے ہاتھوں انجام پاتی ہے۔اس سے شاعری یعنی شعریات کا بالآخر وہی مزاج تیار ہوتا ہے جو کسی شاعر کا اپنا مزاج ہو۔ اس لئے الفاظ اور نظریات بدل بدل کر اردو شاعری کے مزاج کے رخ کو گاہے بگاہے بدلنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن ہمیشہ یہ فراموش کیا گیا ہے کہ اردو شاعری کی اپنی الگ فطرت ہے جو اپنی پیدائش ہی سے نیکی' محبت' خلوص' وفا' درد' ذوق' جمال' ایثار اور احسان جیسے اخلاق سے آراستہ رہی ہے۔یہی اردو شاعری کا حسنِ اول ہے۔

اردو شاعری خواہ کسی حد تک ترقی کر جائے اور اس میں کیسی بھی جدت پیدا ہو جائے مگر یہ اپنی حسنِ اول کی وجہ سے جس کی بنیاد صوفیائے کرام نے رکھی تھی آج بھی محبت' نیکی' وفا' خلوص' درد' ذوق' جمال' ایثار اور احسان جیسے اخلاق وقتاً فوقتاً ظاہر کرتی رہی ہے۔ یہ اردو شاعری کی وہ آفاقی تہذیب ہے جس پر مختلف نظریات' رجحانات' افکار اور مسائل کی چھاپ رہتی ہے زمانے کے تغیرات کے ساتھ ساتھ ایسا بھی ہوا ہے کہ اردو میں کوئی حالی پیدا ہو گیا ہے جس نے شاعری سے اخلاق اور جذبات کی تعمیر کا کام لیا ہے اور اس کی بنیادی پہچان کو از سر نو تازہ کرنے کی کوشش کی

ہے۔ زمانے کے اسی تغیر نے کسی اقبال کو پیدا کیا ہے جس نے اردو شاعری کو روح حیات اور انا قیت کا جامہ پہنایا ہے اور اردو شاعری کی بنیاد میں جو مزاج رکھا گیا تھا اس کی ایسی آفاقی توجیہہ سامنے لاتی ہے کہ اس کی وجہ سے پوری اردو شاعری کا معیار اور وقار بلند ہوا ہے۔ علامہ اقبال نے اردو شاعری کے کینوس کو اس قدر پھیلایا کہ اردو شاعری انسانی جذبات اور احساسات کے اظہار کے ساتھ' فطرت اور کائنات سے ہم آہنگ ہوتی ہوئی خدا سے جا ملی۔ اقبال نے معرفت اور حقیقت کے وہ حقائق بیان کئے جن کے اظہار سے اردو شاعری قاصر تھی۔ علامہ اقبال نے بیسویں صدی کے اجتماعی لاشعور کو از حد متاثر کیا۔ ان کا اثر بہت سی نسلوں پر رہا اور آج بھی جاری ہے' حتیٰ کہ ترقی پسند تحریک کے بعض علم داروں پر بھی اقبال کا اثر رہا۔ خود فیض احمد فیض کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ترقی پسند ہونے کے باوجود جزوی طور پر شعری صوتیاتی آہنگ اور لہجہ کی نغمگی میں اقبال سے ملتے ہیں۔ اس طرح جوش' جگر اور حفیظ جالندھری پر بھی یہ اثرات نمایاں رہے۔ پھر ان شعراء کا اپنا مزاج بھی ان کے شعری Diction کی تشکیل میں برابر کا حصہ دار رہا۔ ذرا بعد میں علامہ جمیل مظہری کا بھی نام لیا گیا' کہ ان پر بھی اقبال کا اثر رہا بلکہ اقبال کی روایت کو انہوں نے آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ خودی کا فلسفہ ہو یا ہستی کے دوسرے مسائل ہوں' ان کے یہاں بھی جزوی طور پر اقبال کا آہنگ بولتا ہے۔ علامہ جمیل مظہری کا یہ شعر اقبال کی پیروی کرتا ہے۔

بقدر پیمانۂ تخیل سرور ہر دل میں ہے خودی کا
اگر نہ ہو یہ فریب پیہم تو دم نکل جائے آدمی کا

تاہم بعض ناقدین نے جمیل مظہری کو تشکیک کا شکار ثابت کر کے' ان کے اس پہلو کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی ہے۔ جدید اردو شاعری میں بھی آپ دیکھیں تو بہت سے ایسے شعراء ملیں گے' جن کے ہاں لب ولہجہ اور ہیئت واسلوب میں جدت کے باوجود ایسی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے جو اقبال کی طرح پرشکوہ آہنگ کی ضامن ہو۔ اس ضمن میں جدید اردو کا ہر بڑا شاعر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اقبال ہماری آرکی ٹائپ کا حصہ بن چکے ہیں۔ احمد فراز کا یہ مشہور زمانہ شعر دیکھئے۔

رنجش ہی سہی دل ہی دکھانے کے لئے آ
آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لئے آ

اس شعر کی صوتیات میں اقبال کے ابتدائی دور کا آہنگ صاف نمایاں ہے۔

حسین سحر کی شاعری کے سلسلے میں عرض کرنا ہے کہ حسین سحر بھی دور جدید کے ان باوقار اور معیاری شعراء کی صف سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنے اسلوب وادا اور لب ولہجہ سے پورے طور پر جدید بلکہ جدید تر شاعر کی حیثیت رکھتے ہیں اور اپنے موضوع منصب اور تمثیل کے اعتبار سے جدید اردو شاعری میں ایک وسیع کینوس اور آفاقی تصور مرتب کر رہے ہیں۔ حسین سحر کی شاعری کا یہ وسیع کینوس جدید اسلوب میں پرشکوہ' بلند' وضع اور صالح روایات وآثار کا متحمل ہے۔ اسی کے ساتھ زندگی کے بہت سارے مسائل درد' اعتبار' محبت' وفا' خلوص' حکمت' شجاعت اور جہدان کی شاعری کے سفر میں پیش پیش ہیں۔ وہ پرشکوہ لہجہ کے شاعر ہیں جو زندگی کی آفاقی قدروں کی ہم نوائی بھی کرتے ہیں اور اپنے اشعار کے ذریعہ اس کے تہذیبی عمل میں بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ حسین سحر کے یہاں ان کا پرشکوہ آفاقی اسلوب جگہ جگہ نمایاں ہے۔

تمام عمر تخاطب مرا مجھی سے رہا — سوال میں نے کئے ہیں جواب میرے ہیں
جدھر سے گزریں جہاں جائیں سب نگران کے — مسافر اپنی کوئی سرزمیں نہیں رکھتے
میں لہلہاتی شاخ کو سمجھا تھا زندگی — پتا گرا تو درسِ فنا دے گیا مجھے
چاروں طرف سلگتے بگولے ہیں رقص میں — محسوس ہو رہا ہے کہ صحرا سفر میں ہے
دشتِ خلا کی وسعت بے پایاں کیا کروں — مجھ کو تو اپنی ذات کی پہنائی چاہئے

حسین سحر شعریات عصر کی تعمیر اور تسلسل میں اپنے مخصوص پرشکوہ لہجہ اور آفاقی حیثیت کی وجہ سے غیر معمولی تجربے سے گزرے ہیں۔ وہ اپنی شاعری کے ذریعہ زندگی کی ترتیب وتزئین اور اس کے تمثیلی افکارات میں برابر کے شریک ہیں۔ شاعری کو آفاقی حیثیت سے جوڑنا اور زمین یا خاکی تحدیدات کے ساتھ توافق پیدا کرنا حسین سحر کا کام ہے۔ ان کی نظر وقت کو سمجھنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ حسین سحر کے شعری افکارات میں صرف شاعری برائے شاعری کا عمل نہیں ملتا بلکہ تعمیر

حیات اور شاعری برائے زندگی کی تمثیل ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار میں کوئی حکمت کوئی نکتہ کوئی شکوہ بولتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ قاری صرف اشعار کی صوتی اور معنوی تزئین ہی سے لطف اندوز نہیں ہوتا بلکہ وہ اشعار کی صوتیات اور معانی سے گزرتا ہوا بصیرت تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ یہ کہا جائے گا کہ حسین سحر کی شاعری ہمیں صوتیات اور معانی کی مسرت سے گزارتی ہوئی بصیرت تک پہنچاتی ہے۔ مسرت سے بصیرت کا سفر ہی شاعری کے کینوس کو پھیلاتا ہوا اسے آفاقی سرحدوں تک پہنچاتا ہے۔ مسرت اور بصیرت کے اندر ہی جذبات و احساسات کے وہ تمام مضمرات شامل ہیں جن پر شعریات کے مباحث قائم ہوتے ہیں۔ جناب حسین سحر نے نہ صرف یہ کہ اس سفر کو طے کیا ہے بلکہ اس راہ میں انہوں نے دوسروں کے لئے اپنے نشانات قدم بھی چھوڑے ہیں۔

یہاں تو اپنی ہی خوبی ہے ذات کی دشمن — سلگ رہے ہیں کئی پیڑ اپنی چھاؤں میں
جن خوابوں کی کوئی بھی تعبیر نہیں — دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں ایسے خواب
ہے میرے چاروں طرف اک ہجوم چہروں کا — حصار ذات میں اس طرح کھو گیا ہوں میں
وصال و ہجر کی ہر کیفیت محبت ہے — کوئی بھی وقت ہو اس دائرے میں آئے گا
میں نے تو کاغذ پہ اس کا نام لکھا تھا سحر — حرف سارے اوڑھ کر خوشبو کہاں سے آ گئے

حسین سحر کی شاعری میں عصری آگہی اور زندگی کی بدلتی ہوئی قدروں کی جمالیات بھی ملتی ہے۔ بیسویں صدی میں صنعتی ترقیات کے ذیل میں محنت، کام اور معاشرہ کی جو جمالیات بدلی ہے اور زندگی، مشینی زندگی سے جس قدر مغلوب ہوتی گئی ہے۔ اس کا وسیع تر احساس ان کے یہاں ملتا ہے۔ جدید احساسات سے بھرے ہوئے ان کے یہاں ایسے بہت سے اشعار ملتے ہیں جو ہمارے اجتماعی لاشعور پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ اس ضمن میں حسین سحر کا یہ شعر۔

دھواں اگلتی ہوئی چمنیاں یہ کہتی ہیں — حیات روز سلگتی ہے کارخانوں میں

اس ''حیات روز سلگتی ہے'' کا جواب نہیں۔ اس ایک شعر میں پورے عہد کو بند کر دیا گیا ہے۔ مشینی زندگی اور محنت کی جمالیات پر یہ شعر ایک ایسا وجدانی کلیہ ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ اسی طرح مشینی زندگی اور اس کے اعمال میں توافق کے سبب انسانی زندگی کس حد تک اپنا غیر مرئی،

پیرہن بدلتی ہے اور کس طرح اندرون میں تاریکیوں کا انعکاس نمایاں ہوتا ہے۔ حسین سحر اس احساس کو خبر کے ساتھ نظر کی وسعتوں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے خود بخود ان کے یہاں ایک جمالیاتی فعالیت پیدا ہو گئی ہے وہ کہتے ہیں۔

ذہن جب تاریک ہو جائیں مشینوں کے طفیل — جذب دل کی روشنی کو عام کرنا چاہئے
اس قدر راتوں کی تاریکی کے ہم عادی ہوئے — صبح کی پہلی کرن چمکی تو ڈر کر رہ گئے

اسی ذیل میں درج ذیل شعر کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔

جس کی بنیاد پہ نفرت کا نہ سایہ جائے — ایسا اک شہر محبت کا بسایا جائے

اپنی شعری تمثیلات میں حسین سحر اکثر حال، جذبہ اور عمل کے توافق سے بھی کام لیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ان کے اشعار میں دعاوی اور دلائل ایک ہی جگہ بہ آسانی جمع ہو جاتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ دعاوی خود دلائل پیدا کر دیتے ہیں۔ لہٰذا شعر بغیر کسی قشری قوت کے اپنے آپ میں مکمل معنوی اکائی بن جاتا ہے۔ اور یہ دلائل کو اپنے آپ سے اس قدر قریب کر لیتا ہے کہ شعر سے ہماری نظر ہی نہیں ہٹتی۔ شعری عمل کی تہذیب کا یہ انوکھا طریقہ ہے۔

میں ہوں گرداب کے حلقے میں مگر چاہتا ہوں — دور تک یونہی مرے ساتھ کنارہ جائے

اب آپ دیکھیں کہ دوسرے مصرعہ میں جو معنی کی تخریج ہے وہ پہلے ہی مصرعہ کے عمل میں موجود ہے یا اس سے لحاظی طور پر اتفاق قائم کر رہی ہے۔ عام طور پر تخلیقی عمل ایسے موقعوں پر ان .....تلازموں کی تلاش میں نکل پڑتا ہے جو اجتماعی عادات اور اعمال سے افتراق کے بغیر پیدا ہوں، مگر فوری طور پر شعر کی خوبی ہمیں ایسے افتراق سے بے گانہ کر دیتی ہے اور ہماری شعری سوچ کو غیر متوقع معنوی اعماق کی طرف لے چلتی ہے۔ یہ ذائقہ شاعری کے بعید از قیاس اور بے مثل مقامات کی سرحدوں میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے ایسے میں تفہیمات کا دائرہ بھی اپنے حدود کو وسیع کرتا ہوا اپنے مخازن کی طرف پھیلنا شروع کر دیتا ہے۔ اس ذیل میں یہ دو اشعار دیکھیں۔

روح کے زخموں کی شادابی کہاں ہے مستقل
ایک دن یہ لہلہاتی فصل بھی کٹ جائے گی

میرے لئے تو سانس بھی لینا محال ہے
یہ کون زندگی کی دعا دے گیا مجھے

حسین سحر اردو شاعری میں 40ء کے بعد تیار ہونے والی جدید نسل سے تعلق رکھتے ہیں جن میں احمد فراز، ندا فاضلی، مظفر حنفی، ظفر اقبال، عرفان صدیقی، عنوان چشتی، مخمور سعیدی، امجد اسلام امجد، شہزاد احمد، علیم اللہ حالی، لطیف الرحمٰن، مظہر امام، علیم صبا نویدی، اقبال ارشد، ناصر زیدی، انور شعور، پروین شاکر، ساجدہ زیدی، ثروت عثمانی، توصیف تبسم، ظفر گورکھپوری، فرحت قادری، صدیق مجیبی، رفعت سروش، شہریار، بشیر بدر اور احمد عقیل وغیرہ کا نام آتا ہے۔ انہوں نے جدید اردو شاعری کی ہیئتی اور معنوی تشکیل و ترتیب میں اپنے فکری اور تخلیقی امتیازات کے ذریعہ آفاقیت کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔ وہ قابل قبول حد تک جدیدیت کے استعاروں کو قبول کرتے ہوئے اپنے رنگ کو نمایاں کرتے ہیں۔ شعری تہذیب کے عمل میں وہ اپنی شناخت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ان کی شناخت خود ان کا اپنا حوالہ ہے۔ وہ ہیئت اور ادائیگی میں تو جدید تر لہجہ میں بولتے ہیں مگر فکر اور تجربے میں آفاقیت اور شکوہ کو فروغ دیتے ہیں۔

اوپر عرض کیا گیا تھا کہ علامہ اقبال نے ہماری آرکی ٹائپ یا اجتماعی لاشعور پر جو اثر ڈالا ہے اس سے جدید سے جدید لہجہ اور ہیئت بھی متاثر ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں ادب و فن کی ہر تخلیقی جہت بالواسطہ یا بلاواسطہ شعوری یا لاشعوری طور پر اس اثر میں شامل ہے۔ اس لحاظ سے خود فنی تعمیر کا عمل ہی اپنے اظہار میں اس نفسیات کا شاہد ہے۔ ضروری نہیں کہ اس اظہار میں وہ سارے مکالمے اور تحدیدات شامل ہو جائیں جو ادب و زندگی کو امتیاز عطا کرتی ہیں۔ اور اسے ہمہ جہتی حوالوں میں پیش کرتی ہیں۔ چنانچہ اسی کے ساتھ یہ سفارشات بھی قابل عمل بن جاتی ہیں کہ شعری تخلیقات میں اجتماعی لاشعوریت کو شاعر اپنی ذاتی تحدیدات میں پیش کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے۔ حسین سحر کی شعری اور تخلیقی تحدیدات خود ہی ایسے حوالوں کو پیش کرتی ہیں جو انہیں ایک جانب تو جدید عملیات کا نشان عطا کرتی ہیں دوسری جانب ہر قدم پر انہیں اس پرشکوہ آہنگ اور آفاقی تصور کے ساتھ قائم رکھنا چاہتی ہے۔ جدید مزاج اور عملیات کا یہ نشان ان کے پرشکوہ اور

بلند لہجہ کو آفاقی توسیع کی طرف لے چلتا ہے۔

حسین سحر کی شاعری کا یہ امتیاز ہمیں زندگی کی جستجو میں کسی قشری قوت پر غیر محسوس مراقبے سے اعتماد اور انحصار بھی سکھاتا ہے اور زندگی کی انفعالیت سے آزاد بھی کرتا ہے۔ حسین سحر کی شاعری میں ہمیں ان تمام توقعات سے گزرنا پڑتا ہے جو کسی شاعر کے شعری مزاج اور آہنگ میں مخصوص زاویہ بناتی ہوئی آگے بڑھتی ہیں۔ حسین سحر کی شاعری کی اجمالی تعریف قائم کرنے میں ان کا اسلوب معاون ہے۔ حسین سحر ایک سیسے Calibre کے شاعر ہیں۔ جو اپنے شعری افکارات کو مطلوب معیار اور حیثیت سے آشنا کرانے کے لئے پے در پے تجربوں سے گزارتے ہیں۔ وہ اکثر اشعار میں ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو بہت بلند و بالا ہوں اور اپنے بلند آہنگ کے ذریعہ تخلیق کے عمل کو بارعب اور قابل قدر بناتے ہوں۔۔ حسین سحر کے یہاں زندگی دراصل تمناؤں جذبوں اور محسوسات کی تحدید ہے۔ کبھی کبھی زیب داستان کے لئے وہ ان حدود سے باہر بھی نکل آتے ہیں مگر جلد اپنی جگہ لوٹ آتے ہیں۔ شعوری عمل اور تخلیقی احکامات کے لئے جس قدر آزاد اور پروقار ہو کر جینا پڑتا ہے، حسین سحر اس سے زیادہ آزاد اور پروقار ہیں۔ وہ زندگی اور شاعری کو بہ یک وقت ایک ہی خانے میں رکھتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ اس لئے شعری محاظرات بھی انہیں رویوں کو اختیار کرتے ہیں جو زندگی اور فن کے درمیان روابط پیدا کر سکیں۔ حسین سحر اس عمل میں بہت کامیاب ہیں۔ وہ شاعری میں ایسے تلازموں سے بھی کام لیتے ہیں جو تخلیق کی کسی جہت سے خود بخود نمودار ہوتے ہیں۔ لہٰذا واقعاتی سطح پر تو یہ کوئی نئی بنیاد نہیں ہے مگر شعری استعاراتی اسالیب ایسے بیان کو بہت زیب دیتے ہیں۔ مثلاً حسین سحر کا ایک شعر دیکھئے۔

میں تو گرداب بلا میں ڈوب ہی جاتا مگر
اس قدر دریا میں یہ بازو کہاں سے آ گئے

گرداب بلا کے اندر ڈوبتے ہوئے شخص کو عموماً کسی خارجی سہارے کی ضرورت پڑتی ہے، مگر یہاں سہاروں کا محل خود ڈوبتے ہوئے شخص کی ذات ہے۔ لہٰذا یہ شعر خود اعتمادی کو مہمیز لگاتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حسین سحر ہمارے دور کے ان بڑے شاعروں میں

ہیں جو شعری ترغیبات اور تمثیل کو اردو میں بڑے کینوس پر پیش کر رہے ہیں۔ جدید اسلوب انسانیت اور اخلاق اپنے مختلف تیوروں کے ساتھ ان کے یہاں جمع ہیں۔ وہ پرشکوہ لہجہ اور پروقار آہنگ کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری آفاقی تصور کو پیش کرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے معاصر شعری ادب میں ممتاز ہیں۔

چشم بر آواز۔۔ حُسین سحر

ڈاکٹر انور سدید

حُسین سحر کو پڑھتے ہوئے میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا ہے کہ وہ نئے انداز کی تازہ اور توانا غزل ہی نہیں کہہ رہے بلکہ اس صنف ادب میں تخلیق کاری کرتے کرتے اس مقام پر بھی پہنچ گئے ہیں جہاں شاعر اپنا ذاتی تشخص قائم کرنا ضروری تصور نہیں کرتا بلکہ اس کے جذبے کی تطہیر جب شعر کا قالب اختیار کر لیتی ہے تو وہ جذباتی اور روحانی طور پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس نے اظہار مکمل کر لیا ہے اور شاعر تخلیق کے بطون میں سما گیا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے بچہ پیدا ہو تو ماں باپ طمانیت محسوس کرتے ہیں کہ اب ان کی ذاتی شناخت مٹ بھی جائے تو ان کا سلسلہ نسب ختم نہیں ہوگا۔ حُسین سحر کی غزل بھی ان کے سلسلہ نسب کو آگے بڑھانے والی غزل ہے۔ یہ ایسی غزل ہے جو پہلے اپنا تعارف خود کراتی ہے اور جب دل میں اتر جاتی ہے تو پڑھنے والا یہ جاننے کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے کہ اس غزل کا خالق کون ہے؟

یہ مختصر سی تمہید میں نے اس لئے باندھی ہے کہ نئی غزل میں ایک امتیازی حیثیت رکھنے کے باوجود حُسین سحر بہت زیادہ مشہور غزل نگار نہیں، بڑے شہر کا نقاد جب تعلقات عامہ کا مدار وسیع کرنے کے لئے غزل گو شاعروں کی ایک لمبی کھتاؤنی بناتا ہے تو نثار اکبر آبادی پر پہنچ کر اس کا سانس پھول جاتا ہے اور پھر تنقید کا فرض کفایہ ادا کرتے کرتے وہ بھول جاتا ہے کہ اچھی غزل کراچی، لاہور، اسلام آباد اور پشاور ہی میں نہیں لکھی جا رہی بلکہ اس کو تازگی اور توانائی عطا کرنے والے تو ملتان، کبیر والہ، ساہیوال، مرید کے، فاروق آباد، بھکر، کلورکوٹ، خانیوال، وہاڑی اور پتوکی میں آباد ہیں اور ایسی غزل لکھ رہے ہیں جس کے لئے لوگ چشم بر آواز رہتے ہیں۔ یہ غزل لاہور کے ممتاز ادبی رسائل میں دیر سے چھپتی ہے لیکن اس کی خوشبو اشاعت سے پہلے ہی دیوار چمن عبور کر جاتی ہے اور بعض اوقات تو ثقہ غزل گو مضافات سے آئی ہوئی نئی زمین اور نئی بحر میں اپنی غزل لکھ کر مشاعرے میں بھی پڑھ دیتے ہیں اور حُسین سحر جیسے شاعر فرطِ ادب سے یہ بات بھی نہیں کہہ سکتے کہ

''خوشہ چینی ان کے خرمن ہی سے کرلی گئی ہے''

حُسین سحر بھی ملتان کے ایسے ہی شاعر ہیں جو اخبار' جریدہ' ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی ضرورت پوری کرنے کے لئے غزل نہیں کہتے' شعر کہنا ان کی داخلی اور فطری ضرورت ہے۔ یہ بوئے سحر کا مست بلاوا ہے جس کی صدا پر حسین سحر کے جذبات کا قافلۂ نو بہار چل پڑتا ہے۔ اور جب ہمارا دل موسیقی کے نرم لہرے میں تیرنے لگتا ہے اور خوشبو محیط جان ہو جاتی ہے تو حسین سحر ہمیں نظر نہیں آتے ان کی شاعری کا مینی فیسٹو جوان کی زندگی اور فن سے ماخوذ ہو کر ہمارے سامنے آ گیا ہے وہ کچھ یوں ہے۔

کس نے دیکھی ہے لبوں کی خوشبو
کون سنتا ہے نظر کی آہٹ

اور اس سے ہی خیال آتا ہے کہ حسین سحر کے ہاں خود کو نمایاں کرنے یا اپنی ذات کو مرکز کائنات بنانے کا جذبہ موجود نہیں اور وہ اپنے داخل میں موجزن رہنے کے آرزومند ہیں' حسین سحر اپنی خواہشات کا اسیر بن جانے کے بجائے ایسے حواس پر غالب آ جانے کی سعی کرتے ہیں جن سے خواہشیں پیدا ہوتی ہیں اور شاعری سے عبادت کا عنصر معدوم ہو جاتا ہے۔ حسین سحر نے بات استعارے میں کہی ہے لیکن دیکھئے وہ چکا چوند روشنی سے کیسا خوف محسوس کرتے ہیں۔

شام ہوتے ہی کہاں ڈوبے گا؟
صبح سے سوچ رہا ہے سورج
وہ جس کو گرمی بازار کہہ رہے ہیں لوگ
مجھے تو حشر کا منظر دکھائی دیتا ہے
جب دھوپ کی تلوار چمکتی ہے سروں پر
ہر رنگ بکھر جاتا ہے' مرجاتی ہے خوشبو

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حسین سحر نے ظلمت اور تاریکی کو قبول کیا ہے یا اس کی تمنا کی ہے حسین سحر جس روشنی سے خائف ہیں وہ جسم و جاں کو جھلسا دینے اور آنکھوں کو خیرہ

کر ڈالنے والی روشنی ہے۔ صبحِ صادق سے قبل اندھیرے کی کوکھ سے پیدا ہونے والی ملگجی روشنی یا شام کی تیرگی میں پھیلے ستارے سے بیدار ہونے والی روشنی کی مہین سی لکیر تو حسین سحر کو لطافت ہی نہیں قوتِ گویائی بھی عطا کرتی ہے۔ وقت کے یہ دونوں قطعے ایسے ہیں جب شور مدھم پڑ جاتا ہے اور سکوت سخن جوئی پر آمادہ ہوتا ہے۔ میرا جی نے سچی شاعری کو انہیں لمحات کی زائیدہ قرار دیا ہے۔ اس وقت شاعر اپنے اندر کی آواز سنتا ہے وہ فطرت کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے۔ اور اس کا خیال لو دینے لگتا ہے۔ ایسے لمحات میں ہی حسین سحر پر شاعری کی دیوی مہربان ہوتی ہے اور وہ اپنی خلاقی کا مظاہرہ اپنے مخصوص اسلوب میں کرتے ہیں:

تیرے خیال کی مشعل جلے اگر دل میں
تو اس اندھیرے مکاں میں بھی روشنی آئے
شام کی تیرگی میں ایک ستارہ چمکا
اجنبی شہر میں یہ کس نے پکارا مجھ کو
ان کی آنکھوں کے ستاروں کا خیال آتے ہی
ظلمتِ شب میں ہوئے یاد کے جگنو رقصاں

حسین سحر کی غزل پڑھتے ہوئے مجھے یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ وہ تاریکی اور روشنی' رات اور دن کے سنگم پر کھڑے ہیں اور دو مختلف دنیاؤں کا نظارہ کر رہے ہیں' چنانچہ ان کے ہاں جو خوف پیدا ہوتا ہے اس نے انقباض کی کیفیت کو سطح پر ابھارا ہے۔ لیکن جب خوف اٹھ جاتا ہے تو کشادگی کا احساس ہوتا ہے' فضا کھل جاتی ہے۔ محدود تناظر کو لامحدودیت مل جاتی ہے۔ دھندلے نقوش داخلی قوتِ گویائی سے فیضیاب ہو جاتے ہیں۔ اس ضمن میں پہلے خارج سے جمع کی ہوئی چند حقیقتیں دیکھئے جو شاعر کو گراں بار کر رہی ہیں۔

دھواں اگلتی ہوئی چمنیاں یہ کہتی ہیں
حیات روز سلگتی ہے کارخانوں میں
آنکھ تو بے منظری کے خوف سے پتھرا گئی

181

بے یقینی کی خزاں میں دل بھی مرجھانے لگا
شہروں کا بھی مستقبل محفوظ نہیں
ہر اجڑی ویراں بستی کچھ کہتی ہے
گرم جوشی تھی کل، سرد مہری ہے اب
لوگ موسم کی صورت بدلنے لگے
اب کے چاروں سمت یوں برسا ہے تنہائی کا زہر
شہر بھی ویراں نظر آیا مرے گھر کی طرح

ایسے اشعار میں یوں لگتا ہے کہ حسین سحر کو زمانے کی نوکِ خار مسلسل کچوکے لگا رہی ہے۔لیکن اس لمحے کو دوام حاصل نہیں۔ جونہی یہ لمحہ گزر جاتا ہے حسین سحر کے اندر کی کائنات روشن ہو جاتی ہے اور وہ شاعری میں خود کلامی کرنے لگتے ہیں تو اپنوں کی طرح لطیف اور معطر محسوس ہوتے ہیں اور صاف نظر آتا ہے کہ اب وہ خارج کی منفی قوتوں کا مقابلہ جواں مردی اور تنومندی سے کر رہے ہیں اور انہوں نے اس مقابلے کے لئے اپنے ماضی سے اور ماضی کی حسین یادوں سے بے پناہ قوت حاصل کر لی ہے۔

محرومیوں کی دھوپ کی پروا نہیں مجھے
رقصاں ہیں تیری یاد کے سائے خیال میں
میں وہ ابرِ رواں ہوں کہ تیری زمیں کے لئے
کتنے صحراؤں کی تشنگی چھوڑ آیا ہوں میں
ذہن جب تاریک ہو جائیں مشینوں کے طفیل
جذبِ دل کی روشنی کو عام کرنا چاہئے
پھیلی ہے کچھ اس طرح دھنک تیرے بدن کی
رنگوں سے چمک اٹھا ہے آنگن مرے گھر کا
اس کے چہرے کے شفاف آئینے میں

182

خوشبوؤں کا عکس دکھائی دیتا ہے
گوشے گوشے میں ہے رنگا رنگ خوابوں کی دھنک
ذہن بھی اس کے خیالوں کا عجائب گھر نہ ہو
عجب نظارہ دکھائی دیا فضاؤں میں
زمیں طلوع ہوئی چاند کے خلاؤں میں

اشعار پڑھ کر یہ احساس نہیں ہوتا کہ حسین سحر نے اک موج ہوا پہچان کو دیکھ لیا ہے اور اب انہیں میر تقی میر کے انداز میں زنجیر نظر آنے لگی ہے۔اس کے برعکس میرا اندازہ ہے کہ خارج کے جبر سے آزاد ہونے، معاشرے کی بند فضا سے نکلنے اور مشینوں کی میکانیکیت سے گلو خلاصی پانے کے بعد جب وہ سیر لامکاں کے لئے نکل جاتے ہیں تو ایک دائمی مسرت سے ہم کنار ہو جاتے ہیں، حسین سحر کی غزل نے چونکہ صحرا کی کھلی فضا میں پرورش پائی ہے اس لئے ان کی تمثالوں میں بھی وسعت اور تحرک کی فراوانی ہے۔ ابرِ رواں، آوارہ بگولے، آواز کی کرن، ظلمتِ شب، چراغِ صدا، ریگِ دل پر یادوں کے نشان جیسی ترکیبوں کو پیشِ نظر رکھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ حسین سحر نے ایک ایسی چیز کو جو ساکن ہے دوسری ایسی چیز کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے جو مظہرِ تحرک ہے۔اور اب اس ترکیب سے جو خیال غزل کے شعر سے طلوع ہوتا ہے وہ لکۂ ابر کی طرح رواں اور پرفشاں نظر آتا ہے۔مثال کے طور پر حسین سحر شمعِ آرزو لے کر چلیں تو درد و غم کا اندھیرا سفر کرنے لگتا ہے۔ شدتِ احساس بڑھے تو پتھر کا خون کدال پر تیرنے لگتا ہے۔چہرے کے شفاف آئینے میں عکس مجسم نہیں ہوتا بلکہ خوشبو کی طرح فضا میں پھیل جاتا ہے۔اور انہیں محبسِ دل سے رہائی ملے تو وہ زلفوں کی گھٹا بن جانے کی تمنا کرتے ہیں۔حسین سحر کی غزل میں جب اس قسم کے موضوعات آتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین کے ساتھ ساتھ اپنا ناطہ قائم رکھتے ہوئے پرواز کے آرزو مند بھی ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے بگولوں کا ہم سفر بننے کی آرزو نہیں کی، بلکہ اپنی راہ خود متعین کی ہے اور جس نگر سے گزرے ہیں اسی کو اپنا گھر بنا لیا ہے۔

جدھر سے گزریں، جہاں جائیں، سب نگر اُن کے

مسافر اپنی کوئی سرزمیں نہیں رکھتے
خودبخود پاؤں رکے جاتے ہیں
یہی شاید ترا رستہ ہوگا

میں نے عرض کیا ہے کہ حسین سحر کی شاعری ہمیں دو مختلف دنیاؤں کا نظارہ کراتی ہے۔ اس قسم کے سنگم پر حیرت بھی پیدا ہوتی ہے اور تجسس کا جذبہ بھی بیدار رہتا ہے۔ زندگی کبھی سوال بن کر سامنے آتی ہے اور کبھی شاعر کا تجربہ ہی اس کا جواب بن جاتا ہے حسین سحر کی غزل میں یہ دونوں صورتیں بے حد دلآویز انداز میں ابھری ہیں، یعنی کبھی وہ اپنی حیرت کو سوالیہ نشان بنا دیتے ہیں۔

اک کرن آواز کی ڈوبی تھی دشتِ شام میں
شہر کے سارے دریچے بے صدا کیوں ہو گئے؟
یہ آئنہ میرے پہلو میں کیوں چمکتا ہے؟
دیارِ سنگ میں رہ رہ کے سوچتا ہوں میں
یہ خاک اڑاتے ہوئے آوارہ بگولے
مجھ کو میری منزل کا پتہ کیوں نہیں دیتے؟
گر اس کا چہرہ ہے شفاف آئینے کی طرح
تو میرا عکس مجھے کیوں نظر نہیں آتا؟
جو میرے رگ و پے میں سلگتی ہے مسلسل
اُس آگ کو کس نام سے تعبیر کیا جائے؟

اور کبھی اس قسم کے سوالات حسین سحر نے خود اپنے آپ سے کہے ہیں تو ان کا جواب بھی فراہم کیا ہے ان کے مندرجہ ذیل شعر میں ان کے اس طرزِ عمل کی طرف واضح اشارا موجود ہے۔

تمام عمر تخاطب مرا مجھی سے رہا
سوال میں نے کئے ہیں، جواب میرے ہیں

حسین سحر کے سوالات اضطراب آسا ہیں۔ لیکن دیکھئے ان کے سوالات میں حرص و ہوس کا پرتو

نظر نہیں آتا۔ وہ نفسِ مطمئنہ رکھنے والے انسان ہیں اور زندگی کو طمانیت آمیز نظروں سے دیکھتے ہیں۔

روح کے زخموں کی شادابی کہاں ہے مستقل؟
ایک دن یہ لہلہاتی فصل بھی کٹ جائے گی
صحرا کی سمت جائیے کیوں شہر چھوڑ کر؟
ویرانیوں کی دل کے نگر میں کمی نہیں
تجھ کو دیکھوں تو کہاں تک دیکھوں؟
نظر آتا ہے کہ ہر سو تو ہے

دلچسپ بات یہ ہے کہ حسین سحر نے داخلی مسرت اور قلبی طمانیت حاصل کرنے کے لئے آرزوؤں کی جگمگاتی ہوئی کہکشاں مرتب نہیں کی، ان کی امیدیں ایسی نہیں ہیں کہ ٹوٹیں تو پھر پیدا ہی نہ ہوں، انہوں نے تمنا کا دوسرا قدم اٹھانے اور عرش سے پرے ایک اور مقام حاصل کرنے کی خواہش بھی نہیں کی۔ ایک قانع انسان کی طرح انہوں نے چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو زندگی کا حاصل قرار دیا ہے۔ اور بحرِ حیات میں تنکے کی طرح بہنے کی تمنا کی ہے۔ حسین سحر کا جہانِ آرزو نظر کو خیرہ نہیں کرتا بلکہ دل پر شبنم سی بکھیر دیتا ہے۔ اور یہ رویہ ایک ایسے عام آدمی کا ہے جو عظیم انسان کہلانا پسند نہیں کرتا اور صحرا کی ریت پر پاؤں رکھ کر مسرت محسوس کرتا ہے۔ حسین سحر کی سادہ اور بے ساختہ آرزوؤں کی ایک مثال ان اشعار میں دیکھئے:

محسوسِ دل سے رہا ہو جاؤں — میں تیرے لب سے ادا ہو جاؤں
تشنگی یوں نہ بجھے گی دل کی — تیری زلفوں کی گھٹا ہو جاؤں

اب تو دریا میں اتر آیا ہوں
چاہے جس سمت بہا لے جائے

خودبخود پاؤں رکے جاتے ہیں — یہی شاید تیرا رستہ ہوگا
اسی امید پہ کب سے ہوں چشم بر آواز — سنائی دیتا ہے جو کچھ، دکھائی بھی دے گا

آ ہی جائے گا سکوں پر یہ لہو کا دریا
درد سیلاب کی مانند گزر جائے گا

حسین سحر کی غزلیں ہمارے سامنے صرف شاعری پیش نہیں کرتیں یہ اس شاعر کو بھی منکشف کرتی ہیں جس کی شاعری اور شخصیت میں دوئی نہیں ہے۔ ان کی غزل اپنا ایک علیحدہ ''بلڈ گروپ'' رکھتی ہے۔ چنانچہ کئی لوگ جب ان کی وضع کردہ زمینوں میں شعر آزمائی کرتے ہیں تو صاف نظر آ جاتا ہے کہ انہوں نے حسین سحر کے اترے ہوئے کپڑے پہن لیئے ہیں۔ بلاشبہ حسین سحر نے شہرت کی خلعتیں عطا کرنے والے درباروں تک رسائی حاصل نہیں کی۔ کیوں کہ یہ ان کے مزاج کے خلاف ہے۔ اس کے باوجود ان کی غزل نے اس دور کی فیشنی غزل سے الگ اپنا مابہ الامتیاز پیدا کیا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ ایک ہندوستانی نقاد نے اپنے ایک مقالے میں اس دور کی غزل کے چند نمائندہ اشعار اقتباس کئے تو اس کڑے انتخاب میں حسین سحر کے تین اشعار موجود تھے لیکن ان کے اپنے وطن میں منتخب اردو غزل کا ایک ضخیم مجموعہ چھپا تو حسین سحر کو اس میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔ اگلے روز حسین سحر اس ضخیم انتخاب کے مرتب سے اہل قلم کے نئے پرچے کے لئے غزل منگوا رہے تھے تو انہوں نے مجھے اپنا یہ شعر سنایا۔

ہم اسے یاد کئے جاتے ہیں
جس کی عادت ہے بھلائے رکھنا

اور پھر حسین سحر بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ ان کا قہقہہ میرے ذہن میں اب تک گونج رہا ہے۔

دھیمے لہجے کا شاعر

ڈاکٹر سید احسن زیدی

عمرانیات کے ماہرین کا خیال ہے کہ انسان کی قوت گویائی شدت جذبات کی زائیدہ ہے۔ جب اس کے وجود میں محسوسات کا لاوا حدت و حرارت کی مطلوبہ مقدار سے بڑھ گیا اور اس بات کا امکان پیدا ہوا کہ گرمیٔ احساس سے وہ پھٹ کر بکھر جائے گا تو قدرت نے اس دباؤ کو کم کرنے کے لئے اسے زبان کی شکل میں ایک Outlet عطا کیا۔ جس کی بدولت وہ تباہ ہونے سے بچ گیا۔ زبان کی ایک شکل وہ ہے۔ جس سے ایک عام آدمی اپنا مافی الضمیر بیان کرتا ہے اور دوسری صورت وہ ہے جب انسان اپنی قادرالکلامی اور حسن آفرینی کی مہارت سے ایک فن پارہ تخلیق کرتا ہے۔ اور اپنی بات کو قاری یا سامع کے رگ و پے میں اتار دیتا ہے۔ یہ وہ فن کار ہے جو حسن و جمال کو پیکر ماوی میں ڈھال کر اسے ابدی اور لازوال حیثیت عطا کرتا ہے۔

حسین سحر ایک فن کار ہے۔ پختہ کار شاعر ہے۔ اسے زبان پر قدرت حاصل ہے اور فنی تقاضوں کا ادراک بھی رکھتا ہے۔ وہ حساس دل کا مالک ہے۔ اس کا دل گردوپیش میں پھیلی ہوئی زندگی کے مسخ شدہ خدوخال کو دیکھتا ہے اور انہیں اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ اس کی اسی خصوصیت نے اس کے جذبوں کو شدید اور منہ زور کر دیا ہے۔ اس کے داخل میں برپا ہونے والا طوفان جب بے قابو ہونے لگتا ہے تو وہ ''تخاطب'' کے ذریعے اس کی زائد حرارت خارج کرنے کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ اس کی شاعری اسی انداز ''تخاطب'' کی دلکش داستان ہے۔

تمام عمر تخاطب مرا مجھ سے رہا
سوال میں نے کئے تھے جواب میرے تھے

شاعروں کے بے پناہ ہجوم میں جہاں ہر شخص ایک ہی بات ایک ہی انداز میں کہہ رہا ہے۔ کسی شاعر کی انفرادیت تلاش کرنا کارمحال ہے لیکن بعض فنکار ایسے ہیں جو اپنے لب و لہجے اور آواز کی بدولت الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ آج کے پروپیگنڈہ دور میں دھوم ان کی مچتی ہے جن کے تعلقات کا افق وسیع ہوتا ہے جن کی پبلک ریلیشنگ مضبوط ہے۔ اور جو پبلسٹی کے آرٹ سے آشنا ہیں۔ کئی ہیرے ایسے ہیں جو کسی تاج کی زینت نہیں بن سکے اس لئے کوہ نور

کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے ۔حسین سحر بھی ایسا ہی ایک ہیرا ہے۔ چمکدار اور روشن مگر کسی شہ کی سرپرستی سے محروم۔

حسین سحر نے اپنے تجربات کو کبھی اخفا میں نہیں رکھا کہ یہ عمل ایک سچے فنکار کے مذہب میں بمنزلۂ کفر ہے۔ساحر نے کہا تھا۔

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

حسین سحر کہتا ہے۔

دل پہ جو گزرے لب اظہار تک لے آیئے
کوئی سمجھا ہے نہ سمجھے گا خموشی کی زباں

اس شعر میں بھی شدتِ جذبات کی آنچ محسوس کی جا سکتی ہے۔شاعر بڑے کرب کے ساتھ دل کی بات کہہ رہا ہے۔ کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا لب گویا اگر حرکت نہ بھی کرے تو بھی لوگ ان کے اندر کی کیفیت جان لیں گے۔لیکن حقیقی صورت حال یہ ہے کہ لوگ جان کر بھی ان جان بنے رہتے ہیں ۔اور وہ آسانی سے اس بات کا اعتراف نہیں کرتے کہ ان کے گرد و پیش میں ایسے افراد آباد ہیں ۔جن کا ہر لمحہ آزمائش ہے اور ہر ساعت کربلا ہے۔ان لوگوں تک بات پہنچانے کا ذریعہ لب اظہار ہے کبھی کبھی اسے احساس ہوتا ہے کہ شاید کہنے کے باوجود اس کی بات نہ سنی جائے لیکن وہ مایوسی کی گرفت میں نہیں آتا۔

کبھی تو کوئی سنے گا مجھے توجہ سے
ہوا کے دوش پہ اڑتی ہوئی صدا ہوں میں

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کہنا کیا چاہتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ بھی کہنا نہیں چاہتا۔صرف معاشرے کو آئینہ دکھانے کا خواہش مند ہے۔

دلوں میں زہر، لبوں پر شگفتگی دیکھی
یہ رسم ہم نے عجب تیرے شہر کی دیکھی
جو بزمِ شب میں بہت قہقہے لگاتے تھے
انہی کی آنکھ دمِ صبح شبنمی دیکھی

گرم جوشی تھی کل۔ سرد مہری ہے اب
لوگ موسم کی صورت بدلنے لگے
یہاں تو اپنی ہی خوبی ہے ذات کی دشمن
سلگ رہے ہیں کئی پیڑ اپنی چھاؤں میں

اس صورت حال کو دیکھ کر اس کے داخل میں طوفان اٹھتے ہیں۔کبھی وہ سوچتا ہے کہ کاش اسے دل دردمند سے واسطہ نہ پڑا ہوتا۔

یہ آئینہ مرے پہلو میں کیوں چمکتا ہے
دیارِ سنگ میں رہ رہ کے سوچتا ہوں میں

لیکن چونکہ اس کے پاس احساس کی دولت موجود ہے اس لئے اس کے رگ و ریشے میں آگ کا بھڑکنا ایک قدرتی بات ہے۔

جو میرے رگ و پے میں سلگتی ہے مسلسل
اس آگ کو کس نام سے تعبیر کیا جائے

اس معاشرتی صورت حال کو تبدیل کرنے کے لئے وہ کسی ہنگامہ آرائی کا قائل نہیں۔ وہ فن کار ہے اور اس کا انداز انقلاب بھی فنکارانہ ہے۔وہ جانتا ہے کہ ٹوٹے ہوئے دلوں سے نکلی دعائیں کتنی مؤثر ہوتی ہیں۔اس لئے کچلے ہوئے انسانوں کی دعاؤں کا محتاج ہے۔

تاجِ شہی نہ تختِ سلیماں کی ہے طلب
ٹوٹے ہوئے دلوں کی دعا چاہئے مجھے
درپیش ہے شبوں کے طلسمات کا سفر
راہوں میں اک چراغِ صدا چاہئے مجھے

حسین سحر دھیمے لہجے کا شاعر ہے اس کا تخاطب اپنی ذات سے ہے۔اور ظاہر ہے کہ جب انسان اپنے آپ سے ہم کلام ہوتا ہے تو وہ دھماکہ خیز انداز اختیار نہیں کرتا اس کی آواز کومل اور سندر لہجے میں ڈھل کر اپنا جادو جگاتی ہے۔ یہ اس کی شاعری کی پہچان ہے اور یہی اس کی شخصیت کی شناخت ہے۔

نئے موسموں کی ہواؤں کا استعارہ

ڈاکٹر طاہر تونسوی

ادھوری باتیں (نوٹ):۔

(ا) حسین سحر اس وقت سے شعر کہہ رہے ہیں جب میں نے چلنا بھی نہیں سیکھا تھا۔

(ب) گزشتہ بیس برسوں سے میں حسین سحر کو ویسا ہی دیکھ رہا ہوں جیسا پہلے دن دیکھا تھا۔

(ج) حسین سحر کا ہمزاد سوائے اقبال ارشد کے کوئی اور نہیں۔

(د) تخاطب ایک ایسا شعری مجموعہ ہے جو حسین سحر کی ذات اور فن دونوں کا آئینہ ہے۔

(ر) تخاطب کے بیک ٹائیٹل پر حسین سحر کی تصویر بے پناہ خود اعتمادی کی دلیل روشن ہے۔

(و) حسین سحر نے اپنی شریکِ حیات کے نام انتساب کر کے ایک طرح اس کے احسانات کا قرض چکانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

ضروری باتیں:۔

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ ''تخاطب'' غزل کے ان مجموعوں میں سے ایک ہے جسے میں نے دیباچے کے سوا سارا پڑھا ہے اور اس میں شامل 70 غزلوں کا خصوصی مطالعہ کیا ہے اگر حسین سحر اس میں 2 غزلیں اور شامل کر لیتے تو 72 کے حوالے سے ایک مکمل علامت متشکل ہو کر سامنے آ جاتی تاہم تخاطب کی ساری غزلوں میں وہ علامتی اظہار موجود ہے جو لمحۂ موجود کی ساری المیاتی صورت کو اپنے پورے پس منظر و پیش منظر کے ساتھ پیش کر دیتا ہے۔ چنانچہ میں یہ کہے دیتا ہوں کہ حسین سحر اپنے زندہ عہد کا زندہ اور توانا شاعر ہے جس کے ہاں عصری شعور و آگہی اور زمان و مکان کی سبھی کیفیات نظر آتی ہیں اور کرب آئینوں میں ہر شخص اپنا اور اپنے عہد کا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔ منیر نیازی نے تو یہ کہا تھا۔

کسی کو اپنے عمل کا حساب کیا دیتے
سوال سارے غلط تھے جواب کیا دیتے

اور اس میں ظاہری طور پر فراریت کی ایک صورت نکل آتی ہے اگرچہ اس میں بھی شاعر کی خود اعتمادی موجود ہے تاہم حسین سحر کے ہاں

تمام عمر تخاطب مرا مجھی سے رہا
سوال میں نے کئے ہیں جواب میرے ہیں

خود اعتمادی کی ایک شکل اور ہے جس میں زندگی کو برتنے اور اس سے پیدا شدہ صورت حال کا مکمل ادراک رکھنے اور جواب دہی کے لئے تیار رہنے کا مثبت انداز موجود ہے۔ اور یہ خصوصیت بہت کم شاعروں کے ہاں پائی جاتی ہے کہ وہ خود کو احتساب کے لئے بھی پیش کرے گویا مدعی بھی خود ہو اور گواہ بھی خود ہو۔ اپنے آپ سے تخاطب اور اپنی خود احتسابی کا عمل اردو شاعری میں ایک نئی روایت کو جنم دینے کے مترادف ہے ورنہ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ اکثر شاعروں کے ہاں اس کے برعکس صورت ملتی ہے غالباً یہی وجہ ہے کہ حسین سحر کی غزل میں سچائی، کھرے پن اور حقیقت پسندی کی خوشبو ہے جو تخاطب کے دامن کو معطر کئے ہوئے ہے اور اس نے کھلی کتاب کی طرح اپنا سب کچھ واضح کر دیا ہے اور یہاں تک نشاندہی کر دی ہے کہ

ہمارے عشق کا قصہ بہت نیا ہے سحر
سراغ اس کا پرانی کہانیوں میں نہیں

حسین سحر کے اس برملا اعتراف کو بھی تخاطب کی غزلوں میں تلاش کیا جا سکتا ہے یا ان کے چہرے پر لکھی ہوئی تحریر کو پڑھ کر اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حسین سحر نے تخاطب میں اپنی فنی ہنر مندی اور انفرادی کرافٹنگ سے اپنے پختہ تر شاعر ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے اور یہ اس کے دستِ کوزہ گر کا کمال ہے کہ اس کی غزلوں کو پڑھتے اور پڑھے چلے جانے کو جی کرتا ہے اور یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش ایسے اشعار میں نے بھی کہے ہوتے اور اس ''میں'' میں بہت سے شاعروں کو آپ خود شامل کر سکتے ہیں اور اس کی تعداد پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسین سحر نے ترکیب سازی سے اپنی ہنر مندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ چنانچہ درسِ فنا، پیکر بے رنگ، گنبد شب، دشتِ احساس، ہیشۂ جاں، فصیل دیار خوشبو، برگ تنہا، ریگِ دل، تختِ سلیماں، چراغِ

صدا' حصارِ ذات' دیارِ سنگ' عکسِ دل' چشمِ پُرآب' شاخِ شب' پوشاکِ بے چہرگی' گنبدِ بے در' اسیرِ غم' دشتِ خاک' سیلِ آب' چراغِ شامِ الم جیسی تراکیب کے صوتیاتی حسن کا اندازہ ان اشعار کو پڑھ کر لگایا جا سکتا ہے جن کو ان تراکیب کے استعمال نے گہری معنویت عطا کی ہے۔

درپیش ہے شبوں کے طلسمات کا سفر
راہوں میں اک چراغِ صدا چاہئے مجھے

شاخِ شب پر کسی چہرے کا سحرؔ تازہ گلاب
چاند نکلے گا تو کچھ اور نکھر جائے گا

چمکا ہے داغ بن کے ردائے خیال پر
وہ پھول جو کڑھا ہے تری سرخ شال پر

دشتِ احساس کے رخشندہ سرابوں جیسی
تیری آنکھوں میں چمک ہے مرے خوابوں جیسی

یوں وقت کے احساس کو تسخیر کیا جائے
ہر لمحۂ سیال کو زنجیر کیا جائے

یوں دیکھا جائے تو حسین سحرؔ کے ہاں موضوعات کی نئی کہکشائیں صحنِ آسمان پر عکس ریز ہیں اور ان میں زیست کا ہر رنگ نمایاں ہے۔ ٹیگور نے اپنی ایک نظم ''نوجوانوں کا گیت'' میں یوں اظہار کیا ہے۔

''رخصت ہونے سے پہلے میں تمہیں پھولوں کا تاج پہناؤں گا
میری ہر خوشی اور غم میں تم ہمیشہ مجھ سے باتیں کرتے تھے
اور اب دن کے خاتمے پر میرا دل پھٹ کر زبان بن جائے گا
میرے پاس الفاظ تھے مگر موسیقی نہیں تھی
اور وہ گیت جو میں نے تمہیں کبھی نہیں سنایا
میرے آنسوؤں کے پیچھے چھپا ہوا ہے''

حسین سحرؔ کے جذبات و احساسات اور اظہار و بیان کی کیفیت بھی ٹیگور کے اس گیت سے ملتی جلتی ہے۔ غموں کی اسیری اور الم کی زنجیری نے زندگی کی جو صورت بنائی ہے اسے اس گیت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جو آنسوؤں کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ حسین سحرؔ کے ہاں بھی آفاقی غم کا یہی رنگ نمایاں ہے مگر حسین سحرؔ نے کمالِ فن یہ دکھایا ہے کہ اسے رجائی کیفیت میں تبدیل کر کے نئے موسموں کی ہواؤں کا استعارہ بنا دیا ہے اسی لئے تخاطب میں شادابیِ فکر و خیال کے ساتھ ساتھ تروتازگیِ جسم و جاں کا قوی تر احساس قاری کو ایک اور دنیا میں لا کھڑا کرتا ہے میرے نزدیک یہ وہ خصوصیت ہے جو عہدِ حاضر کے بہت کم شعراء کو نصیب ہوئی ہے اور اس پر حسد نہیں بلکہ رشک کرنا چاہئے اس لئے کہ بقول حسین سحرؔ

میں علامت ہوں اُجالوں کی سحرؔ
میرے ماتھے پہ لکھا ہے سورج

منبع علم وفن

جاوید اختر جاوید۔الریاض

پروفیسر حسین سحر منبع علم وکمال مخزن فکر وفن ہیں، شاعری، تنقید، تاریخ، تحقیق کے حوالے سے ان کی کتابیات ان کی علمی شناخت ہیں، اردو ان کی خانہ زاد ہے، فارسی ہاتھ کی چھڑی، عربی میں دلچسپی بڑھی اور پنجابی ماں بولی ہے۔خدا نے انہیں گوناگوں خوبیوں سے نوازا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ہماری یادگار محفلوں میں اس مقام ومرتبہ کے انسان کم کم ملتے ہیں۔پروفیسر صاحب اپنی ذات میں انجمن، ہماری فکر و فن اور علم ونظر کی مجلسوں کی جان ہیں۔ان کی خوبصورت تخلیق فرقان عظیم جو قرآن کریم کا منظوم اور اردو ترجمہ ہے اس کے مطالعہ سے مجھے بڑی روحانی تقویت ملتی ہے اللہ کی کتاب کی بلاغت پہ صدقے جایئے خود بولتی ہے کہ محمدؐ پہ اتاری گئی ہو اور اس کے لفظ لفظ کا حسن و جمال خوشبو بن کر اس طرح بولتا ہے جس طرح شبنم غنچہ پہ گرتی ہے اور پھول بنا دیتی ہے۔جب تک اُردو ادب کا وجود قائم ہے فرقانِ عظیم کی صورت میں اُن کا یہ عظیم کارنامہ انہیں زندہ وجاوید رکھے گا۔پروفیسر حسین سحر نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک اردو شاعری کے اس مقام پر فائز ہیں جو بہت کم شعراء کو نصیب ہوا ہے۔انہوں نے غزل کی شان قائم رکھی اور شعر کا معیار بلند کیا، اردو ادب کی روایت کی پاسداری کی لیکن وہ روایت پرست نہیں روایت پسند ہیں ۔انہوں نے روایت سے طاقت لے کر اس میں اضافہ کیا ہے۔ان کی غزل کا ایک خاص پیش منظر ہے جو روایات کے پس منظر میں ابھر کر کلاسیکی رجحان اور جدید تغزل سمجھاتا ہے۔وہ حسن وعشق کے نغمے رسمی طور پر نہیں سناتے، تخیل کی پرواز سے حسن وعشق کے تجربوں میں نئی وسعتیں پیدا کرتے ہیں اور اپنے احساس و جمال کو داخلی پسپائیوں سے دور رکھتے ہیں۔دیکھا جائے تو جس طرح ان کی شخصیت روایتی وضع داری کی امین ہے اسی طرح انکی شاعری بھی اردو ادب کی شان اور آن ہے ان کے ہاں غزل خالصتاً قلبی واردات کا نام ہے وہ غزل کی لطافتوں سے آشنا بھی ہیں اور اس کی اہمیت سے واقف بھی، یہی رنگ انہیں دور جدید کے دیگر شعراء سے ممتاز کرتا ہے۔بقول آغا شورش کاشمیری مرحوم

میں نے ادب کا حسن بڑھایا ہے دوستو
زورِ قلم سے رنگ جمایا ہے دوستو
شعر وسخن کے طاق پہ افکار کا چراغ
اپنے لہو سے بھر کے جلایا ہے دوستو

حسین سحر کا انداز تخاطب

سید معراج جامی

تمام عمر تخاطب مرا مجھ ہی سے رہا
سوال میں نے کئے ہیں جواب میرے ہیں

''تخاطب''، حسین سحر کے پہلے مجموعہ کلام کا نام ہے جو مذکورہ بالا شعر سے مشتق ہے حسین سحر پاکستان کا ایک معروف نام ہے۔ملتان کے ادبی حلقے کی ایک فعال شخصیت۔حسین سحر نے میدان شعر میں کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے؟ ان کی شاعری میں اسلوب، اظہار، لہجہ اور پختگی کا معیار کیا ہے، روایت اور جدیدیت سے کسی حد تک ہم آہنگ ہیں۔اور کتنے نئے مضامین سے ادب کے قاری کو متعارف کرایا ہے؟ آیئے ان سوالوں کے جوابات ''تخاطب'' سے تلاش کرتے ہیں۔ مگر جوابات کی تلاش سے قبل مذکورہ بالا شعر کے آفاقی پہلو پر روشنی ڈالنا چاہوں گا۔

ہر انسان دوسرے انسان سے پھر کلام رہنا چاہتا ہے اور رہتا ہے۔یہ فطرت بشریت ہے کیونکہ اس کے دہن میں زبان ہے اگر کبھی بے اعتنائی کا شکار ہونے لگتا ہے تو عاجزانہ درخواست کرتا ہے کہ

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

ویسے بھی بولنا اور بے تکان بولنا انسان کا حق بھی ہے اور حق بھی پیدائشی، کیونکہ جب وہ پیدا ہوتے ہی بولنے کی کوشش کرتا ہے اور بول نہیں پاتا تو احتجاجاً رونے لگتا ہے اور یہ رونا بھی بولنے ہی کی ایک شکل ہے۔دوسروں سے باتیں کرنا انسان کو اچھا لگتا ہے۔اچھا تو دیواروں سے باتیں کرنا بھی لگتا ہے مگر بعض اوقات اس میں ایک خرابی یہ مضمر ہوتی ہے کہ دیواروں سے باتیں کرنے کے نتیجے میں انسان پاگل ہو جاتا ہے۔اس لئے کہ اسے اپنی بات کی تردید یا تائید نہیں ملتی۔مگر آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ انسان سب سے زیادہ اپنی ذات سے ہمکلام رہتا ہے۔اپنی پوری طبعی عمر میں ملنے والوں سے اتنی گفتگو نہیں کرتا۔اتنے سوال وجواب نہیں کرتا اتنا بحث ومباحثہ نہیں کرتا جتنا

اپنی ذات سے کرتا ہے۔انسان کا سارا اظہار جو وہ زبان و بیان کے ذریعے کرتا ہے اس کا اور اس کی ذات کے درمیان مکالمہ ہوتا ہے یعنی انسان کی سب سے زیادہ گفتگو اس کی ذات سے ہوتی ہے۔

حسین سحر کا اپنی ذات سے جو کچھ مکالمہ ہوتا رہا، جو سوال و جواب ہوئے انہیں شعر کے قالب میں ڈھال کر ایک مجموعہ کی شکل دی گئی اور اس کا نام تخاطب رکھا، اب آیئے ان سوالوں کی جانب جو ان کی ذات کے حوالے سے مضمون کی ابتداء میں اٹھائے گئے ہیں۔ حسین سحر میدان ادب کے شہسواروں میں ہیں ان کی امنگیں جوان ہیں اور وہ بہت کچھ کرنے کی ہمت اور لگن رکھتے ہیں۔ گذشتہ چالیس سال سے غزل کہہ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں نئے اور پرانے اہل قلم حضرات کی معیاری تخلیقات پر مشتمل ایک مجلّہ ''اہل قلم'' کے نام سے وقتاً فوقتاً نکالتے رہتے ہیں۔مجلّہ ''اہل قلم'' کے ذریعے حسین سحر نے مستقبل کے کئی ادیب و شاعر بھی متعارف کرائے ہیں۔

غزل قتالہ عالم ہے جو اپنے چاہنے والوں کے لہو کا آخری قطرہ تک نچوڑ لینا چاہتی ہے اسی لئے غزل کا اسیر ہونا بھی ہر ایک کی قسمت میں نہیں اور اس کا قتیل ہونا بھی بڑے نصیبوں کی بات ہے جسے غزل کی یہ ادا پسند نہیں یا جسے غزل پسند نہیں کرتی وہ مختصر آزاد نثری نظموں میں پناہ لیتے ہیں۔ کیونکہ نظم کا صحرا وسیع و عریض ہے اور غزل کی لطافت، بلاغت، سلاست اور معنویت سے فرار کا ایک اچھا راستہ بھی، اسی لئے آج کل شاعری آساں نظر آنے لگی ہے۔ حسین سحر کو غزل پسند ہے اور غزل کو حسین سحر بھا گئے ہیں۔ یہ حسین سحر کی خوش بختی ہے۔اسی لئے حسین سحر نے اپنی زندگی غزل کے لئے وقف کردی ہے۔غزل میں حسین سحر کا اسلوب سچا، اظہار برملا اور لہجہ روایت و جدیدیت کا امتزاج ہے۔کلام میں پختگی اور مضمون آفرینی کا عنصر بھی نمایاں ہے۔''تخاطب'' سے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

احباب میں اظہار حقیت سے حذر کر
کھل جائے نہ احوال ترے عیب و ہنر کا

اس خموشی کا ہے بس ایک علاج
میں ہی خود نغمہ سرا ہو جاؤں
کسی نے غور سے اس خاک کو نہیں دیکھا

ہر ایک ذرہ یہاں آفتاب جیسا ہے

کس نے دیکھی ہے لبوں کی خوشبو
کون سنتا ہے نظر کی آہٹ؟

میرے لئے تو سانس بھی لینا محال ہے
یہ کون زندگی کی دعا دے گیا مجھے

حسین سحر کا تخلیقی ذہن ماحول سے مشاہدہ اور مشاہدے سے شعر کشید کرتا ہے۔بعض اوقات ان کے مشاہدے اتنے سچے ہوتے ہیں کہ بے مثل شعر وجود میں آجاتے ہیں۔تخاطب کی پہلی غزل کے چار شعر ملاحظہ فرمایئے۔

بجھتا ہوا دیا یہ سزا دے گیا مجھے
میں شعلہ جنوں تھا ہوا دے گیا مجھے

میں لہلہاتی شاخ کو سمجھا تھا زندگی
پتا گرا تو درس فنا دے گیا مجھے

خوشبو کا ایک نرم سا جھونکا بہار میں
گزرے ہوئے دنوں کی صدا دے گیا مجھے

میں خامشی کا پیکر بے رنگ تھا سحر
اک شخص بولنے کی ادا دے گیا مجھے

معاصرین کی متفقہ رائے میں حسین سحر ایک خوبصورت شاعر ہی نہیں شائستہ، مہذب، شفیق اور خوبصورت انسان اور دوست ہیں۔ان کی تصویر اور ان کے کلام کے مطالعہ سے یہ دعویٰ غلط نہیں ہے۔

سبز پیڑ کی ہتھیلی پہ جلتا دیا

جمیل احمد عدیل

حسین سحر کا کلام حسین سحر کی طرح جادو اثر ہے..... مجھے ان کی شاعری کا طلسم خانہ تین کونوں پر محیط دکھائی دیا ہے اور وہ ہیں ایمان (وابستگی یعنی کمٹ منٹ) اصل اور وفا۔ یہ تین کونے باہم متصل ہوں تو مثلث بنتی ہے..... شخصیت کی ''تثلیث'' وجدان کی زیست ،روح کی تخلیق..... ان تین عناصر کو یہی عناصر ثلاثہ وجود میں لاتے ہیں اور پھر باقی زندگی ان میں سے کسی ایک جہت کی تلاش میں بیت جاتی ہے۔ شاید اس لئے کہ ''گمشدہ پر صبر نہیں اصرار کرنا ضروری ہے''۔ حسین سحر کے شعری جہاں میں ان تینوں ابعاد میں تقدیم و تاخیر بجائے خود نہایت بصیرت افروز مطالعہ ہے کہ اولیت کسے حاصل ہے اور ثانویت کے مقام کا حامل کونسا درجہ ہے؟ .....مگر حسین سحر کی غزل ہمیں بتاتی ہے کہ تثلیث اور ثنویت میں تو مثل فصیل شہر طولانی اور دبیز فاصلہ ہے اور ان کا نظریہ شعر از خود وضاحت کرتا ہے کہ تثلیث ایک میں بلکہ واحدانیت میں جلد ڈھل جاتی ہے۔ باوجودیکہ دو کا ایک ہونا بظاہر زیادہ سہل ہے۔

میری ہر سمت ہیں کتنے چہرے
کوئی مجھ سا بھی نہ تنہا ہوگا

کوئی شہکار جو تخلیق ہوا
ہو بہو تیرا سراپا ہوگا

کوئی لاکھ کہے تم ایسا مت کہنا
بھول کے بھی قطرے کو دریا مت کہنا

جو ہر وقت تمہاری یاد میں کھویا ہو
ایسے بزم آرا کو تنہا مت کہنا

اس کے حسن کی یکتائی کہتی ہے سحر
ہر چہرے کو اس کا چہرا مت کہنا

جس کی وفا اصل نہیں وہ صاحب ایمان نہیں اور جس کے ایمان میں وفا نہیں وہ صاحب اصل نہیں اور جو ایمان اور اصل میں فرق خیال کرتا ہے وہ صاحب وفا نہیں.....وفا یہ تین حرفی لفظ کیا ہے؟ جو اصل کے معانی دیتا ہے محض اس لئے نہیں کہ وہ بھی سہ حرفی ہے بلکہ یہی تین کو چار کرنے والا ہے ایمان کو وجود میں لانے کا باعث ہے۔ یہی ایمان استواری کے سات حروف میں مبتدل ہوتا ہے تو شرط کا پابند ہو جاتا ہے کیا وفا شروط ہے؟ کیا ایمان کی اصلیت وفا کی پابند ہے؟ پہلے سوال کا جواب نفی میں ہے جبکہ دوسرے کا جواب اثبات میں ہے۔ ایک عارف نے بڑے پتے کی بات کہی ''جو انسان اپنی وفا کا ذکر کرتا ہے وہ اصل میں دوسرے کی بے وفائی کا ذکر کر رہا ہوتا ہے۔ وفا تو ہوتی ہی بے وفا سے ہے۔''

حسین سحر نے اپنے شعری مجموعہ میں اپنی وفا کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا۔ انہوں نے وفا سے تو وفا کی ہے، بے وفا سے بھی وفا کی ہے لیکن وفا کا یہ عمل تخلیقی عمل کی طرح غیر محسوس ہے بلند آہنگ نہیں۔ باوجودکہ انہوں نے وفا کو شہر جفا میں تلاشکیا ہے اور یوں وہ تیز ہوا میں دل کی ہتھیلی پہ چراغ شعر جلانے میں کامیاب ہوئے ہیں .....کیونکہ حسین سحر کی آنکھوں نے جب بھی اپنے محبوب کا نقش کف پا دیکھا ہے تو اپنے دل کے آئینے میں اک عکس سا لرزتا ہوا محسوس کیا ہے۔

بس ان کے قلب کے نہاں خانوں میں موجزن اسی احساس کی یادیں شام سے ان کے اشعار کے دریا کی صورت ان کی تخلیق میں بہہ رہی ہیں۔ حسین سحر بڑے خوش قسمت ہیں کہ وہ شیشۂ دل میں اس آرزو کا عکس اتار کر نہایت دلفریب منظر دیکھ چکے ہیں۔ فی الاصل سحر کے تخاطب

میں یہی راز ہے کہ اس خوش نصیبی میں سے اگر آپ اپنا حصہ کرنا چاہتے ہیں تو پھر ذات کا سفر تنہا کرنا ہوگا اور اپنے سائے کو بھی نذرِ غبار کرنا ہوگا اور اس کے متوازی سوچ کی اک نئی لکیر بھی روشن تر ہوئی ہے کہ ان کے پہلو میں چمکنے والا آئینہ دیارِ سنگ میں ان کی روح کے ساتھ سوال بن کر متعلق ہوگیا ہے اور یہی سوال درحقیقت ان کے فکر کا بنیادی نقطہ ہے جس کو مرکز مان کر انہوں نے اپنے داخلی محسوسات کو خارجی صورتحال سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔

تمام شہر ہے خاموش جاگتا ہوں میں
اندھیری رات میں جلتا ہوا دیا ہوں میں

کبھی تو کوئی سنے کا مجھے توجہ سے
ہوا کے دوش پہ اڑتی ہوئی صدا ہوں میں

ہر بڑی بات مشکل ہوتی ہے لیکن ہر مشکل بات بڑی نہیں ہوتی .... حسین سحر کی شاعری میں بڑی بات ہے مگر ان کی بات میں نہ ابہام ہے نہ اشکال .... ان کے ہاں ہر لفظ ان کے اپنے تجربے کی صداقت کا متبادل بن کر آیا ہے........... ان لفظوں کا مطلب تو ہمیں لغت بتا سکتی ہے لیکن ان کے لفظ کے طلسم تک رسائی بذریعہ لغت ممکن نہیں۔ اسی طرح جیسے لفظ ''محبت'' کا مطلب تو لغت میں لکھا ہوا مل جائے گا لیکن محبت کیا ہوتی ہے؟ لغت یہاں رہنمائی کرنے سے قاصر ہوگی۔

حسین سحر کے حسن اور محبت کو اگر ان کی شاعری کے تناظر میں دیکھنا ہو تو آپ ان کے تجربے کے ساتھ شامل ہو جائے جیسے دھنک کے رنگ ایک دوسرے سے گلے ملے ہوتے ہیں۔ تب یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا کہ خود تیرگی بھی نور کا سایہ ہی ہے کیونکہ سحر کی دلیل ہے کوئی جگہ ایسی نہیں جو روشنی سے خالی ہو۔ کیونکہ اگر اندھیرے کے شفاف جگر میں لمعاتِ نور کی احتیاج بڑھ

جائے تو روشن شمعیں اس بات کی آگہی عطا کرتی ہیں کہ تاریکی کے اندر تاریکی نہیں ہوتی .... اور جس کے گردوپیش میں بظاہر بڑا اندھیرا ہو اس کے اندر بڑا نور ہوتا ہے جیسے آنکھ کا سیاہ تل اپنے اندر کی روشنی میں غرق ہوتا ہے اور یہ عرفان حسین سحر کے ان اشعار کے بین السطور موجود ہے۔

اگر ان شعاعوں کا دریا سراب جیسا ہے
تو جاگنے کا یہ منظر بھی خواب جیسا ہے

کسی نے غور سے اس خاک کو نہیں دیکھا
ہر ایک ذرہ یہاں آفتاب جیسا ہے

حسین سحر اپنے اس مجموعہ میں ایک جمالِ دوست کے روپ میں بھی نظر آتے ہیں۔ بلا شبہ حسین جمالیات کا نہایت اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عصری آگہی اور روحانی آشوب سے کاملاً آشنا ہونے کے باوجود انہوں نے زندگی کے روشن رخ کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ وہ امید پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی امید انہیں محبت کے اسالیب سے آگاہ کرتی ہے۔ کیونکہ جب سماج میں غموں کی بہتات ہو تو محبت کا ذکر اور بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ان کی غزل حرماں نصیبی کا نوحہ نہیں، نہ وہ سطحی جذبات کا میدانِ رستاخیز ہے جہاں شکوہ و جفا کا ایک میلہ سا لگا ہوتا ہے اور شاعر لوگ اپنے دل و جاں کی خرید و فروخت کا بازار گرم کیے ہوتے ہیں .... ایثار پیشہ حسین سحر کے ہاں تو مسکراہٹ بھی اداسی کی ردا اوڑھے ہوئے ہے۔ انہوں نے عوامی مقبولیت کیلئے کسی ایک جگہ بھی پمفلٹی اسلوب اور ٹھیٹھ ریڈیکل انداز اختیار نہیں کیا اور نہ انہوں نے مفلسی اور معمی کے طبقاتی نزاع کو نعرہ بنا کر شعری صداقت کو مسخ کیا ہے۔ حسین سحر نے اسی عوامیت کی آلودگی سے اپنا دامن بچاتے ہوئے شاعرانہ تفکر، امیجری، تجزیہ قلب اور تہذیب جذبہ پر اپنی غیر معمولی قدرتوں کا اظہار کیا ہے۔ ان کے اشعار روح کو مسرور بھی کرتے ہیں اور بنجر دلوں کو انبساط انگیز نامیاتی قوت بھی عطا کرتے ہیں اور یہ سارا عمل تخلیقیت کے پردے میں ہوتا ہے کیونکہ غور کیا جائے تو ان کے سخن میں ایک طرح کا حجاب ہے۔ ان کا مجاز لباس سے بے نیاز نہیں وہ ماہِ طلعت کیلئے نقاب اور بدر کیلئے

سحاب کو ضروری یقین کرتے ہیں۔ ان کے شعور کے گرد نور کا حلقہ ہے۔ جوان کی شاعرانہ تشکیلات میں محرک کا منصب ادا کرتا ہے۔ یوں ان کی غزل حدیث شوق نیاز کے مرتبہ تجمل پر فائض ہوتی نظر آتی ہے۔ کیونکہ حسین سحر بھی میری نظر میں عشاق کے اس قبیلے کے فرد ہیں جن کو عین وصال میں حوصلہ نظر تو نہیں ہوتا مگر ان کی نگاہ ادب پھر بھی بہانہ جو رہتی ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

ہونٹ چپ ہوں مگر آنکھ تر چاہیے
بات کرنے کا ایسا ہنر چاہیے

اور ایک جگہ کہتے ہیں .....

جاگنے کا بھی یہی مطلب ہے
آنکھ میں خواب سجائے رکھنا

اس ضمن میں ان کے یہ خوبصورت شعار خاص طور پر لائق توجہ ہیں۔

رچے گی رفتہ رفتہ پیار کی خوشبو فضاؤں میں
رکھلیں گے تیرے ہونٹوں کے گلاب آہستہ آہستہ

تیرے چہرے کا اک اک نقش دنیائے معانی ہے
پڑھوں کا میں سر بستہ کتاب آہستہ آہستہ

ڈاکٹر آئی اے رچرڈز نے ایک جگہ لکھا ہے ''انسان کا سب سے اعلیٰ مقصد اپنی جبلی تحریکات کو منظم کرنا اور ان میں ہم آہنگی پیدا کرنا ہے..... (اور) یہ کام شاعری کر سکتی ہے۔''

اس نظریے کو جی آر ھملٹن کی طرح بلند بانگ مبالغہ آمیز قرار دینا ناانصافی ہوگی .....اگر چہ اب ہمارے ہاں بھی احساسات وجذبات ایسے قدری رویوں کو فائدے کے ترازو میں تول کر جانچنے کا رواج عام ہو چلا ہے اور یہ بدذائقہ ثمر صنعتی فروغ، سیاست اور میکانکیت کی دین ہے .....عزیزان من! میں نے ''تخاطب'' کا مطالعہ کرتے ہوئے حسین سحر کو

رچرڈز کے دیئے ہوئے اس PERSPECTIVE میں بھی پڑھنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے از حد مسرت ہوئی کہ ان کا POETIC EMOTION کسی محدود آئیڈیالوجی اور مخصوص مفادات کا آلہ کار نہیں بنا۔ ان کی فکر کا پودا جذبے کی مخصوص زمین سے نشوونما کی قوت لیتا ہے اور اپنے سر پر چمکنے والے مشترک انسانی احساسات کے آفتاب کی حرارت وصول کرتا ہے۔ یہ طرز احساس ان کا جزو شعور بن چکا ہے کہ دھواں اگلتی چمنیاں بتاتی ہیں کہ کارخانوں کے اندر حیات انسانی سلگ رہی ہے.....مگر اس نازک موڑ پر اپنے مخاطب کو وہ بے عملی کی غار میں پناہ گزیں نہیں ہونے دیتے اور اسے بتاتے ہیں کہ کشتی دل کے مسافر کو ہی دوران سفر یہ کشف ہو سکتا ہے کہ جو سکوں طوفان میں ہے وہ کناروں میں نہیں اور اس زرد عہد میں جب ہمارے ذہن مشینوں کے طفیل تاریک ہو چکے ہیں حسین سحر نے جذب دل کی روشنی کو عام کرنے کی مقدور بھر سعی کی ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ انہوں نے تصویر کا دوسرا رخ بھی دکھا دیا ہے کہ اگر اس نور کو عام کرنے کی کوشش جاری نہ رہی اور ہمارے بدن کی شاخوں پہ جبر کے سورج کا اثر یونہی رہا تو ہم شجر کا سایہ بھی سلگتا ہوا دیکھیں گے۔

حسین سحر کی شاعری میں یہی وہ مقام اتصال ہے جہاں حسن جمال، خیال یار، غم روزگار، عصری شعور، فینٹسی، امیجی نیشن، تفحص الفاظ، محاکات اور روحانی ارتفاع تخلیقی فعلیت میں سے گزر کر اپنا ظہور کرتے ہیں۔

چمکا ہے داغ بن کے ردائے خیال پر
وہ پھول جو کڑھا ہے تری سرخ شال پر

شاید یہی ہے شدت احساس کا مقام
پتھر کا خون تیر رہا ہے کدال پر

چہروں کے اژدحام سے فرصت ملی اگر
لکھوں گا ایک نظم تیرے خدوخال پر

کرنوں کے تیز نیزے برستے رہے سحر
رو کے رہا میں اپنے ہی سائے کی ڈھال پر

مختصر یہ کہ طلوعِ صبح کی طرح جاذبِ نظر اور روح و دل میں اتر جانے والی حسین کی اپنی تراکیب اور لفظیات کے آئینوں میں ان کی شاعری خوابوں کی دھنک ہے۔ خیالوں کا عجائب گھر ہے' دریچے سے جھانکتا ہوا شوخ ستارا ہے' روشنی کا حسین پیکر ہے' آسمان کے لب پہ ابھری ہوئی شفق کی سرخی ہے' رنگوں کا فسوں ہے، غمِ ہجراں کا فسانہ ہے، آنکھ کی سیپی میں بند گہر ہے، شام کے زرد سائے میں طائرِ فکر کی پہلی اڑان ہے، بادِ صبا کا نرم اور نازک جھونکا ہے، شام کی آہٹ ہے، پھول کا نغمہ ہے، خوشبو کا بدن ہے، شعاعوں کا لباسِ نو ہے، ذہن کی جھیل میں ابھرا یادوں کا کنول ہے، اپنی چھاؤں میں سلگتا ہوا پیڑ ہے، شب کا کہسار ہے، چراغِ صدا ہے، دھوپ کی تلوار ہے، روشنی کا سمندر ہے، راتوں کا سبز جزیرہ ہے، جاگتی آنکھوں کا خواب ہے، روشنی کا نصاب ہے، کرن کرن درخشندہ باب ہے اور نئی رتوں کا شگفتہ گلاب ہے۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی کی زیرِ صدارت ''تخاطب'' کی تقریب رونمائی میں پڑھا گیا۔

آئنہ ہے درمیاں

غلام حسین ساجد

''کُن'' عنصرِ کلام کا پہلا کلمہ ہے اور کائنات اُس کی تعبیر۔ یعنی خالقِ باری نے غیر موجود کی بے ہیئتی کو وجود عطا کرنے کا فیصلہ کیا تو تخاطب کو اپنا شعار بنایا۔ ہمارے صوفیائے کرام نے اس کلمۂ کُن کے مخاطب کی شناخت کے لئے بہت سی توجیہات کی ہیں۔ جس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں تاہم اس مذہبی حوالے سے ایک بات طے ہو جاتی ہے کہ تخلیق کرنے والے کے اپنے شوقِ تخلیق کی تکمیل کلام کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ حسین سحر کی شعری تخلیق ''تخاطب'' کے منصۂ شہود پر آنے کا جواز بھی یہی ہے کہ اِس کتاب کے خالق نے بھی اپنے باطن کی لامحدود مگر بے ہیئت کہکشاں کو ایک شکل عطا کرنے کی سعی کی ہے۔

آج کی اُردو غزل کا منظر نامہ اِس طرح مبہم اور غیر واضح ہے کہ آج کے ناقد کے لئے کسی بھی ہم عصر شاعر کے شعری تجربے کے بارے میں کلمۂ خیر کہنا ممکن نہیں کہ بیشتر غزل گو شعراء کے کلام کی ہم مزاجی اور فکری تسابل نے غزل کے انفرادی نقوش کو دھندلا ہی نہیں دیا۔ قاری اور ناقد کی تنقیدی بصیرت کو بھی منتشر کر دکھایا ہے۔ ہمارے چاروں طرف ایک جیسی آوازوں کا ایک بے ہنگم ہجوم ہے جسے جدید شعری تجربوں کے مشتاق مزید پُرشور بناتے رہتے ہیں۔ اس ہنگامے میں اگر کہیں تہذیبِ فکر کا سُر جاگتا بھی ہے تو ہماری منتشر سماعت اُس پر کم کم ہی توجہ دیتی ہے کیونکہ ہم بہت زیادہ غور کرنے کے عادی رہے ہیں نہ ہی بہت توجہ سے کسی خروشِ نغمہ پر کان دھرنے کے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حسین سحر کی غزل جو بنیادی طور پر اپنے داخل میں موجزن ہے اور اپنے موجود سے ہمکلام ہے۔ اپنے عصر سے وہ توجہ حاصل نہیں کر پائی کہ جس کی وہ بجا طور پر حق دار تھی کیونکہ اُن کی آواز کہیں بھی ایک مشفقانہ سرگوشی کی سطح سے بلند ہونا پسند نہیں کرتی۔ وہ تو ایک لامختتم راگ کی طرح اپنے تخلیقی کرے کے وجود میں ہمیشہ گونجتی رہنا چاہتی ہے۔ ایک شانت ندی کی طرح زمزمہ کرتی ہوئی اور اپنے اطراف کو سیراب کرتے ہوئی۔

حسین سحؔر کی غزل کے مزاج کو جاننے کے لئے اُس کے درجِ ذیل شعر کی حیثیت کلیدی نوعیت کی ہے۔

تمام عمر تخاطب مرا مجھی سے رہا
سوال میں نے کئے ہیں' جواب میرے ہیں

''تخاطب'' کی تمام غزلیں شاعر کے اِسی رویے کی عکاس ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ ایک خلاق شاعر کی تخلیقی کائنات اُس کے اپنے بطن ہی سے پھوٹتی ہے اگر چہ اپنے باطن کی سیر کا یہ سفر کبھی کسی بند دروازے پر آ کر نہیں رُکتا کہ اِس جانب اٹھنے والا ہر قدم اس طلسمی قریے کی بے بہر مسافت کو طے نہیں کرتا بلکہ اُسے اور بھی وسعت پانے کے لئے میسر کرتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ظاہر باطن میں اور موجود غیر موجود میں ضم ہو جاتا ہے اور شاعر ایک جہانِ حیرت کے مقابل دنگ کھڑا رہ جاتا ہے۔

معمورۂ زمیں سے صحرائے آسماں تک — ہے رہروِ طلب کا نقشِ قدم کہاں تک
سورج نہیں ' زمین نہیں' آدمی نہیں — میں اُس مقام پر ہُوں جہاں کوئی بھی نہیں
یہ خاک اُڑاتے ہوئے آوارہ بگولے — مجھ کو مری منزل کا پتا کیوں نہیں دیتے
فیصلہ مشکل بہت ہے اِس اندھیرے میں سحؔر — کیا نظر آتا ہے مجھ کو' کیا نظر آتا نہیں

اس گفتگو سے یہ تاثر نہ لیا جائے کہ حسین سحؔر کا شعری تجربہ جہانِ جذب کے بے نوا دائرے ہی میں سرگرداں رہنے پر مجبور ہے۔ ایسا ہو سکتا تھا مگر ایسا ہوا نہیں اور وہ اِس لئے کہ حسین سحؔر نے اپنی غزل کا خمیر اپنی اُس تازہ کار بصیرت سے اٹھایا ہے جس کی تہذیب اُس کے اطراف میں موجود عالم رنگ و بو کے فطری جبر نے کی ہے۔ یہ جبر شاعر کے ذہن میں ایسے سوال اُٹھاتا ہے جن کا جواب اپنے عصر پر گہری نگاہ ڈال کر ہی تلاش کرنا ممکن ہے۔ یہی وہ قوت ہے جو سکوت کو سخن جوئی پر آمادہ کرنے کے ساتھ ساتھ ظاہر و باطن کی تفریق کو بھی مٹا دیتی ہے اور حسین سحؔر کی غزل کو اُس کے عصر سے اِس طور پیوند کرتی ہے کہ اُس میں اُس کے عہد کے تمام تر انسانی رویے اپنی جھلک دکھا جاتے ہیں۔

تجھے دلوں کی سیاہی کی کیا خبر ہوگی — تری نظر نے تو جسموں کی چاندنی دیکھی
گرم جوشی تھی کل' سرد مہری ہے اب — لوگ موسم کی صورت بدلنے لگے
دُھواں اُگلتی ہوئی چمنیاں یہ کہتی ہیں — حیات روز سلگتی ہے کارخانوں میں

حسین سحؔر نے ''تخاطب'' میں بہت سے سوال اُٹھائے ہیں اور اُن میں سے کئی ایک کے جواب بھی فراہم کئے ہیں مثلاً یہی کہ اُس کے وجود میں سلگنے والی آگ کیسی ہے؟ ایک نامعلوم تاریکی میں اُسے کیا دکھائی دے رہا ہے اور کیا نہیں؟ صحرا کے تُند و تیز بگولے منزل کی تلاش میں اُس کے رہبر و راہنما کیوں نہیں ہوتے؟ یہ کچھ اور ایسے بہت سے دیگر سوال ایسے ہیں جو اپنی ذات سے ہمکلام اور اپنے موجود سے نبرد آزما رہنے والے شاعر کا فطری حوالہ اور اثاثہ ہیں اور جن کے جواب اُس کے اپنے کلام سے دستیاب ہیں اور اگر نہیں تو ذرا سے غور و فکر کے بعد ہم نہ صرف یہ کہ اُن کے جواب تلاش کر سکتے ہیں بلکہ شاعر کے تخلیقی اضطراب کی شناخت کرنے اور اُسے کوئی واضح شکل دینے میں بھی کامیاب ہو سکتے ہیں مگر اِسی کتاب میں شاعر نے کچھ ایسے بنیادی سوال بھی اُٹھائے ہیں جن کے جواب کے لئے ہمیں نوعِ انساں کے تمام تر طرزِ عمل پر نگاہ کرنے کی ضرورت ہوگی اور جن کا جواب گو شاعر نے ہم سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے چاہا ہے مگر اُس کے حقیقی مخاطب ہم ہی ہیں۔ چند شعر دیکھئے!

یہ آئنہ میرے پہلو میں کیوں چمکتا ہے — دیارِ سنگ میں رہ رہ کے سوچتا ہوں میں
سائے جسموں سے گریزاں سے نظر آتے ہیں — کس زمیں پر میرے مالک نے اُتارا مجھ کو
شہروں کا بھی مستقبل محفوظ نہیں — ہر اُجڑی ویراں بستی کچھ کہتی ہے

اِن اشعار میں اٹھائے جانے والے سوال شاعر کے تخلیقی اضطراب کو تو ظاہر کرتے ہی ہیں۔ ہماری بے خبری اور بے حسی پر دلالت بھی کرتے ہیں۔ ان کے ذریعے شاعر نے کائنات کے اُس منقش مگر بے رحم پہیے کو ایک لمحہ کے لئے روکنے کا جتن کیا ہے جس کے ہمراہ گردش میں رہ کر ہم اپنے انتشار کے عمل کی پیچیدگی کو سمجھنے کے لائق نہیں رہے۔ حسین سحؔر نے ''تخاطب'' میں اس فکری اور تہذیبی انتشار کو ایک شعری منظر نامے میں ڈھال دیا ہے کہ جس پر ایک بھرپور نگاہ ڈال لینے ہی

سے ہمارے عصر کی تمام تر پیچیدگی بخوبی کھل کر ہمارے سامنے آسکتی ہے اور ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور ہمیں آگے بڑھنے یا واپس لوٹنے کو کیا کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔

میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ حسین سحر کی غزل کہیں بھی ایک معصوم سرگوشی کی سطح سے تجاوز نہیں کرتی اور یہی وہ انفرادیت ہے جس نے اُس کی غزل کو ایک انفرادی رنگ دیا ہے کہ شور و شر کے عذاب میں مبتلا نوعِ بشر کے قلبِ مضطر کو پُر سکون کرنے اور آسودگی پہنچانے کو یہی معصوم سرگوشی ہی راس آسکتی ہے۔ یوں بھی محبت کی بات کہنے کو گوشِ ہوش اور صدائے جوش سے زیادہ طرزِ خاموش کی ضرورت ہوتی ہے اور حسین سحر کی ''تخاطب'' اس ''طرزِ خاموش'' کا ایک شائستہ روپ ہے۔

سن رہا ہوں میں سکوتِ شب میں	طائرِ فکر کے پر کی آہٹ
دیکھا اے موجِ نفس، ٹھیس نہ لگ جائے کہیں	شیشۂ جاں میں نزاکت سے حبابوں جیسی
یہ اور بات کہ دیکھا نہیں تجھے اب تک	سنا ہے میں نے ترا تذکرہ ہواؤں سے
تاجِ شہی نہ تختِ سلیماں کی ہے طلب	ٹوٹے ہوئے دلوں کی دُعا چاہئے مجھے
کسی نے غور سے اِس خاک کو نہیں دیکھا	ہر ایک ذرہ یہاں آفتاب جیسا ہے

حسین سحر کی غزل اردو غزل کی جدید روایت میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ اُس نے اپنے شعری تجربے کے بارے میں کوئی بلند بانگ دعویٰ کیا ہے نہ اُسے ایسا دعویٰ کرنے کی تمنا ہوگی مگر مجھے یقین ہے کہ مستقبل کا نقاد اُس کے تخلیقی کارنامے سے بے نیاز نہ رہے گا۔

جمالیاتی نقطۂ کمال کی تلاش

انور جمال

اُردو ادب میں ایسے ارفع شہ پاروں کی تعداد کو ہم انگلیوں پر گن سکتے ہیں۔ جن کے مضامین غیب سے آتے ہیں۔ جب صریرِ خامہ نوائے سروش بن جاتا ہے۔ جب دل ہر قطرہ میں صدائے انا البحر گونجتی ہے۔ جب فنکار کی تخلیقی بصیرت کے سامنے صحرا گرد میں نہاں ہوتا ہے۔ اور دریا اپنی جبیں خاک پہ گھستا ہے۔ جب دنیا بازیچۂ اطفال نظر آتی ہے۔ جب افلاک سے نالوں کا جواب آتا ہے۔ اور جب پردۂ افلاک کا حادثہ شاعر کے آئینۂ ادراک میں منعکس ہو جاتا ہے۔ ایسی پوئٹری ارفعیت اور آفاقیت کی مثال بن کر صدیوں پر محیط ہو جاتی ہے۔ وقت کی تیز رفتار آندھیاں اس پر آفات کی گرد نہیں ڈال سکتیں۔ وہ صاف شفاف شاعری ہوتی ہے جو وقت کے ہر منطقے میں محکم اور پائندہ رہتی ہے۔۔۔

موجودہ دور میں غزل کہنا مشکل فعلیت نہیں۔ قلی قطب شاہ سے لے کر اب تک لاکھوں بلکہ کروڑوں غزلیں موجود ہیں۔ جن کے مطالعے سے ہمیں ترشی ترشائی ترکیبیں۔ بندھی ٹکی تشبیہات اور بنے بنائے استعارے مل جاتے ہیں۔ موزونیٔ طبع موجود ہو تو ذرا سی محنت سے انسان غزل کہنے کے قابل ہو جاتا ہے اس لئے آج کل ہماری شاعری خاص طور پر غزل واہ کی شاعری ہے۔۔۔ مگر اثر سے لبریز اور فکر انگیز غزل کہنا آج بھی مشکل ہے۔ آوازوں کی اس تیز بارش اور شور و غل کی اس منہ زور آندھی میں حسین سحر کی صدا اپنے اندر ابلاغی صلاحیت اس لئے رکھتی ہے کہ معنویت۔ موضوعیت اور لہجے کی نوعیت کے لحاظ سے سحر کی غزل کو کسی مخصوص خانے میں رکھا جا سکتا ہے۔ جبکہ ان کے ہمعصر بے شمار شعراء کی غزل کو پڑھا اور سن کر ناقدین کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان کو کس پوسٹ بکس کے کھاتے میں ڈالا جائے۔ حسین سحر کی غزل۔ دراصل جمالیاتی نقطۂ کمال کی تلاش ہے۔ اس کی غزل کا بنیادی مقصد تخلیقِ حُسن کر کے انسانی محسوسات اور جذبوں کی تسکین کرنا ہے۔ اس کی غزل کوئی فلسفہ۔ آورش یا دستور فراہم نہیں کرتی۔ یہ کام

فلاسفروں روحانی مدبروں اور سیاسی مرشدوں کا ہے۔ اور اس کے لئے ۔ فلاسفی ۔ مذہبیات اور سیاسیات کے شعبے الگ موجود ہیں ۔ اس کے محیطِ شاعری کا مرکزی نقطہ جمالیاتی اور فنی نوعیت کا ہے۔۔۔ سحرؔ کی غزل کے بارے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہماری روایتی غزل کے مزاج کے خلاف اس کے ہاں قنوطیت اور یاسیت کی خواب آور اور یاس انگیز گولیاں نہیں ۔ وہ لمحۂ موجود کے تناؤ سے نہ خود ضرورت سے زیادہ پریشان ہے اور نہ دوسروں کو منہ بسورے پر مجبور کرتا ہے۔ یعنی وہ کسی معیار کی صورتِ حال کے سلسلے میں Utopian نہیں بنتا ۔ دوسری طرف نہ اس کی غزل اتنی رجائی ہے کہ وہ۔۔ اس دارالحزن کے غم والم کو محسوس ہی نہ کرتا ہو۔ میری اس رائے سے یہ تاثر لیا جا سکتا ہے کہ حسین سحر کی غزل برزخ کی ایک لکیر ہے جو حدِ فاصل کا درجہ رکھتی ہے۔۔ نہیں ۔۔ خوشگواری اور ناخوشگواری کے اعتبار سے سحرؔ کی غزل ایسی Balanced نہیں ہے۔ وہ تو سچائی کے ساتھ غم اور مسرت کے لمحوں کا ادراک کر کے دوسروں تک اس کی ترسیل کرتا ہے۔ اور اس کی غزل کا جھکاؤ ''مسرت اور رجائیت'' کی طرف زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی غزل تندرست اور توانا ہے۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی اس نے کرب والم اپنے اوپر طاری نہیں کیا۔

غزل کے جدید ترین تصورات کے ضمن میں اس وقت غزل کو جدید نظم کے قریب تر لایا جا رہا ہے۔ جس سے اس کی غنائی شکل مسخ ہو کے رہ گئی ہے۔ بے ضرورت اور بے محل Abstraction نے غزل کی ملائمت کو مجروح کیا ہے اور پھر معنوی اور موضوعی اعتبار سے بھی چند غزل گو شعراء کے علاوہ کسی نے کوئی خاص تیر نہیں مارا۔ سحرؔ کی غزل کی صورت یہ بنتی ہے کہ اس کی غزل معنوی اعتبار سے جدید اور صوری اعتبار سے روایتی ہے۔ اس کی غزل کی معنوی پرتیں عام طور پر Universal نوعیت کی ہیں ۔ جس سے ترسیلِ فکر میں سہولت رہتی ہے۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سحرؔ کی غزل جمالیاتی رویوں کی امین ۔ خوشگوار اثر پیدا کرنے والی ۔ روایتی حسن اور پختگی اور جدید موضوعات کی حامل غزل ہے۔ اس میں زندہ رہنے کا حوصلہ اور توانائی موجود ہے۔

حسین سحرؔ کی غزل ماضی کی روایت کے تسلسل کے شعورِ حال کے ماحولیاتی عرفان سے

تخلیقی ہم آہنگی اور مستقبل کی ادبی حیاتیات میں ادغام کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ ماضی اپنے اندر زندگی کے ارتقاء کے وہ تمام تجربے اور بصیرتوں کے رنگ رکھتا ہے۔ جو حال اور مستقبل کے چہرے کے خدوخال نمایاں کرتے ہیں ۔ ہر سابقہ گمان آئندہ کے تیقن کی اساس ہوتا ہے۔ لہٰذا روایت کو ماضی کی جوئے رواں کہنا چاہئے جس سے تاحیات زندگی کی کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں ۔ نیا تجربہ ان معنوں میں تو نیا ہوتا ہے کہ وہ ایک نئے ذہن کی فضا پر ابھرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ صدیوں کے ذہنی سفر کی کڑی ہوتی ہے چنانچہ جب تک کوئی فن پارہ تخلیقی اعتبار سے ۔ موضوعی لحاظ سے یا کم از کم نفسیاتی سطح پر روایت سے منسلک نہیں ہوتا وہ عصرِ موجود میں زندگی کے تنوعات کا ساتھ دینے کے لائق نہیں رہتا۔

حسین سحر کی شاعری میں روایت کی معنویت سے ایک واضح تعلق دکھائی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاری اس کی شاعری میں جذبے کی حدت محسوس کرتا ہے جذبہ تو تخلیق کے بطون میں ہمیشہ مرتعش رہتا ہے لیکن جب یہ جذبہ ''فن'' کے قاری ۔ سامع یا باصر کے جذبوں میں مدغم ہونے لگے تو سمجھنا چاہئے کہ فن کار نے روایت کے تسلسل کا فریضہ ادا کر دیا ہے۔ اگر کوئی فن یہ تسلسل برقرار نہ رکھ سکے تو اسے فن کے زمرے میں رکھنے کے لئے تامل کرنا پڑے گا۔ حسین سحر کی غزل نے تسلسل کے اس فریضے کو نہ صرف بہ طریق احسن ادا کیا ہے بلکہ اسے آگے بڑھایا ہے۔

کس قدر یاد کیا ہے ہم نے
کس قدر اس نے بھلایا ہوگا
تاجِ شہی نہ تختِ سلیماں کی ہے طلب
ٹوٹے ہوئے دلوں کی دعا چاہئے مجھے
حسین و تازہ خیالوں سے ذہن ہے خالی
یہ شہر بھی دلِ خانہ خراب جیسا ہے

ہر نئی صبح ذہن انسانی کے سامنے موضوعات کی بساط پھیلا دیتی ہے۔ یہ شاعر کا اپنا انتخاب ہے کہ وہ کس موضوع کو اپنی شاعری کے لئے منتخب کرتا ہے۔ حال کے ماحولیاتی منظر نامے کا مشاہدہ

کرنا۔اوراس پرفکر کے سخن وری کرنا انسانی حقوق کی پاسداری کے شعور کا دوسرا نام ہے لیکن اسی دشوارگزار سفر میں ادب کے خانقاہی نظام کے گدی نشینوں کی لعنت ملامت سننا پڑتی ہے۔

ظاہر ہے حسین سحرؔ جیسا متوازن اور متناسب شاعر نرم و گداز لہجے۔تغزل کے رچاؤ اور طبیعت کے گھلاؤ جیسے جمال آفریں اسلوب کی قربانی کیسے دے سکتا ہے۔ یہ اس کی طبیعت کے رنگ ہیں اور یہی اس کی شاعری کی خوشبو بھی۔

بے رنگ فضاؤں میں بکھر جاتی ہے خوشبو　　وہ شخص جدھر جائے ادھر جاتی ہے خوشبو
گر پھول ہوں میں لمس ملے حسن کا مجھ کو　　کانٹا ہوں تو رستے سے ہٹا کیوں نہیں دیتے
میں آنے والا وقت ہوں پیشِ نگاہ رکھ　　تیرے لئے رُکوں گا مرا انتظار کر

ہر ماضی کی نہر حال میں اور ہر حال کا دریا بالآخر مستقبل کے گہرے سمندر میں جا گرتا ہے۔ جہاں پانیوں کی الگ الگ پہچان ممکن نہیں۔حسین سحرؔ جس کے تخلیقی وجدان کا گہرا تعلق انسانی جذبوں کی جمالیات سے ہے۔ماضی سے مستقبل کے سفر میں آہستہ آہستہ رواں ہے۔لیکن درمیان میں ''حال'' کا مختصر فاصلہ اس نے جست میں طے کیا ہے اس نے نہ یہاں پڑاؤ کیا ہے نہ سستایا ہے کیونکہ وہ بالغ نظر شاعر ہے اسے علم ہے کہ حال محض ماندگی کا وقفہ ہے یہاں دم لینا اپنے آپ کو آلودۂ غبار کرنے کے مترادف ہے۔اس لئے وہ روشن اور نرم و گداز لمحوں سے ہمکلامی کرتا گزر جاتا ہے۔روشنی ستارہ، چراغ، سحر، خورشید، شعلہ، شبنم، مہتاب، صبح، کرن، چاند اس کے افقِ خیال کے جھلملاتے استعارے ہیں۔وہ روشنی کا سفر ہے شاید یہی اس کا نظریہ شاعری ہے۔

شام تک ساتھ رہا ہے سورج　　میرے ہمراہ جلا ہے سورج
چاند ہے جس کے بدن کا پرتو　　اس کے چہرے کی ضیا ہے سورج
میں علامت ہوں اجالوں کی سحرؔ　　میرے ماتھے پہ لکھا ہے سورج

تخاطب

ناصر بشیر

حسین سحر ملتان کے ان غزل گو شعراء میں شامل ہیں جو ایک عرصہ سے ذرائع ابلاغ کی بیساکھیوں کی پروا کئے بغیر اپنا شعری سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ملتان میں غزل کہنے والے شعراء کی ایک بڑی کھیپ موجود ہے جن میں عرش صدیقی، عاصی کرنالی، حزیں صدیقی، اسلم انصاری، انور جمال، حیدر گردیزی، محمد امین، ارشد ملتانی اور اقبال ارشد کے نام شامل ہیں۔حسین سحر کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے ہے۔وہ انتہائی بردبار، سنجیدہ اور متین طبع کے مالک ہیں۔وہ اپنی دنیا میں گم رہ کر بھی اپنی ایک پہچان بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔یوں تو وہ نظم بھی کہتے ہیں۔بچوں کا ادب بھی تخلیق کرتے ہیں۔ایک ادبی رسالہ ''اہل قلم'' بھی شائع کرتے ہیں۔لیکن ان کی اصل شناخت بطور غزل گو ہے۔ملتان میں اردو شاعری کا جب بھی ذکر آئے گا ان کا حوالہ دیئے بغیر محقق آگے نہیں بڑھ سکتا۔

''تخاطب'' ان کا پہلا مجموعۂ غزل ہے۔حسین سحر تقدیس ذات کے قائل ہیں۔وہ اپنی ذات کے آئینہ میں خارجی عوامل و مناظر کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔شاعری ان کے اندر سے پھوٹتی ہے۔اس لئے ان کے ہاں کہیں بھی بناوٹ یا تصنع نظر نہیں آتا۔

مادی ترقی نے جہاں فاصلے کم کئے ہیں وہاں اس نے انسان کو تنہائی کا احساس بھی دیا ہے۔ بے نیازی اور بے پروائی کا یہ عالم ہے کہ ہمیں خود علم نہیں ہوتا کہ ہمارے پڑوس میں رہنے والا کون ہے۔حسین سحر اپنے آپ کو ایک گنبد میں مقید خیال کرتے ہیں۔ جہاں اتنی تاریکی ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا ان کا کہنا ہے کہ۔

کفنِ شب کا کوئی در وا نظر آتا نہیں
آسماں پر ایک بھی تارا نظر آتا نہیں

گویا وہ روشنی کی ایک کرن ہی کو اس گنبد بے در سے باہر نکلنے کا راستہ بنا لینا چاہتے ہیں

کہ وہ باہر کی دنیا دیکھنا چاہتے ہیں وہ اپنے جیسے لوگوں سے بات کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

تمام عمر تخاطب مرا مجھی سے رہا
سوال میں نے کئے ہیں جواب میرے ہیں

یہ صورت حال اسی معاشرے میں ہوسکتی ہے جہاں مادہ پرستی کا رجحان غالب ہو۔اور ایک فنکار جو حساس دل کا مالک ہوتا ہے یہ کس طرح گوارا کرسکتا ہے کہ وہ خود بھی مادہ پرستوں کی دنیا کا ایک حصہ بن جائے۔حسین سحر کا یہی المیہ ہے یہی کرب ہے جو ان کی تخلیق کا سرچشمہ ہے۔ وہ اس حقیقت سے انحراف کر کے مافوق البشریت کا اظہار نہیں کرتے کہ انسان معاشرتی حیوان ہے۔حسین سحر اگر تنہائی کا احساس رکھتے ہیں تو یہ دراصل پوری انسانیت کا احساس ہے۔جو ان کے فن میں خون بن کر دوڑ رہا ہے۔

حسین سحر اگرچہ گنبدِ ذات کے اسیر نظر آتے ہیں مگر وہ چشمِ بینا سے خارجی مناظر دیکھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ان کے اندر اپنے ماحول سے جڑے رہنے کی خواہش بھی ہر لحہ بیدار رہتی ہے اور انہیں ماحول میں ہونے والی لحہ بہ لحہ تبدیلیوں کا ادراک بھی ہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے نا آشنا کیوں ہوگئے
وہ جو نزدیک رگِ جان تھے جدا کیوں ہوگئے
خواب تھے تحلیل ہو کر رہ گئے کیوں آنکھ میں
آئینوں میں عکس تھے اڑ کر ہوا کیوں ہوگئے
یہ آئینہ مرے پہلو میں کیوں چمکتا ہے
دیارِ سنگ میں رہ رہ کے سوچتا ہوں میں

دھواں اگلتی ہوئی چمنیاں یہ کہتی ہیں
حیاتِ روز سلگتی ہے کارخانوں میں

دریچہ، ستارہ ہوا، ریت، سورج، روشنی اور خوشبو وہ الفاظ ہیں جو ''تخاطب'' کے شاعر کے

ذہنی وفکری میلانات کی واضح طور پر عکاسی کرتے ہیں۔حسین سحر جب لفظ ''دریچہ'' استعمال کرتے ہیں تو ہوا، روشنی، سورج، ستارہ اور خوشبو بھی اپنی معنویت پا لیتے ہیں۔دنیا کی آلائشوں اور دکھوں سے فرار کی راہ اختیار کرنا ان کا شیوہ نہیں بلکہ وہ ان کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے ہوا روشنی، سورج، ستارہ اور خوشبو کے امتزاج سے ایک نئی دنیا کی تشکیل کرتے ہیں۔جہاں روشنی پر ہر فرد کا حق ہے۔جہاں ہوا ہر شخص کے ساتھ چلتی ہے۔جہاں سورج سبھی کو زندگی کی خوشخبری سناتا ہے۔ جہاں ستارہ کسی بھی مسافر کو تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیتا۔

بقول ڈاکٹر انور سدید۔

''وہ زمین کے ساتھ اپنا ناتا قائم رکھتے ہوئے پرواز کے آرزومند بھی ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے بگولوں کا ہمسفر بننے کی آرزو نہیں کی بلکہ اپنی راہ خود متعین کی ہے اور جدھر سے گزرے ہیں اسی کو اپنا گھر بنالیا ہے۔''

انور سدید کی اس رائے سے اختلاف بھی نہیں کیا جاسکتا کہ واقعی حسین سحر نے غزل گو شعراء میں ایک نیا راستہ متعارف کروایا ہے۔جس پر وہ بڑے اعتماد کے ساتھ محوِ سفر ہیں۔اور ایک وقت آئے گا کہ ان کا یہی اعتماد اور مستقل مزاجی انہیں منزل تک پہنچا دے گی۔

یہ اگرچہ ایک گھسا پٹا سا جملہ ہے مگر مجھے حسین سحر کی شاعری کے بارے میں یہ جملہ لکھتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں ہو رہی کہ انہوں نے بیک وقت جدت اور روایت کو نبھایا ہے۔

تخاطب۔۔ایک تاثر

پروفیسر مبارک مجوکہ

حسین سحرؔ کا مجموعۂ کلام ''تخاطب'' پڑھنے کو ملا تو عہدِ گزشتہ کی کئی بھولی بسری غزلیں، جو بزبان شاعر مشاعروں میں سنی جا چکی تھیں پڑھنے کو ملیں۔ مگر زیادہ حیرت اس بات پر تھی کہ اور بہت سی غزلیں جو ہم سحر رومانی اور حسین سحرؔ سے سُن چکے تھے اس مجموعہ میں موجود نہ تھیں۔ اس سے معلوم ہوگا کہ شاعر نے مجموعہ کی تالیف میں کس قدر کڑے معیار کو پیشِ نظر رکھا ہے۔

میرے دوست اور رفیق کار جناب حسین سحرؔ کبھی سحر رومانی ہوا کرتے تھے اُن کی حقیقت پسندی ملاحظہ فرمائیے کہ جونہی رومانیت اُن کے کلام سے رخصت ہونے لگی انہوں نے فوراً اپنے لئے حسین سحر کا نام منتخب کرلیا۔ سحر رومانی کا ایک شعر سنیے۔

کوئی شہکار جو تخلیق ہوا
ہو بہو تیرا سراپا ہوگا

اب حسین سحرؔ کا ایک شعر سنیے۔

کچھ اور بھی سکون ہے دل کو تیرے بغیر
تجھ سے ترا خیال زیادہ حسین ہے

تخاطب کے شاعر کا تصور میرے ذہن میں اور ہے جبکہ مشاعروں اور نجی محفلوں میں حسین سحرؔ کے شعر سننے کے بعد اُن کا قد و قامت اور ہے۔ غزلوں کے انتخاب کے بارے میں جو معیار اُن کے پیشِ نظر تھا اُس میں قاری کو شریک نہیں کیا گیا۔ وجہ کچھ بھی ہوسکتی ہے۔ بہر حال ان غزلوں کو پڑھنے کے بعد جس شاعر کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے وہ ایک کہنہ مشق اور پیرون بین شاعر کا تصور ہے۔ رومانی غزلوں میں وہ کہیں بھی روائتی عاشق شاعر کا روپ نہیں دھارتے۔ وہ اپنی داخلی کیفیت کو بھی اپنی ذات سے الگ ہوکر دیکھنے کا سلیقہ جانتے ہیں اور پھر اُس کیفیت، خیال اور تجربہ کے اظہار پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

زیست کے لمبے سفر کی دھوپ کا کچھ غم نہیں
ابر سی زلفوں کا گر سایہ دکھائی دے مجھے

ہے میرے چاروں طرف اک ہجوم چہروں کا — حصارِ ذات میں اس طرح کھو گیا ہوں میں
ہم ہی محروم تماشا ہیں جہاں میں ورنہ — دیکھنے والوں نے ہر سو ترا جلوہ دیکھا
کچھ اور بھی سکون ہے دل کو تیرے بغیر — تجھ سے تیرا خیال زیادہ حسین ہے

شاعر کو اُس کی بے لگام خواہشات اپنا غلام نہیں بنا سکیں۔ بلکہ انہوں نے شعوری طور پر اس کے الٹ کام کرنے کی کوشش کی ہے۔

تخاطب کی غزلوں میں ایسے اشعار ہیں جن میں شاعر نے صورت حال کو موضوع بنایا ہے۔ اردگرد کے ماحول پر ان کی رائے وقیع اور بامعنی ہے۔ شاعر بنیادی طور پر حساس ہوتا ہے اور کوئی بھی شاعر ہمارے روزمرہ کی خبروں اور تبصروں سے لاتعلقی نہیں رہ سکتا۔ وہ جب کہتے ہیں کہ روح زمین سکون سے محروم ہوگئی ہے شاید یہ دولتِ دل ہاتھ آئے اب خلا پر۔ تو ان کا کرب اور انسانیت سے محبت دونوں کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک اور جگہ کہتے ہیں۔

انسانیت کا درد ہے سرمایہ حیات
انسانیت ہی اہل محبت کا دین ہے

زمانے کے رنج والم سے شاعر کسی طور پر بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ اردگرد کی ناہمواریاں، بے انصافیاں اور پھر ''طوق زریں درگردن خر'' کا معاملہ حسین سحر کے لئے نیا نہیں۔ ان کا تبصرہ ایک مثبت انداز کا ہے۔ وہ محض نعرہ بازی پر یقین نہیں رکھتے۔ اُن کا ایقان ہے کہ صورت حال موجودہ راکھ ہی سے شعلہ کی صورت ابھرے گی اور اس سے آگے اندھیرا نہیں اجالا ہے۔ ان رویوں پر اُن کا اظہار شاعرانہ انداز کا ہے۔ انہوں نے ایک سرچشم انسان کی طرح اپنی بے کراں خواہشوں کو بے لگام نہیں چھوڑ دیا۔ اُن کو ضبط میں رکھا ہے۔ یہی بات اُن کے لئے طمانیت قلب کا موجب ہے اور وہ صورت حال پر ایک بلیغ تبصرہ کرنے کی پوزیشن میں آ گئے ہیں۔

خدائے دشت کی تقسیم پر میں راضی ہوں

کہ آب پارے تیرے ہیں سراب میرے ہیں
نصیب آج ہیں کانٹے اگر تو کیا غم ہے
نئی رتوں کے شگفتہ گلاب میرے ہیں

اور

وہ جو سائے کی طرح ہمراہ تھے اپنے سحرؔ
حادثوں کی دھوپ میں ہم سے جدا کیوں ہو گئے؟

شاعر کا رویہ ہمیشہ رجائی ہے قنوطی کہیں بھی نہیں۔ وہ صورت حال سے مطمئن تو نہیں مگر اُنہیں یقین ہے کہ صورت حال بدلے گی اور بہتری کے لئے بدلے گی۔

روشنی کی ہو جسے بھی خواہش
وہ مرے دل کا دیا لے جائے

بام و در جگمگاتے رہیں گے ہمیشہ سحرؔ
شہر میں ایسی تابندگی چھوڑ آیا ہوں میں

اک کاروان درد والم ساتھ ہے سحرؔ
کہنے کو یوں تو دل مرا تنہا سفر میں ہے

اس مجموعہ میں رومانی اشعار کی کمی نہیں۔ زندگی کے باقی رویوں کی طرح حسین سحرؔ کا تصور عشق بھی مثبت انداز لئے ہوئے ہے۔ ان کے ہاں بوالہوسی نام کو نہیں۔ عشق ایک متحرک اور دوررس جذبہ ہے جو کارگہ ہستی میں ایک مؤثر حربہ کے طور پر استعمال ہوسکتا ہے۔ اس رویہ کے پیچھے شاعر کی پوری شخصیت اس کا مطالعہ ومشاہدہ اور پھر آخر میں اس کا منشور سبھی اُسے ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کرتے ہیں جہاں اُسے عشق کی ایک ہی جست محور زندگی دکھائی دیتی ہے۔

ابر چھایا تو تیری زلف سیاہ یاد آئی
چاند نکلا تو ترا رنگ چمکتا دیکھا

تجھے دلوں کی سیاہی کی کیا خبر ہوگی — تری نظر نے تو جسموں کی چاندنی دیکھی
جو میرے رگ و پے میں سلگتی ہے مسلسل — اس آگ کو کس نام سے تعبیر کیا جائے

اور اس شعر میں تو شاعر نے اپنا منشور کس قدر رواں شگاف الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔

تسخیر فلک کی بھی سحر ہوتی رہے گی
پہلے دل انسان کو تسخیر کیا جائے

زندگی کے بارے میں حسین سحر نے مختلف سوال کئے ہیں۔ یہ سوال قاری سے زیادہ خود اپنے آپ سے ہیں۔ خود کلامی کی یہ کیفیت ہی حسین سحرؔ کی غزلوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ شاعر کا تجربہ، مشاہدہ، وجدان، سبھی مل کر ان مشکل سوالوں کا جواب مہیا کرتے ہیں۔

تمام عمر تخاطب مرا مجھی سے رہا
سوال میں نے کئے ہیں جواب میرے ہیں

مگر بعض سوال ایسے بھی ہیں جو لاینحل مسائل کی نشاندہی کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ یہ وہ سوال ہیں جو ہر ذہین آدمی کے ذہن میں آتے ہیں اور پھر ایک سوالیہ نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ بقول غالب ؎

ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے؟

لیکن کچھ کائناتی سوال ایسے ہیں جو شاعر کے وجدان سے جنم لیتے ہیں اور پھر وہی اُن کا جواب بصورت حالات قاری کے گوش گزار کرتا ہے۔

میں لہلہاتی شاخ کو سمجھا تھا زندگی
پتا گرا تو درس فنا دے گیا مجھے

حُسین سحر کا اندازِ تخاطب

حسن سوز

بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں بلکہ یہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ قیامِ پاکستان سے قبل تک برصغیر کے لوگ اپنے گاؤں' قصبے یا شہر سے ایک گہرا جذباتی لگاؤ رکھتے تھے۔ آبائی گھروں کی محبت میں ایک گمبھیرتا تھی۔ یہاں تک کہ درختوں اور پالتو جانوروں سے بھی ماں باپ بہن بھائی اور اولاد کی طرح پیار کرتے تھے۔ لڑکے دادا نانا کی کتابوں اور قلمدان کے سائے میں پرورش پا کر سنِ بلوغت کو پہنچتے تھے۔ نانی دادی کا زیور لڑکیوں کو ورثے میں ملا کرتا تھا۔ اس طرح ادب' تہذیب' ثقافت اور انسانی رشتوں کا اعلیٰ و ارفع شعور نسل در نسل منتقل ہوتا چلا جاتا تھا۔ یکبارگی زمانے کی ہوا بدلی۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی فتوحات کا دائرہ وسعت اختیار کر گیا۔ مغرب سے سامانِ تعیش کی درآمدات کے ساتھ ہی ساتھ نئے افکار و نظریات بھی ہماری زندگی میں داخل ہوتے چلے گئے۔ تمام پرانے انسانی سماجی رشتے کمزور پڑ گئے۔ چھوٹی چھوٹی خواہشات اور سطحی مقاصد کے حصول کی خاطر ترکِ وطن کی وبا پھیل گئی۔ چیزوں کو ایک دوبار استعمال کر کے پھینک دینے کا رُجحان عام ہو گیا' کسی مکان' کسی محلے' کسی گاؤں یا شہر سے چاہت کا رشتہ استوار ہونا ممکن ہی نہیں رہا۔ یہ تمام کے تمام تغیراتِ زمانہ قیامِ پاکستان کے ساتھ ساتھ رونما ہونا شروع ہوئے۔ نتیجتاً کوئی مستحکم معاشرہ ہمارا مقدر نہ بن سکا۔ کوئی مربوط و منظم تہذیب و ثقافت ہمارے حصے میں نہیں آ سکی۔ ہم نے ادب تخلیق کیا' شاعری کی' مصوری کی اور فنونِ لطیفہ کے کئی دوسرے شعبوں میں بھی بساط بھر ہاتھ پاؤں مارے مگر آج تک قومی افق پر کوئی ایسی قوسِ قزح نہیں ابھار سکے۔ جس کے رنگ دنیا میں ہماری شناخت بن سکیں۔ یگانگت و یکجہتی کے بجائے مفاہمت اور انتشار و نفاق نے ہر شعبۂ زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سو ہمارے شعر و ادب نے اسی کیفیت و حقیقت کی عکاسی کی۔

آج اس بات پر تو تمام وابستگانِ شعر و ادب قریب قریب متفق ہیں کہ ہر زبان اور ہر زمانے کا ادب اپنے سماج اور حالات و ماحول کی پیداوار ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کی جڑیں

اپنی روایت کی تہہ میں دور تک اُتری ہوئی ہوتی ہیں۔ سچے اور اچھے ادب کی تو یہی پہچان ٹھہری ہے۔ نظریۂ ضرورت کے تحت ادب کی تخلیق عمل میں آئے تو بھی ان محاسن و حقائق سے اچھا ادب مبرا نہیں ہو سکتا۔ پاکستان میں بھی اردو شاعری نے اپنی روایت سے وابستہ رہتے ہوئے ہی آس پاس رونما ہونے والے واقعات و حادثات اور بین الاقوامی صورتِ حال کے زیرِ اثر جنم لینے والی نئی حسیت کا اظہار کیا ہے۔ بالخصوص غزل نے بدلتے ہوئے حالات و ماحول اور اندازِ فکر و اظہار کی بھرپور عکاسی کی ہے۔

کنارِ شب کا کوئی دَر وَا نظر آتا نہیں
آسماں پر ایک بھی تارا نظر آتا نہیں
ریت کی لہریں سی اٹھتی ہیں کنارے کیطرف
تشنگی اتنی بڑھی دریا نظر آتا نہیں

.....

دُھواں اگلتی ہوئی چمنیاں یہ کہتی ہیں
حیات روز سُلگتی ہے کارخانوں میں

.....

گرم جوشی تھی کل' سرد مہری ہے اب
لوگ موسم کی صورت بدلنے لگے

.....

پیاس کی شدت دکھاتی ہے عجب نیرنگیاں
جگمگاتی ریت پر ہوتا ہے پانی کا گُماں

.....

یہاں تو اپنی ہی خوبی ہے ذات کی دشمن
سُلگ رہے ہیں کئی پیڑ اپنی چھاؤں میں

کبھی تو کوئی سنے گا مجھے توجہ سے
ہوا کے دوش پہ اڑتی ہوئی صدا ہوں میں

.....

دلوں میں زہر لبوں پر شگفتگی دیکھی
یہ رسم ہم نے عجب تیرے شہر کی دیکھی

.....

میں لہلہاتی شاخ کو سمجھا تھا زندگی
پتا گرا تو درسِ فنا دے گیا مجھے

یہ اشعار حسین سحر کے مجموعۂ غزل ''تخاطب'' کے ہیں۔ اپنے اردگرد بکھری ہوئی حقیقتوں کو مناسب الفاظ دے کر عارفانہ شعور کی طمانیت کے ساتھ نئے رنگ و آہنگ میں اس طرح پیش کر دینا کہ قاری کے ذہن و دل، احساس و ادراک کی ایک نئی دنیا میں پہنچ جائیں، کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ حسین سحر اس اعتبار سے کامیاب و کامران نظر آتے ہیں کہ انہوں نے تخاطب کے ذریعے ہمیں جذبات و محسوسات کی ایک نئی اور انوکھی وادی کی سیر کرائی ہے۔ ''تخاطب'' کا مطالعہ کرتے ہوئے جگہ جگہ ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ شاعر ہماری رفاقتوں، رقابتوں، چاہتوں اور منافقتوں سے خوب اچھی طرح واقف ہے۔ اور یہ واقفیت ایک گہرے مشاہدے اور مطالعے کا نتیجہ ہے۔

آج کا انسان حرص و ہوس کے جنگل میں داخل ہو کر وحشیانہ حد تک خودغرضی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ آئین و دستور کو کاغذ کے ایک معمولی پُرزے سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ٹریفک قوانین کی اسے پروا نہیں ہے۔ اس کے بازار بددیانتی و بداخلاقی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ پڑوس کے حقوق سے روگردانی اس کا شیوہ ہے۔ عزیز و اقارب کو سماجی مرتبے کی ترازو میں تولتا ہے۔ دوستی کے مقدس رشتے کو ذاتی مفاد کی کسوٹی پر گھس کر پرکھنے لگا ہے آج اسے اپنے وعدوں کا پاس ہے نہ معاہدوں کا احترام۔ جدید تر تعلیم و تربیت کے اس دور میں بھی اسفل جذبات و خواہشات کا

تابع ہو کر حیوانی سطح پر زندگی بسر کر رہا ہے۔ رہن سہن کے اعلیٰ معیار سے قطع نظر اس کی روح میں جھانکا جائے تو اخلاقی پستی کی سب سے نچلی سطح پر ہانپتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہ صورتِ حال ایک حساس اور باشعور شاعر کے لئے کسی المیے سے کم نہیں۔ حسین سحر ایک مہذب اور شائستہ انسان ہے۔ اس نے اردو غزل کی عظیم روایت کے زیرِ سایہ اپنے جذبات و محسوسات اور مشاہدات و تاثرات کی تہذیب و تربیت کر کے نئی غزل کے میدان میں قدم رکھا ہے۔ دیکھئے کچھ مثالیں:۔

دیکھ اے موجِ نفس، تجھ سے نہ لگ جائے کہیں
شیشۂ جاں میں نزاکت ہے حبابوں جیسی

.....

اس حقیقت سے ہے واقف میرے دشمن کا ضمیر
خود بخود لب میرے مصروفِ دعا کیوں ہو گئے

.....

تاجِ شہی نہ تختِ سلیماں کی ہے طلب
ٹوٹے ہوئے دلوں کی دُعا چاہئے مجھے

.....

بے نام خواہشیں ہیں دل میں کچھ ایسے روشن
یہ شمعیں بجھ بھی جائیں، اُٹھتا نہیں دھواں تک

.....

دل وقفِ غم درد ہو یا غرقِ مسرت
اس خاک کو جیسے بھی ہوا اکسیر کیا جائے

.....

جیت بھی ہو سکتی ہے، ہار بھی ممکن ہے
میدان میں یہ سب کچھ جان کے نکلا ہوں

نصیب آج ہیں کانٹے اگر تو کیا غم ہے
نئی رتوں کے شگفتہ گلاب میرے ہیں

تخلیقی شعور رکھنے والے شاعر کے یہاں حیات وکائنات کے وجود کی معنویت اور خود کو تلاش کرنے کی کوشش پیہم کا عمل موجود ہوتا ہے۔ یہ عمل حسین سحر کے یہاں بھی کچھ سوالات کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ ''تخاطب'' میں متعدد اشعار ایسے ہیں جو سوالیہ انداز میں ایک معصومانہ حیرت سموئے ہوئے ہیں اور ہمیں غور وفکر کی دعوت دیتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

میرے لئے تو سانس بھی لینا محال ہے
یہ کون زندگی کی دُعا دے گیا مجھے

.....

کس نے دیکھی ہے لبوں کی خوشبو
کون سُنتا ہے نظر کی آہٹ ؟

.....

یہ خاک اُڑاتے ہوئے آوارہ بگولے
مجھ کو مری منزل کا پتہ کیوں نہیں دیتے

.....

اِک کرن کی آواز ڈوبی تھی دشتِ شام میں
شہر کے سارے دریچے بے صدا کیوں ہوگئے
وہ جو سائے کی طرح ہمراہ تھے اپنے سحر
حادثوں کی دھوپ میں ہم سے جدا کیوں ہوگئے؟

.....

جو میرے رگ و پے میں سُلگتی ہے مُسلسل
اس آگ کو کس نام سے تعبیر کیا جائے؟

.....

گر اس کا چہرہ ہے شفاف آئینے کی طرح
تو میرا عکس مجھے کیوں نظر نہیں آتا؟

''تخاطب'' کی تمام غزلوں میں ایک دل آویز توازن کے ساتھ جذبات کی تامل انگیز ہمواری ہمیں اپنی جانب متوجہ کرتی ہے اور یہی خوبی شاعر کے مزاج کی انفرادیت کا احساس بھی ہمیں دلاتی ہے۔ نامساعد حالات کی اذیت ناکی کے باوجود حُسین سحر کسی جگہ خود رحمی یا قنوطیت کا شکار نہیں ہوتے۔ جو آج کے بیشتر شعراء کا طرۂ امتیاز ہے۔ نئے شعراء میں ایسے بہت کم ہیں جو تاریخی شعور کے ساتھ نئے دور کی زندگی کو شعر کے سانچے میں ڈھالنے کی صلاحیت رکھتے ہوں حُسین سحر میں یہ صلاحیت موجود ہے وفورِ جذبات کی توانائی ان کے اندر نہیں تو نہ سہی۔ فکر واحساس کا خلوص اور مشاہدے کی سچائی ان کے یہاں بہرحال ایک تخلیقی قوت کے طور پر موجود ہے اور یہ بات بے یقینی اور اعلیٰ انسانی اقدار کی شکست وریخت کے اس دور میں کوئی معمولی بات نہیں۔

.....

دیدۂ بینا کا حامل شاعر

شبیر احمد قادری

حسین سحرؔ دیدۂ بینا کا حامل شاعر ہے۔ آپ کہیں گے کہ جب شاعر ہی کہہ دیا تو دیدۂ بینا کا حامل کہنے سے کیا مطلب؟ کیا کوئی ایسا شاعر بھی ہے جو دیدۂ بینا نہ رکھتا ہو؟ میرا جواب اثبات میں ہوگا۔ اس لئے کہ دیدہ تو ہر کوئی رکھتا ہے۔ اصل چیز بینائی ہے اور یہ بینائی ہر شخص میں بیش وکم ہوتی ہے۔ کوئی تیز نگاہ ہوتا ہے تو کوئی کمزور نظر۔

حسین سحرؔ تیز نگاہ ہے اور اس کی یہ تیز نگاہی گہرائیوں کا احاطہ کرتی ہے تو دوسری جانب بلندیوں کو بھی تسخیر کرتی نظر آتی ہے۔ ''تخاطب'' میں کم از کم مجھے وہ انہی اوصاف سے متصف نظر آیا ہے کہ یہ کتاب اس کی عمیق النظری اور بلند نگاہی کا روزنامچہ ہے۔ اور اس کے افکار وخیالات کی عمدہ پیشکش اور ابلاغ کا مؤثر وسیلہ بھی۔

حسین سحرؔ کا روئے تخاطب بیک وقت اپنی ذات اور سماج کی طرف ہے۔ اس کے ہاں کرب زا موضوعات کی فراوانی ہے۔ اور درد اور کسک کی لے بھی۔ حسین سحرؔ اپنے دور کا شاعر ہے۔ اس کی شاعری آسمانی نہیں ارضی رویوں کی حامل ہے۔ اپنے عہد کی معاشرتی معاشی' سیاسی اور ادبی صورت احوال اس کے سامنے ہے۔ سماجی ناہمواریاں اپنی تمام تر کراہتوں کے ساتھ اس کے علم میں ہیں۔ اور اس کی حساسیت اسے کسی طور بھی اس صورت حال سے نظریں چرانے کی اجازت نہیں دیتی۔ اس کا عمومی رویہ ہمدردانہ ہے مگر کہیں کہیں اس کا کرب نشتریت لئے ہوئے بھی دکھائی دیتا ہے۔

حسین سحرؔ قاری کو ورطۂ حیرت میں ڈالنے کا عادی نہیں' نہ چونکا دینے والا مسئلہ بیان کرنے کا خوگر۔ اس کے ہاں ٹھہراؤ کی قابل قدر کیفیت ملتی ہے۔ جذباتیت کا عنصر خوبصورت سے مغلوب ہو کر رہ گیا ہے۔ غزل میں اس کا انداز فنی روایات کا حامل ہونے کے باوصف اپنے اندر ایک خاص قسم کی انفرادیت رکھتا ہے۔ فکر وجذبہ کی صداقت اور لب ولہجے کا اعتماد حسین سحر کو عہد

حاضر کے شعراء میں نمایاں اور بلند مقام عطا کرتے ہیں۔ حسین سحر کی غزل اپنے متنوع موضوعات کی بدولت سرتا سر جدید غزل ہے۔ رنگ وآہنگ کے اعتبار سے اس کے متعدد شعر ہمیشہ زندہ رہنے والے شعروں کی ذیل میں آتے ہیں۔ بہت سے جدید شعراء جذبے اور فکر کی جس سطح پر پہنچ کر ہانپنا شروع کر دیتے ہیں حسین سحر کا آغاز وہاں سے ہوتا ہے۔ وہ شاعر جو لہلہاتی شاخ سے گرنے والے پتے سے درس فنا حاصل کرے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ پائیدار اور ناپائیدار میں موجود واضح فرق کو نہ جانتا ہو اور دوسروں کی رہنمائی اس جانب نہ کر سکتا ہو۔ وہ تو دل پر گزرنے والی ہر بات کو لب اظہار تک لے آنے کا قائل ہے جب خموشی کی زبان سمجھنے والا بھی کوئی نہ ہو۔

حسین سحر کے ہاں اساتذۂ سخن سے اخذ واستفادہ کا بھرپور عمل دکھائی دیتا ہے۔ اور ان کا عکس واثر بھی اس کے متعدد شعروں میں نظر آتا ہے۔ جو روائت سے اس کے مضبوط رشتے اور بھرپور مطالعہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ حسین سحر نے غزل کے روائتی انداز کو انتہائی سلیقے اور قرینے کے ساتھ نئے دور کے تقاضوں اور عصری آگہی کے تناظر میں پیش کیا ہے۔ فکر کی تازگی کی بدولت پرانے موضوعات میں بھی نیا پن اور تنوع ملتا ہے۔

حسین سحر ذات کا اسیر نہیں بلکہ ذات کو تو اس نے اپنی اجتماعی سوچ کا اسیر بنا رکھا ہے۔ بات اگرچہ وہ ذات کے حوالے سے کرتا ہے مگر اجتماع کا عنصر شعر کے بطون سے صاف ظہور پذیر نظر آتا ہے۔ پروپیگنڈے سے وہ مالاں ہے۔ مگر حق بات کہنے سے خوف نہیں کھاتا جو کچھ محسوس کرتا ہے لفظوں کا دیدہ زیب جامہ پہنا کر شعر کے قالب میں ڈھال دیتا ہے۔ سماجی حالات اور عصری مسائل کے بیان میں بھی حسین سحر نے اپنی غزل سے تغزل کو محو نہیں ہونے دیا۔ بناوٹ تصنع اور تکلف کے بجائے بے ساختہ پن اس کے یہاں موجود ہے۔ زندگی کی اچھی اقدار کے انحطاط کا دکھ حسین سحر کو بھی ہے۔ عصر حاضر کے انسان کے ذہنی انتشار' بے اطمینانی' خیالات کی پراگندگی کا اسے شدید احساس ہے۔ لحہ بہ لحہ بڑھتی ہوئی گھٹن اور جان لیوا حبس سے وہ خود بھی پریشان ہے۔ وہ وقت کے اندھے کنویں میں جھانکتا ہے تو چیخ اٹھتا ہے۔ نظریات ومسالک کی آلودہ فضا میں سانس لینے میں دقت محسوس کرتا ہے۔ وہ روحانیت سے مادیت کی طرف سفر کرتے ہوئے انسان کی قابل

رحم حالت پر آنسو بہاتا ہے.....نوحہ لکھتا ہے۔اقتصادی استبداد معاشی زبوں حالی اور مختلف نظام ہائے فکر کا کھوکھلا پن اس کے پیش نظر ہے۔اور ''تخاطب'' اسی ہیجان کے تجزیئے اور زندگی کے بنیادی حقائق کو تسلیم کرنے اور سمجھنے سمجھانے کی ایک کامیاب اور قابل قدر شعری کاوش ہے۔

گنبدِ شب کا کوئی در وا نظر آتا نہیں
آسماں پر ایک بھی تارا نظر آتا نہیں
یوں تو ہر جانب نظر آتے ہیں چہروں کے ہجوم
ڈھونڈتا ہوں جس کو وہ چہرا نظر آتا نہیں
اس قدر خوفِ سفر میں لوگ ہیں الجھے ہوئے
منزلیں ہیں سامنے رستا نظر آتا نہیں
فیصلہ مشکل بہت ہے اس اندھیرے میں سحر
کیا نظر آتا ہے مجھ کو کیا نظر آتا نہیں

اس قدر عام ہوا حبس ہوا
چپ ہے خوشبو کے نگر کی آہٹ

ہر سمت ہیں نفرت کے اندھیرے ہی اندھیرے
اِک شمع محبت کی جلا کیوں نہیں دیتے

یہ کیسا شہر ہے خاموش موت کی صورت
ہر آدمی یہاں پتھر دکھائی دیتا ہے

عجب نظارہ دکھائی دیا فضاؤں میں
زمیں طلوع ہوئی چاند کے خلاؤں میں

میں سوچتا ہوں کہاں کھو گئی مری آواز؟
بس ایک شور سا ملتا ہے سب صداؤں میں

سورج سفر میں ہے نہ ستارا سفر میں ہے
اپنا وجود اپنا ہی سایا سفر میں ہے
چاروں طرف سلگتے بگولے ہیں رقص میں
محسوس ہورہا ہے کہ صحرا سفر میں ہے

تمام شہر ہے خاموش جاگتا ہوں میں
اندھیری رات میں جلتا ہوا دیا ہوں میں
کبھی تو کوئی سنے گا مجھے توجہ سے
ہوا کے دوش پہ اڑتی ہوئی صدا ہوں میں
ہے میرے چاروں طرف اِک ہجوم چہروں کا
حصارِ ذات میں اس طرح کھو گیا ہوں میں
وفا کو شہرِ جفا میں تلاش کرتا ہوں
چراغ تیز ہوا میں جلا رہا ہوں میں

ذرے سسک رہے ہیں ظلمت کی انتہا پر
الزام آ نہ جائے خورشید کی ضیا پر
روحِ زمیں سکوں سے محروم ہوگئی ہے
شائد یہ دولتِ دِل ہاتھ آئے اب خلا پر

یہ اور اس قسم کے متعدد شعر جو ''تخاطب'' میں شامل ہیں' شاعر کے بھرپور عصری اور

سماجی شعور کا پتہ دیتے ہیں۔ ''شہر'' ''بگولے''، ''صحرا''، ''وقت''، ''پھول''، ''سورج''، ''روشنی''، ''رات''، ''چراغ''۔ جیسے استعارے اور علامتیں حسین سحر کے معروف استعارے اور علامتیں ہیں۔ جن کے ذریعے وہ اپنی شاعری کو شاعرانہ بلاغت اور فصاحت سے آراستہ کرتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حسین سحر کے لہجے میں توانائی اور رعنائی کا شکوہ و طمطراق بھی ملتا ہے جس کی طرف حاصی کرنالی نے اشارہ کیا۔ خوش کن امر یہ ہے کہ شاعر اپنے لہجے اور اپنے صوت و صدا کے تخلیقی نظام سے صرف نظر نہیں کرتا۔ حسین سحر نے سید قمر زیدی کے بارے میں ایک مضمون (مطبوعہ ماہنامہ رعنائیاں سید قمر زیدی نمبر) میں ایک جگہ رقمطراز ہیں کہ۔

''سید قمر زیدی نے زندگی اور محبت کے سبھی رویوں میں اقدار زیست کی بازیافت کے عمل کو سامنے رکھا ہے اور اس کی کوشش یہی ہے کہ زندگی کے معاملات و معمولات میں منفی رویوں کے بجائے مثبت سوچ اور عمل کا دخل ہو۔''

ہم عصر شاعر کے بارے میں مذکورہ بالا رائے خود حسین سحر کے فکر و نظر پر بھی صادق آتی ہے وہ راست فکر اور جادۂ مستقیم پر چلنے والا شاعر ہے۔ اقبال ارشد نے اس کی شاعری کو ایک شائستہ اور مہذب انسان کی شاعری قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید رقمطراز ہیں کہ۔

''حسین سحر اپنی خواہشات کا اسیر بن جانے کے بجائے ایسے حواس پر غالب آجانے کی سعی کرتے ہیں جن سے خواہشیں پیدا ہوتی ہیں اور شاعری سے عبادت کا عنصر معدوم ہو جاتا ہے۔''

حسین سحر کے لہجے میں جو اعتماد ہے وہ فن شعر پر اس کی کامل گرفت کی دین ہے۔ اس کا تخاطب اپنی ذات سے ہے اور یہ ذات پھیل کر بالآخر کائنات بن جاتی ہے اور یوں اپنی ذات کے راستے وہ پوری کائنات سے مخاطب ہوتا ہے اور اپنے گرد و پیش جو کچھ دیکھتا ہے۔ جو محسوس کرتا ہے انہیں لفظوں کا حسین جامہ پہنا کر دوسروں کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے۔ اور یوں حسین سحر کی بصارت اور بصیرت یکجا ہو کر پڑھنے والوں کو اسی طرح متاثر کرتی ہیں جس طرح اس کے یہاں روائت اور جدت کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔

فطرت سے اکتساب اور اقدام امن

ڈاکٹر اقبال واجد

حسین سحر کی نظمیں فطرت سے اکتساب اور اقدام امن کا داعیہ ہیں وہ فطرت کو ایسی گہرائی اور علم کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ انہیں اس میں آدمیت کی ہر تخریب کا جامع حل نظر آتا ہے۔ قدرت کے قوانین اس کے اظہار اور اس کی وجودی زبان حسین سحر کو زندگی کے قطعی واسطوں پر ٹھہرانے کی بجائے خاموش مکالموں اور پرسکون ٹھکانوں کی طرف لے جاتی ہے۔ اس ترتیب میں فطرت سے استفادے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان فطرت سے استفادے کی نیت بھی کرے اور وقتی طور پر کسی اہم یا غیر اہم ضرورت کے تحت اس سے ممکنہ حد تک رجوع بھی کر سکے۔ فطرت سے ایسے استفادے میں اس کے خاموش اشاروں کا سراغ لگا لینا اور ان پر اس طرح عمل کرنا کہ اس سے جمال یا ذوق جمال کی تسکین کے ساتھ ساتھ اقدام امن کی صورت بھی پیدا ہو، مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

فطرت سے استفادے کی دوسری صورت فطرت سے صلح اور اقدام امن ہے۔ فطرت سے استفادے کی دوسری صورت حسین سحر کی نظم نگاری میں اپنے موضوعی تعبیرات کے ساتھ موجود ہے یہ تعبیرات ان کی نظموں کو ان شعراء اور شوں تاریخ کے ایسے ناموراسماء اور صفات کی صف میں شامل کرتی ہیں جو بیسویں صدی کی دہائیوں میں اپنے معیار کو حاصل کر چکے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ حسین سحر کے یہاں فطرت سے اکتساب کا عمل کن بنیادوں پر قائم ہے؟ اور اس کی توضیح کے لئے شعر اور نقد شعر کے درمیان کیوں کر فصل قائم کیا جا سکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ حسین سحر کے یہاں فطرت سے اکتساب کے جو اشارے ملتے ہیں وہ تحیر کی بجائے تیقن اور تشیر کی بجائے تنظیم کی طرف چلتے ہیں۔ کائنات کے مظاہر اور اسرار سے حیرت طلب کرنا تیقن اور وجد کے منافی ہے اس لئے کہ حیرت کا طالب ہمیشہ مخلوق میں غرق رہتا ہے اور تیقن کا طالب خالق کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے۔ وہ حیرت اور حیرانی سے نکل آتا ہے۔ حیرت بھی ابتدائی منازل میں حقیقت کے معمول کا ذریع بنی

ہے مگر صرف حیرت ہی حیرت ہو اور استعجاب دور نہ ہو تو کہا جائے گا کہ یہ استعجاب اگر چہ خالق کے ساتھ رشتہ استوار کرنا چاہتا ہے مگر جب تک خود یہ استعجاب ختم نہیں ہوتا خالق کیساتھ حجاب برقرار رہے گا۔ ظاہر ہے کہ جب حیرت پر حیرت جمتی چلے جائے گی تو محسوس کے مشاہدے سے فرصت ہی نہیں ملے گی اور حواس محسوسات کو اپنا نشان سمجھ لیں گے اس لئے وجدانی اور شعوری دونوں سطح پر جو سب سے بڑا فرق تحیر اور تیقن میں پایا جاتا ہے وہ اسی تمام صورتوں اور احوال کے منافی ہے جو تحیر اور تیقن کو ادنی درجہ کی چیز سمجھتے ہوں۔ تحیر خود حجاب ہے اور تیقن حجاب کو توڑ کر اعلی ظرفی یا طمانیت حاصل کر لیتا ہے۔ حسین سحر نے اپنی نظموں میں ایسے اسلوب کو اختیار کیا ہے جو مظاہر کو دیکھ کر حیرت کا شکار نہیں ہوتا بلکہ اس میں انسانی زندگی کیلئے ایک نظام اخذ کرتا ہے۔ اسی عمل کو ہم نے گذشتہ سطور میں فطرت سے اکتساب کا نام دیا ہے۔ یہاں یہ بات واضح ہوگئی کہ حسین سحر نے بھی کثرت سے مظاہر کائنات کے مختلف جلووں اور ایک سے دوسرے منظر کا الحاق، ایک صورتحال کے بننے اور بگڑنے میں شامل مختلف امور اور شؤن (شان کی جمع) کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے موجودات اور حوادث کی اصل شرح قرار دیا ہے پھر ہر صورت منظر سے وہ انسانی زندگی کیلئے نظام ضرور کشید کرتے ہیں۔ اس قدر نظم اور گہرائی کے ساتھ ہر صورت منظر سے معانی کسب کرنا جو کار زار حیات میں حرکت و عمل پیدا کرتے ہوں میری نظر میں شعری تحفظات کا ایک رفیع اور ممتاز تجربہ ہے جو مناظر فطرت بیان کرنے والی شاعری کے مقابلے میں کہیں زیادہ وقیع ہے۔ حسین سحر کا یہ شعری نسخہ ہمیں ایسی تحفظات کی طرف لے چلتا ہے جہاں زندگی اپنے مدار میں ہوتے ہوئے ایسے راستوں کو اختیار کرتی ہے جو فطرت سے ہر پل نظریہ، مشورہ اور فیصلہ کشید کرتے چلے جاتے ہوں امر واقع یہ ہے کہ ایسے شعری نسخوں کے ذریعہ ہمیں اوامر و نواہی اور ہدایات کے نشانات تلاش کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ یہ نشانات خود بخود ظاہر ہو کر ابدیت کی طرف مائل ہوتے رہتے ہیں۔ حسین سحر سب سے پہلے اسی نشان کو اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اپنے ہر سفر میں نظم نگاری کیلئے قبول کیا گیا ہو بلکہ نظم نگاری کیلئے معاون بنتا چلا گیا ہو۔ اس صورتحال میں ان کے یہاں فطرت کی کوئی چیز حال و مقام سے خالی نہیں ہوتی۔ ٹھوس اور مجرد اشیاء کے علاوہ وہ محض

احساسات کی سطح پر قبول کی جانے والی چیزوں کو بھی اپنی اسی مخصوص نگاہ کا پابند بنا دیتے ہیں جو نگاہ انہیں فطرت کی ہر عبادت کا قاری بنا دیتی ہے۔ نظموں میں یہ صورتحال بظاہر صرف خارجی پہلو لئے ہوئے ہے۔ اس داخلیت اور باطنی اسرار کا مطالعہ ایسے تمام غیر ضروری اثرات اور آفات سے ہمیں محفوظ رکھتا ہے جو غیر فطری اور غیر منطقی سوچ کا نتیجہ ہوں۔ اس لئے اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ حسین سحر کو فطرت کے اسرار کو سمجھنے میں کسی اضافی شے کا تصور درپیش ہے یا ان کی فکر کی راہ میں ایسے پیچیدہ مسائل پیدا ہو رہے ہیں جو عنقریب ان کی فکر اور ان کے عمل کے درمیان حائل ہو سکتے ہیں۔ ایسا اس لئے نہیں ہو سکتا کہ نظم نگاری، دوسری اصناف کے مقابلے میں کسی انتشار کی متحمل نہیں۔ یہاں ایک مرکزی نقطہ یا خیال ہمیشہ پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔ حسین سحر کے یہاں سب سے پہلا عمل فطرت سے کشید کا عمل ہے۔ یہ عمل ان کے یہاں اس قدر پر رسوخ ہے کہ اس پہلو کو نظر انداز کرنا ان کے رنگ و عمل سے خارج ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ موجودات کے تنوع میں بھی وہ اپنے قریب اور دور رہنے والے شعوری عمل کو تازہ دم رکھتے ہیں گویا وہ اس حقیقت کو پا چکے ہیں کہ قدرت کے کارخانے میں کوئی چیز بھی بے کار یا لغو نہیں ہے۔ ہر شے کسی نہ کسی تناظر میں اپنا واقعی مفہوم رکھتی ہے۔ شاید اسی ایقان کا نتیجہ ہے کہ حسین سحر کو مظاہر سے معنی نکالنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

ذیل میں ہم یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ حسین سحر نے مظاہر کے مختلف سالیب سے کون کون سے معنی اخذ کئے ہیں اور ان معانی کا انسانی زندگی پر کس حد تک انطباق ہو سکتا ہے۔ دوسرا پہلو اس امر میں ہمیں یہ بھی تلاش کرنا ہے کہ حسین سحر کے ماخوذ معانی زندگی کے دوسرے ذرائع کو کس حد تک متاثر کرتے ہیں یا یہ معانی دوسرے مطالب سے کس حد تک قریب یا بعید ہیں۔

مظاہر کے مجرد اور غیر مجرد اشاروں اور تمثیلات کی طرح حسین سحر کی نظموں میں موضوعات کا تنوع پایا جاتا ہے۔ اس قدر تنوع موضوعات ایک ہی بڑی تمثیل میں کسی ایک شاعر کے یہاں مشکل سے ملتے ہیں۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حسین سحر کے تنوع نے انہیں ایک ممتاز نظم نگار شاعر کی حیثیت عطا کی ہے۔ ذیل میں ان موضوعات کا اشاریہ استفادے کے لئے پیش کیا

جاتا ہے کیونکہ آئندہ صفحات میں اسی تنوع کے پس منظر میں گواہی پیش کی جائے گی۔ حسین سحر کی نظموں میں فطرت سے اخذ کئے گئے درج ذیل موضوعات خروج کرتے ہیں۔

ہستی کی تصویر، عدم و وجود کو ذات کا اعجاز قرار دینا، زندگی کو تنقید کا ہدف بنانا، ہر شے کا ایک ہی حقیقت ہونا، پیچیدہ مسائل یا عوامل کی نشاندہی کرنا، قنائیت، تصور وقت، وحدت الشہود، اسلامی دعوت، فطرت کی جمالیات، اعادہ شہود، جبر وقدر، خواب کے اسرار، حیات کی آبیاری، کسی مصلح کا انتظار، صلح کیلئے اٹھنا، سوئے خلق کی آفات، انسان کی گمشدگی، امن عالم، انسانیت کی موت پر نوحہ وغیرہ وغیرہ یہ تمام موضوعات جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے خود حسین سحر کی نظموں سے وضع کئے گئے ہیں اب آئندہ صفحات میں ہم ایک ایک موضوع کو بیان کرتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے۔

سب سے پہلا موضوع ان کے یہاں ہستی کی تصویر اور عدم و وجود کو ذات کا اعجاز ٹھہرانا ہے اور یہی صورت واقع بھی ہے۔ ہستی کی تصویر بذات خود ایک وسیع موضوع ہے جس میں خود ہستی کا بیان بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ کسی نہ کسی زاویے سے کائنات کی تمام تر حقیقت کا اظہار کرتا ہے مگر ہستی کے بیان کے باوجود بعض انسانی طبیعتیں اس بین اشارے کو نہیں سمجھتیں۔ ایسی ہی طبیعتوں کو سمجھانے یا اثر انداز کرنے کیلئے ہستی کے اس بیان کو سادہ اور انسانی طرز پر مکرر بیان کیا جاتا ہے۔ حسین سحر نے یہی کام کیا ہے اور اس کام میں بہت سے ایسے امور بیان میں آگئے ہیں جو موثر ہونے کے ساتھ ساتھ پراسرار اور بے مثل ہیں۔ بات حسین سحر کی نظم نگاری کی ہو رہی ہے اس لئے بہتر یہ تھا کہ چند اشعار جستہ جستہ نقل کرنے کی بجائے پوری نظم نقل کی جاتی تاکہ قاری بھی مضمون نگار کے دعوے کے ساتھ شریک ہو پاتا، مگر طوالت کے خوف سے یہاں اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔ تاہم نظم ''آسمان کتنا نیلا ہے'' اپنے اختصار کی وجہ سے مکمل نقل کی جاتی ہے:

آسمان کتنا نیلا ہے
نیلاہٹوں کا یہ پھیلا سمندر

افق تا افق موجزن ہے
چمکتے ہوئے چاند کا مرمریں جسم تابندہ تر ہے
ستاروں میں رخشندگی جلوہ گر ہے
فضا کی جبیں پر کہیں تیرگی کا نشاں تک نہیں ہے
خلاؤں کے رستے جو صدیوں سے بے نور تھے
آج نیلاہٹوں سے منور ہیں
یہ روشنی اس کے نقش کف پا کا اعجاز ہے
جس کی ذات گرامی ہر ایک روشنی کا خود اک راز ہے
ورنہ پہلے کبھی آسمان اتنا نیلا نہیں تھا

یہ نظم حسین سحر کی نظموں کے مجموعہ ''کہرے میں دھنک'' کی پہلی نظم ہے جو ہمارے سامنے ہستی کی خوبصورت تصویر پیش کرتی ہے۔ پھر اس تصویر سے پیدا ہونے والے مفاہیم کو سمیٹتی ہوئی ہمیں ایک آفاقی جمالیاتی لذت سے ہم کنار کرتی ہے۔ پھر ہر روشنی کی روشنی اور ہر نور کے نور سے ہمارے احساسات کو منور کر دیتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے واقعتاً آسمان کو دیکھا ہے اور جیسا دیکھا ہے ویسا ہی دکھانے کی کوشش کی ہے۔ آسمان نیلاہٹوں کے سمندر میں شاعر کو وہ سب کچھ نظر آجاتا ہے جو ایک باشعور اور بے پردہ ذہن کو نظر آنا چاہئے۔ اس لئے جب وہ یہ کہتے ہیں

یہ روشنی اس کے نقش کف پا کا اعجاز ہے
جس کی ذات گرامی ہر اک روشنی کا خود ایک راز ہے

تو گویا وہ آسمان کو دیکھ کر بھی نہیں دیکھتے بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ اس عرفان میں آسمان آسمان نہیں رہ جاتا بلکہ سمٹ کر ایک نقطہ بن جاتا ہے اور یہ نقطہ اس ذات گرامی کے سامنے (جس کی ذات ہر ایک روشنی کا راز ہے) نقطہ سے گھٹ کر اور بھی بے نشان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بین السطور یہ اشارہ بھی ہے کہ ایسی ذات کو مفہوم اور معلوم بنانا کتنا مشکل ہے؟ ایسی ذات تو صرف

ایقان کے ذریعے سمجھ میں لائی جا سکتی ہے۔ حسین سحر نے اس افہام وتفہیم میں بہت سی منزلیں عبور کی ہیں۔

اسی ضمن میں ایک دوسری نظم ''کہرے میں دھنک'' ہے اس کا موضوع بھی ساختیاتی اعتبار سے وہی ہے مگر اس نظم میں DENSITY زیادہ ہے۔ یہ نظم گہرے گاڑھے اور شیریں مواد کی طرح ہے جو طشت پر پھیل رہا ہے۔ یہ ایک دوگنی معیاری نظم ہے جس میں زمان و مکاں اور ارض وسماوات کی تفصیلی حکایت ایک نقطہ پر لمحہ بھر کو ٹھہرتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے گویا شعور اپنے ادراک میں، قلب اپنے اعماق میں اور وجود اپنے اسرار میں خاموش سمندر کی طرح، پرسکون اور سطح آب کی مانند ٹھہرا ہوا، موجودات سے اپنی ذات کا مفہوم اخذ کرنے میں مشغول ہے۔ ایسی صورتحال میں گویا سب کچھ منجمد ہے یا کہر میں ڈوبا ہوا ہے مگر اس کہرے میں اچانک روشنی کی ایک کرن نمودار ہوئی ہے جس سے خوابوں کے ساتوں رنگ جاگ اٹھتے ہیں پھر کہرے میں دھنک پھیل جاتی ہے اور شاعر دل کی دھڑکنوں کو تیز کر دینے کے بعد اسی فکر تمثیل میں محو حیرت بن جاتا ہے۔ کہرے میں دھنک گرچہ ایک مختصر نظم ہے مگر اسے حسین سحر کی شاہکار نظم سمجھنا چاہئے اس نظم میں واقع اور واقعیت سے پرے بھی ایک شے بیان کی گئی ہے جو انسانی تجربے میں تو آتی ہے مگر اس کا ارتکاز ایک سے زیادہ سمتوں اور رنگوں میں ہوتا ہے نظم ''کہرے میں دھنک'' کا رنگ ملاحظہ ہو:

سرمئی کہرے کی چادر آسمانوں پر تنی ہے
صبح کے چہرے کے خدوخال گم ہیں اس نقاب تیرگی میں
نرم آغوش افق میں آفتاب نو کی آنکھیں بند ہیں
اس آئینے میں عکس لرزاں ہیں ٹھٹھرتے جگنوؤں کے
یک بہ یک کرنیں چمک اٹھیں ہیں میرے پردہ افکار میں
ذہن کے کہرے میں یا دجانفزا کس کی یہ چمکی ہے
کہ ساتوں رنگ خوابوں کی دھنک کے جاگ اٹھے ہیں

ذہن کے کہرے میں جس کی یاد جانفزا جاگ اٹھی ہے اور جس کی وجہ سے خوابوں کی دھنک کے ساتوں رنگ جاگ اٹھے ہیں۔ وہ ذات یقیناً ایسی ذات ہوگی جو ہر تاریکی میں روشنی میں وسعت اور ہر جہل میں علمیت پیدا کرنے والی ہو۔ ایسی ذات کے اشاروں اور اشاروں سے فائدہ حاصل کرنا انسانی زندگی کا معراج ہو اور ایسا اسی لئے ممکن ہو کہ کہرے میں بغیر کسی غیر اضافی برتر اور متناہی ہدایات کے کوئی شے اپنے خواب وعمل کو سمیٹنے کی طاقت نہیں رکھتی ہو۔

حسین سحر کی شعوری تعبیرات میں ان کی نظموں کے عرفان نے ایسے عمیق معنوی اور عمودی اشارے پیش کئے ہیں جو زندگی کے وسیع اعماق میں فضل اور عطا کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس عطا اور فضل کے واسطے سے ایسی شعری صورتوں کو جنم دیتے ہیں جو وسیع فکری تمازت کے ساتھ ساتھ شعری ذوق کے اندر ابال پیدا کر دیں اور اس ابال کو بامعنی اور بامقصد بنائیں۔ اس غرض و غایت نے ان کی نظم نگاری میں ایسے ابواب قائم کئے ہیں جو بسا اوقات ارادے اور فہم کو کوئی واضح تر صورت عطا کئے بغیر بھی اپنی راہ میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ ایسی شعری صورتوں میں ایک بڑی صورت یک موضوعیت ہے۔ یک موضوعیت ایک دن یا ایک ساعت میں پیدا نہیں ہوتی یہ زندگی بھر کے تجربے کا نچوڑ ہوتی ہے۔ ایک طرف یک موضوعیت خود اپنے آپ میں ایک ایسی حقیقت ہے جو تمام مادی اور غیر مادی موضوعات کو اپنے محیط میں حباب بنا لیتی ہے۔ دوسری طرف یہ صرف ایسے اذہان کو نشانہ بناتی ہے جو زندگی کی قدر و قیمت پہچانتے ہوں اور اس کی توصیل میں کسی حجاب کے طالب نہ ہوں۔ ورنہ ایسے اذہان جو زندگی کی قدر و قیمت کی جانب محجوب ہوں یک موضوعیت کے قالب کو نہیں سمجھ سکتے یہ فلسفہ بہت سے اسرار اور معانی کو محیط ہے۔ یہاں بڑی بڑی فکروں، بڑے بڑے نظریوں اور بڑے بڑے فلسفوں کو بے دست و پا ہونا پڑتا ہے۔ یہ موضوع خود بتا دیتا ہے کہ اس پر قلم اٹھانے والا شخص زندگی کے مجموعی اعشارات کی تحدید سے آگے نکل گیا ہے۔ ذرا اور کھل کر بات کی جائے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس علم میں اول و آخر اور ظاہر و باطن کا ہر معیار و مفاد پوشیدہ ہے۔ یہ موضوع ان کی نظم ''آئینہ'' سے حد درجہ عیاں ہے جس میں حسین سحر نے اس حقیقت کو لفظوں کے ساتھ مربوط کرنے کی کوشش کی ہے۔

تمام چہرے ہیں ایک جیسے
تمام ناموں کا ایک ہی نام مشترک ہے
تمام شہروں میں ایک سے لوگ رہ رہے ہیں
تمام گلیوں میں ایک سا شور اٹھ رہا ہے
تمام نوحے، تمام نغمے، تمام نعرے ہیں ایک جیسے
تمام لوگوں کا ایک ہی نقطۂ نظر ہے
تمام باتوں کا ایک ہی حاصل سخن ہے
تمام راہوں پہ ایک ہی قافلہ رواں ہے
تمام رنگوں کا ایک ہی عکس
غم کے یک رنگ آئینے میں ابھر رہا ہے
کبھی اگر آئینہ یہ ٹوٹے
تو ریزہ ریزہ ہزار عکسوں میں
دل کا یہ آبلہ بھی پھوٹے

حسین سحر کی نظم ''مقتل'' پر کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا اس لئے کہ اس کا موضوع اپنی اصل میں بہت عمیق پراسرار اور لطیف تر ہے۔ اس موضوع پر قلم اٹھانے میں سر قلم ہونے کا اندیشہ ہے تاہم اس نظم کو بار بار پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوا کہ اس موضوع پر کچھ بیان کیا جائے۔ آرٹ اور شعر کی طرح کبھی کبھی تنقید بھی ایسے احوال و آثار کو سمیٹتی ہے اور ایسے منظر نامے پیش کرنے کی جرأت کرتی ہے جو شاعر کے اپنے افہام و تفہیم میں دیدہ و نادیدہ یا احوال نارسیدہ کی صورت میں موجود ہوں۔ شاعری اور کبھی کبھی اعلیٰ شاعری اس دور سے گزرتی ہے یعنی شاعری میں جو کچھ بیان ہوتا ہے وہ بسا اوقات عرض و بحث سے بلند تر بھی ہوتا ہے یعنی شاعر کبھی کبھی صرف محسوسات میں شامل ہو کر اسرار پیدا کر دیتا ہے اور قاری اس اثر کو اپنے اہداف میں شامل کر کے اسے اور زیادہ لطیف بنا دیتا ہے۔ حسین سحر کی نظم ''مقتل'' انسانی قتل گاہ بن کر نہیں ابھری ہے بلکہ یہ قتل گاہ انسانوں

کے ساتھ ساتھ سورج، چاند اور ستاروں کی بھی قتل گاہ ہے۔ یہاں تک کہ اس نظم میں قتل مہر و ماہ کو ایک رسم قدیم کا نام دیا گیا ہے۔

قتل مہر و ماہ ایک رسم قدیم
جو ازل سے جاری و ساری
جاری و ساری ازل سے ہے یہ دستور عمل

پھر آسمانوں کو ظلمتوں کا ریگ زار کہنا، اس کو ایک صحرائے بسیط سے تشبیہ دینا بنیادی طور پر ایسے جذبات اور رسائی کی کیفیات کو ظاہر کرتا ہے جو راز درون میخانہ بنا ہوا ہے حسین سحر نے اس راز سے اس قدر پردہ تو ضرور اٹھایا ہے کہ اسے آماجگاہ قتل مہر و ماہ قرار دیا ہے۔ اس کے بعد نظم میں ان پر کچھ اور اسرار وا ہوتے ہیں اور یہاں آ کر وہ اضافی کیفیات سے دو چار ہوتے ہیں۔ یہ اضافی کیفیات انہیں آسمانوں کے وسیع، تاریک اور سرد صحرا میں زندگی کو سمجھنے کا حوصلہ عطا کرتی ہیں۔ اس طرح واقع اور نا واقع دونوں مل کر یہاں ایک ہی مفہوم عطا کرتا ہے۔ وہ ایسا مفہوم ہے جو چراغ رہ گزر بھی ہے اور ظلمتوں کا امین بھی۔ وہ حیرت اور حسرت کے ساتھ کائنات کو دیکھنا سکھاتا ہے اور خوف اور ہیبت سے مغلوب بھی کر دیتا ہے وہ ظلمتوں کے ریگ زار کو بھی وسیع تر خلاؤں کی فراخی میں خار و زبوں کر دیتا ہے وہ حرکت و سکون کے دائمی مفہوم تک رسائی بھی حاصل کرتا ہے اور اپنے اطراف سے بے خبر بھی رہتا ہے وہ شعور و عقل کو اپنے محور پر قائم بھی رکھتا ہے اور اس محور کو دوسرے محور کی طرف مرکوز بھی کر دیتا ہے اس طرح ظلمتوں کے ریگ زار کی توجیہی اشاریت شاعر کو ایک ایسا احساس توانائی عطا کرتی ہے جو ہر موضوع کو درگزر کرتی ہوئی فقط ذات کو سامنے رکھتی ہے۔ شعور و عقل کے محور میں بھی اسی ذات کی تلاش، اسی ذات کی محبت اور اسی ذات کی تمثیل موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے فکری لمحات میں کوئی چراغ اپنے اجالے کو نہیں سمیٹ سکتا۔ حسین سحر کی اس تازہ کار، عارفانہ نظم میں جو موضوع محل نظر ہے وہ ان کے بیان اور رمز و کنایہ کی ترکیب میں اور تابناک ہو کر ابھرا ہے۔ اس احساس کے ساتھ جینا واقعاتی سطح پر زندگی کا فروغ ہے۔ انہیں وجوہات کے پیش نظر شاعر نے اس نظم کا عنوان ''مقتل'' مقرر کیا ہے تاکہ تمام مشاہدوں اور

کیفیات کا وافر حصہ شاعر کیلئے مقتل بن جائے، اس طرح اب کسی اور جانب دیکھنے کی حاجت باقی نہ رہے اور شاعر اس مقتل میں اپنی زندگی تلاش کر لے۔ نظم کا یک حصہ ملاحظہ ہو:

منظر رنگ شفق ہے خون کی ہزاروں
مقتل خورشید و مہتاب و نجوم
مغرب سے ہے شرق تک بس، ایک ہی قاتل کا دور
شب زدہ، خونیں قبا، خنجر بکف
منجمد حد نظر تک ہیں لہو کے دائرے
کس قدر ویران ہے دشت خلا
اک کرن بھی نور و خورشید کی کہیں پیدا نہیں
روشنی ہے کس قدر بے دست و پا

نظم اس جگہ آ کر ختم ہو جاتی ہے" مقتل"، حسین سحر کی کامیاب ترین نظموں میں ہے۔ اس نظم کا دائرہ بہت وسیع ہے اپنے عمیق، پیچیدہ وجودی مسائل کے سبب اس نظم کا شمار اردو کی چند معیاری نظموں میں ہونا چاہئے۔ حسین سحر کے یہاں ہستی کی تصویر اور عدم و وجود کو ذات کا اعجاز ٹھہرانے کے علاوہ تصور وقت اور وحدت الشہود کا مسئلہ بھی ملتا ہے۔ وقت کے شور پر ان کی نظم "دائرہ" اہمیت کی حامل ہے اس میں انہوں نے وقت کے مطلق اور مسلسل دونوں تصورات کو بیان کیا ہے ان کے یہاں وقت کے دونوں تصور ایک ہی حقیقت سے متصل ہیں۔ ازل سے ابد کے تصور کو حسین سحر نے اس طور پر محسوب کیا ہے کہ یہ دونوں ابعاد ان کے یہاں ایک دوسرے سے متقدم اور متاخر نہیں ہیں بلکہ وقت کی ایک ہی بساط پر جلوہ نما ہیں۔ وہ ابد کے آخری نقطے کو ازل ہی کی ابتداء تصور کرتے ہیں۔

ابد کا آخری نقطہ بھی شاید ہے ازل کا اولیں لمحہ

اب اس حقیقت کی روشنی میں یہ سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ زمان مطلق جسکو حقیقی زمانہ کہا گیا ہے وہاں ماضی اور مستقبل کوئی چیز نہیں ہے بلکہ ماضی اور مستقبل تو حقیقی زمانے سے نکلی

ہوئی ایک رو ہے۔ اس لئے زمان مطلق کے پاس ماضی اور مستقبل کو پھیرنہیں۔ وہاں جو کچھ ہے یا ہوگا (واللہ اعلم) وہ حال اور صرف حال ہے۔ اس لئے کہ حقیقی زمانے میں سب زمانے موجود ہیں اور جب سارے زمانے ایک جگہ موجود ہوں گے تو ان کا زمانہ حال کے علاوہ دوسرا کیونکر ہو سکتا ہے۔ زمانے کے ایسے تصور کو مفکرین نے بھی راجح قرار دیا ہے۔ خود علامہ اقبال کے یہاں بھی زمان مطلق کے تصور میں ماضی و مستقبل نہیں پایا جاتا۔ حسین سحر کے درج بالا مصرعے میں بات واضح ہے۔

ابد کا آخری نقطہ بھی شاید ہے ازل کا اولیں لمحہ

یہاں پر ازل و ابد ایک ہی زمانے کی حقیقت بن گئے ہیں۔ اس طرح ایک مشکل مضمون بہت آسانی سے بیان میں آ گیا ہے۔ اس اجمالی اظہار کے بعد حسین سحر نے زمان مسلسل کے تصور کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور تمام زمانوں اور تمام اشیاء کو انہوں نے اسی ازل و ابد کے ایک دائرے سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ نظم درج ذیل ہے:

ابد کی آخری نقطہ بھی شاید ہے ازل کا اولیں لمحہ
کہ اس سے متصل ہے
زندگی کا بحر بے پایاں
روانی جس کی موجوں میں بلا کی ہے
کبھی جب حرف کن کی گونج
ٹکراتی ہے ان موجوں سے
تو تخلیق کا در
دائرہ در دائرہ کھلتا ہے
اس موج دریا میں
جسے ہم وقت کہتے ہیں
ازل کی صبح کا وہ اولیں نقطہ

سمٹ کر پھیلتا ہے جب ابد کی شام کی جانب
تو صدائے کن
ابد سے پھر ازل کی سمت بڑھتی ہے
محیط وقت کی تکمیل کرنے
یہ سفر جاری ہے اور جاری رہے گا
جانے کب تک؟

تصور وقت کے سلسلے میں اس نظم میں دو اہم نقطے بیان کئے گئے ہیں ان میں ایک تو یہ ہے کہ اس میں تخلیق کو زمان و مکاں کے اتصال کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے یعنی جب زندگی کے بحر بے پایاں سے حرف کن کی گونج ٹکراتی ہے تب انہیں موجوں میں تخلیق کا در، دائرہ در دائرہ کھلتا چلا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود تخلیق بھی حرف کن کی گونج ہی کا نتیجہ ہے جو زندگی کے بحر بے پایاں سے ٹکرا کر پیدا ہوئی ہے۔ اس طرح حسین سحر کے یہاں تخلیقی عمل کا سرا زندگی اور زمانے کے نقطہ اتصال سے جڑا ہوا ہے۔ دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ ازل سے ابد تک زمانے کا جو پھیلاؤ ہے اور زمانہ جہاں اپنا اظہار تسلسل کے ساتھ یا ماضی و مستقبل کے تناظر میں کرتا ہے وہاں بھی زمانہ کسی اضافی حیثیت میں نہیں ہے بلکہ شروع سے آخر تک پورا زمانہ اور تمام مرور مسلسل حسین سحر کے خیال میں دراصل صبح ازل کا اولین نقطہ ہے۔ جس کے پھیلاؤ کے اثر سے زمان مسلسل کا وجود سمجھ میں آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمان مسلسل، دراصل زمان مطلق ہی کی ایک رو ہے جو کائنات میں جاری و ساری ہے۔ یہی خیال عام طور پر فلسفیوں کے یہاں پسندیدہ ہے۔ علامہ اقبال بھی اسی طرف گئے ہیں۔ بہر حال یہ نظم جس موثر فکر کے ساتھ پیش کی گئی ہے وہ بہت اہم ہے۔ عام طور پر زمانہ اور تخلیق کی حقیقت پر عصری شعری ادب میں خالص مواد کی کمی نظر آتی ہے حسین سحر نے اس پہلو پر اردو میں ایک بہترین نظم کا اضافہ کیا ہے۔

تصور وقت کی طرح حسین سحر نے نظریہ وحدت الشہود کو بھی اس داخلیت کے ساتھ پیش کیا ہے کہ موضوع اور بیان کا حسن شعور و نظر پر پھیل گیا ہے۔ واقعہ، منظر یا اظہار کوئی بھی ہو اس

میں تاثیر بیان اور شاعر کی داخلی کیفیات مل کر ایک اندرونی ربط پیدا کرتی ہیں اور واقعات کے تناسب اور تخلیق میں شاعر کو ایسا وجدانی شعور حاصل ہوتا ہے جو ہر شے میں ہر شے کو موجود بھی دکھتا ہے اور غائب بھی۔

اس سلسلے میں انکی نظم ''کبھی تم نے دیکھا؟'' غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ نظم اپنے اظہار اور اثر میں زندگی کی جملہ شناخت کو سمیٹتے ہوئے آگے بڑھتی ہے اس میں شعوری اور وجدانی سطح پر ہر وہ احساس پایا جاتا ہے جو مظاہر کے پردے میں کسی غیر معمولی واقعہ یا اظہار کا احساس دلاتا ہے۔ نظم کے اشعار میں انتہائی سادگی میں اصل بات بیان کر دی گئی ہے اور ذوق و عمل کے پردے میں اس اصلیت کو اور زیادہ گرانمایہ بنا دیا گیا ہے۔ نظم واقعی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے اس نظم کو داخلی سطح پر دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں پہلی سطح میں کائنات کو دیکھنے کی دعوت دی ہے۔ اس کے بعد زمیں و آسماں کے مختلف مناظر اور مظاہر کے مشاہدے میں حقیقت تک پہنچنے کی کوشش پر زور دیا گیا ہے۔ یہ دعوت خود ظاہر کرتی ہے کہ مظاہر کے افہام و تفہیم میں آزاد غور و فکر کی اپنی اہمیت ہے۔ آزادی کے ساتھ کچھ اختذار بھی شامل کر لیا جائے تو مظاہر پر غور سے ہر شخص کو فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ نظم کے پہلے حصے میں صرف یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ مظاہر کس قدر دلنشیں ہیں۔

کبھی تم نے دیکھا؟
درختوں پہ کھلتے ہوئے رنگ کتنے حسیں ہیں
سر شاخ اڑتی ہوئی تتلیوں کی قطاریں
افق پر لچکتی ہوئی یہ دھنک کی کمانیں
مہکتے ہوئے پنچھیوں کی اڑانیں
چمکتے ہوئے سرخ اور زرد پھولوں کی بیلیں
فلک سے برستے ہوئے شبنمی آئینوں کی پھوہاریں
چمکتے ہوئے نیلگوں آسماں کے افق پر

ابھرتے ہوئے شوخ سورج کی کرنیں
دمکتی ہوئی نیلی نیلی فضائیں
بدلتے ہوئے موسموں کی ہوائیں
اچھلتے ہوئے سبز روپانیوں کی ردائیں
یہ سب کس قدر دلنشیں ہیں

یہاں آکر نظم کا ایک حصہ مکمل ہو جاتا ہے۔ دوسرے حصے میں حسین سحر نے سوچنے کی دعوت دی ہے اس لئے نظم کے دوسرے حصے کا آغاز ''کبھی تم نے سوچا؟'' سے شروع ہوتا ہے سوچنے کی دعوت انسانی شعور اور عقل کو انہیں حوادث کی طرف لوٹا دیتی ہے جن کی طرف سے اس نے اول بار صرف نظر کیا ہو۔ لہٰذا انسان جب دوبارہ اپنی چھوڑی ہوئی منزل کو اختیار کرتا ہے تب اسے اس کے اسرار اور معانی کا پتہ چلتا ہے۔ شاعر کی حیثیت یہاں پر غیر محسوس طریقے سے ایک رہنما جیسی بن جاتی ہے جو اپنے مشاہدے اور عرفان کے جمال کو اپنے شعری افکار کے ذریعہ قاری تک پہنچانا چاہتا ہے۔ گویا اشیاء کے دیکھنے اور ان سوچنے کے درمیان شاعر ایک واسطہ بن جاتا ہے۔ قاری ایسی صورت میں اپنے ذوق جمال اور ظرف کے مطابق شاعر کی وجدانی کیفیات کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ سارا سلسلہ نظم کے دوسرے حصے میں پیدا ہوتا ہے:

کبھی تم نے سوچا؟
کہ یہ سارے منظر کیا ہیں؟
ایک تصویر ہیں زندگی کی
چمکتی ہوئی دودھیا روشنی کی
مہکتی ہوئی سرمئی تازگی کی
یہ تصویر اب دیکھنا تو کھلی آنکھ سے دیکھنا
اس کا نقاش اس کا مصور
تمہارے ہی اندر چھپا ہے

تمہارے ہی رنگوں میں وہ اپنا خون جگر گھولتا ہے
تمہاری ہی آواز میں بولتا ہے

اس نظم کے دوسرے حصے میں وحدت الشہود سے استفادے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ خیال کیا گیا ہے کہ وحدت عظمیٰ نے اپنے اظہار کیلئے جن وسائل اور مناقب کو واسطہ بنایا ہے ان میں اظہار کی وہ تمام صورتیں شامل ہیں جو انسانی ادراک میں آسکتی ہیں۔ اس بنیاد پر انسانی ادراک بھی کبھی کبھی یہ فیصلہ لے لیتا ہے کہ حواس میں آنے والی اشیاء دراصل وحدت ہی کا مشاہدہ ہیں اور حواس کے ذریعہ جن کیفیات کا ہم ادراک کرتے ہیں یا جن معانی پر مطلع ہوئے ہیں وہی اصل ہیں اور ان کی یہ اصلیت ان کی وحدت میں پوشیدہ ہے۔ اس لئے وجدانی سطح پر گویا اشیاء کا مشاہدہ شاہد، شہود اور مشہود تینوں کو اپنی وحدت اور عکس میں میں شامل کر لیتا ہے۔ ایسی صورت میں جو چیز اصلاً موضوع بحث تھی وہ التواء میں پڑ جاتی ہے شاعر کو صرف اپنے ذوق کی تربیت کا سامان کرنا ہے اور کسی ذریعہ یا طلب پر مرکوز کئے بغیر اپنی بات بیان کر کے آگے بڑھ جانا ہے۔ اس طرح اس ضمن میں جو ترجیحات مشاہدے کے ذریعہ بیان کی جائیں گی ان کو محسوسات ہی کی سطح پر محبوب کر کے وحدت عظمیٰ کی جستجو کو شہود کے پردے میں دیکھا جائے گا۔ یہی طریقہ کار وحدت الشہود کو بیان کرنے میں عام طور پر پیش کیا جاتا ہے اور یہی راج بھی ہے۔ حسین سحر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس لئے جب وہ کہتے ہیں:

یہ تصویر اب دیکھنا تو کھلی آنکھ سے دیکھنا
اس کا نقاش اس کا مصور
تمہارے ہی اندر چھپا ہے
تمہارے ہی رنگوں میں وہ اپنا خون جگر گھولتا ہے
تمہاری ہی آواز میں بولتا ہے

تو ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس بیان میں انا الحق کی بجائے انا من الحق کا نعرہ مستانہ گونج رہا ہے۔

حسین سحر فطرت کے جمال و جلال، اس کی تمثیر، اس کے بیان، اس کی یاددہانی، اس کے احتساب، اس کی تہداریت، اس کی نمود، اس کی اشاریت، اس کی آگاہی اور اس کی تمثیل سے حد درجہ متاثر ہیں، اس لئے اکثر مقامات پر وہ اپنی طرف سے کوئی اضافی بیان نہیں چاہتے۔ حسین سحر کی وہ نظمیں جس میں انہوں نے فطرت کو مختلف فائلوں کی صورت میں محفوظ کیا ہے اور ان پر کسی قسم کا کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے بلکہ صرف صورت واقع بیان کر کے اسے اسی حال پر رہنے دیا ہے انکی بہترین نظمیں ہیں۔ ایک اعتبار سے یہ فطرت کا اعلیٰ سطحی تبصرہ ہے کہ اس کو بلا تبصرہ رہنے دیا جائے اس لئے فطرت کے مناظر جہاں جہاں ان کی نظموں میں بلا تبصرہ پیش کئے گئے ہیں وہاں وہاں انکی شاعری کا حسن اور نمایاں ہوتا گیا ہے۔ فطرت پر تبصرہ کیلئے شاعری کی زبان کو گنگ کر لینا ان کے یہاں اپنی مثالوں میں شاعری کا مزاج بن گیا ہے۔ ایسی نظمیں جس میں فطرت کے مناظر بلا تبصرہ پیش کئے گئے ہیں بہت کم ہیں مگر اپنے اثر اور حسن میں بے مثال حیثیت کے مالک ہیں۔ انکی چار مصرعوں کی نظم جس کا عنوان ''ایک منظر'' ہے صرف اس قدر ہے:

آسماں پر بادلوں کا اک ہجوم
بادلوں میں چاند کی کشتی رواں
چاند کی کشتی پر ٹوٹا بادباں
بادباں کے پاس آوارہ نجوم

نظم ان چار مصرعوں میں مکمل ہو جاتی ہے اس نظم میں فطرت کے ایک منظر کی ایک فائل کھولی گئی ہے۔ اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا ہے نظم پڑھ کر لمحہ بھر کیلئے سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ برصغیر کے ایک نوبل انعام یافتہ شاعر کی ایک نظم کا اردو ترجمہ یاد آ رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اور اس کیفیت کو جو اس نظم کے مطالعہ سے طاری ہوتی ہے ذرا توقف کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں تو اس میں حسین سحر کی درج بالا نظم سے مماثلت کے پہلو نکل آئیں گے:

مجھے بھی اس جشن گاہ دنیا میں نوید شرکت ملا ہے
میں بہت مسرور ہوں

میری آنکھوں نے دیکھا
میرے کانوں نے سنا

پیش کردہ نظم میں صرف تناعرض کیا گیا ہے کہ شاعر بہت مسرور ہے۔ اس لئے کہ اسے جشن گاہ دنیا میں شریک کیا گیا ہے۔ اس جشن کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور کانوں سے سنتا ہے شاعر کا نام آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ آپ محسوس کریں گے کہ اس فکر میں کتنی طاقت ہے۔ یہ فطرت سے محبت اور محویت کی معراج ہے کہ ایک شخص فطرت کے وجود اور اس کے نظارے کو اپنے تمام تر جذبات پر غالب کر کے اور اس نظارے سے تمام مسائل اور آلام کے مقابل مسرت حاصل کرے۔ یہ نظم انسانی نفسیات کو دنیا بھر کی پیچیدگیوں کو مسائل سے مٹاتی ہے اور اسے واقعی مسرت کی طرف لے چلنے والی ہے۔ اسی کیفیت سے حسین سحر کی وہ نظم ملاحظہ فرمائیں جو درج بالا سطور میں نقل کی گئی ہے:

آسماں پر بادلوں کا اک ہجوم
بادلوں میں چاند کی کشتی رواں
چاند کی کشتی پہ ٹوٹا بادباں
بادباں کے پاس آورہ نجوم

اس نظم میں پہلی نظم کے مقابلہ میں صرف اتنا فرق ہے کہ اس میں میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے کانوں نے سنا والے مصرعے چھپے ہیں ٹیگور کے ساتھ مماثلت کے پہلو نکالنے کی وجہ سے بعض طبیعتیں مضطرب ہو سکتی ہیں مگر گہرائی کے ساتھ باطن کو وا کر کے دیکھا جائے تو لامحالہ اس حسن تک نگاہ ضرور چلی جائے گی۔

حسین سحر کی نظموں میں ایک اہم پہلو انسانیت کا درد، اس کے زوال پر افسوس اور اس کے احیاء کا عزم بھی پایا جاتا ہے۔ انہوں نے انسانیت کو اخلاقی پہلو سے بھی سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اس افہام و تفہیم میں انکے یہاں رواداری، قدر دانی اور ہمت افزائی کا بھی جذبہ پایا جاتا ہے مگر بار بار کے تجربے کے بعد جب وہ اس اخلاقی پہلو کو اچھی طرح سمجھ لیتے اور اس کو مثبت

صورتحال میں تبدیل کرنے کا ذوق جب مسدود ہوتا ہوا دیکھتے تو وہ بھی انسانیت کے زوال سے رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ پھر ان پر وہ طریقہ کار بھی مختلف ہوتا ہے جو زوال کو کمال میں بدل دے انکی بعض نظموں میں اخلاق کے منفی اور غیر مثبت پہلوؤں کی طرف نشاندہی ملتی ہے اس نشاندہی کی وجہ سے انکی نگاہ میں تحفظ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ خود اپنی نشاندہی سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس میں کسی تقلیل کے قائل نہیں۔ واقع یہ ہے کہ شعوری اور غیر شعوری دونوں سطح پر اخلاق کی منفی کمزوریاں ہمیں ضروری حد تک فعال بنا دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی چار نظمیں ''آلودگی''، ''قطرہ قطرہ زندگی''، ''تلاش گمشدہ'' اور ''ضرورت ہے'' پیش کی جا سکتی ہیں۔ یہ تمام نظمیں اپنے انفرادی تیور کے باوجود یکساں معنوی تاثیر پیدا کرتی ہیں ''آلودگی'' دراصل اخلاقی زوال کی آلودگی ہے جس کی وجہ سے چہار سو ظلمت کاری ہوتی جا رہی ہے اور یہ ظلمت شاعر کی روح کے چاند کو آہستہ آہستہ گہنا رہی ہے۔

دم بدم پھیلتا جا رہا ہے دھواں نفرتوں کا
خموشی کی اک دھند سی ہے کراں تا کراں
شور ہے حسرتوں کا آرزوؤں کا ہر سو
تمنا کی دھول اڑتی ہے سینے میں
حرص و ہوس زہر بن کر رگوں میں اترنے لگی ہے
مجھے ریزہ ریزہ جو اندر سے گرنے لگی ہے
گھنی ظلمتوں کے حوالے مجھے لحظہ لحظہ کئے جا رہی ہے
مری روح کے چاند کو
رفتہ رفتہ یہ گہنا رہی ہے

اسی طرح نظم ''تلاش گمشدہ'' میں دراصل آج کے انسان کی گمشدگی بیان کی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معاش کی فکر میں انسان سب کچھ بھول چکا ہے۔ شاعر کی زبان میں اب نہ اس کا کوئی نشانہ ہے نہ کوئی منزل ہے۔ نہ کوئی کارواں ہے۔ یہاں آ کر شاعر کے یہاں انسان کی تلاش

کا جذبہ عود کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ کوئی اسے تلاش کرے اور بتائے کہ وہ کون ہے؟ اور اس کی منزل کیا ہے؟ واحد متکلم کے صیغہ میں بیان کی گئی یہ نظم انسان کی ذاتی گمشدگی کے حوالے سے اس کے تمام مسائل کا احاطہ کرتی ہے ''قطرہ قطرہ زندگی'' میں بھی یہی موضوع بیان ہوا ہے شاعر کے خیال میں انسانیت اب دم توڑ رہی ہے اور اس کو اب خون کی ضرورت ہے اس کے معالج کہتے ہیں کہ اس کا مرض خطرناک ہے اور اس کو انسان کا گرم خون ہی بچا سکتا ہے اس لئے یہ نظم اسی حسرت پر ختم ہوتی ہے۔

کوئی تو ہو
جو اس بیمار کو اپنا جوان و گرم خون دے کر
رگ تیرہ کو اس کی جرعہ جرعہ روشنی بخشے
تن مردہ کو اس کے قطرہ قطرہ زندگی بخشے

نظم ''ضرورت ہے'' امن عالم کے قیام کے لئے وہ محبت، اخوت اور قناعت کی اہمیت پر زور دیتے ہیں تا کہ ان کے ذریعہ دنیا میں امن کی فضاء قائم ہو۔ اس نظم کا آخری بند درج ذیل ہے:

ضرورت ہے جہاں میں
پھر سے ساری نوع انساں کو
محبت کی قناعت کی اخوت کی
کہ دنیا میں فضائے امن قائم ہو

یہاں پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نہ صرف دنیا میں قیام امن کا خواہاں ہے بلکہ یہ تمنا اس کے اندر درد اور اضطراب بن کر مچل رہی ہے تا کہ اس کے ذریعہ انسانیت کے حقیقی مفاد کی حفاظت کی جا سکے۔ یہ کام اپنی نوعیت، غرض اور عمل میں بے مثال ہو اور اس کا دائرہ بہت وسیع ہو۔ اس میں مختلف قسم کے اختلافات کو جمع کرنے کی صلاحیت بھی ہو اور اسے ایسے تمام انسانی اقدار کا لحاظ ضروری ہو جو انسانیت کے حقیقی مفاد کے تحفظ میں کام آتے ہوں۔ اس نوعیت اور

مقصد کا کام کسی ایک مقام پر ٹھہرا ہوا نہ ہو بلکہ اس کے ہر لمحہ وسیع تر ہوتے رہنے کی صلاحیت ہو۔ دراصل یہ انسانیت کا ایک ایسا حقیقی مفاد ہو جو لامتناہی مسرت کی طرف چلتا ہو۔

غرض ہم دیکھتے ہیں کہ حسین سحر اردو کے 70ء کی دہائی میں ابھرنے والے اہم شاعر ہیں۔ انکی شاعری نے غزلوں اور نظموں کے حسین پیرائے میں اپنا سفر جاری رکھا ہے ان کی نظموں میں ایک طرف تو کائنات اور اظہار کائنات ایک ایسا وسیع داخلی اور جمالیاتی موضوع بن کر ابھرا ہے جو موجودات میں معدومات کا وجود بھی دیکھتا ہے۔ فطرت کے مظاہر سے حسین سحر کا تعلق بہت ذاتی اور جمالیاتی قسم کا ہے۔ اس موضوع یا احساس پر وہ کہیں اور دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے وہ اس احساس سے خود ہی اس قدر سرشار ہیں کہ اس جمال سے ان کا دل غنی ہو گیا ہے موجودات کے نظم، جمال اور افکار پر گرچہ ہر شاعر کچھ نہ کچھ کہتا ہوگا مگر حسین سحر کے بیان میں جو اہم نکتہ ہے وہ انکی Feeling ہے جو اس تناظر میں بہت پر معنی اور حسین ہے۔ ان نظموں کے حوالے سے حسین سحر فطرت کے ایک عاشق کی صورت ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ہوسکتا ہے عشق صرف فطرت کا عشق نہ ہو بلکہ ایسے مفاہیم اور نتائج کا عشق ہو جو ان حدود کے درمیان رہ کر بھی توسع اختیار کرسکتا ہو۔

حسین سحر فطرت کے ہر مظہر سے الگ الگ معنی بھی کشید کرتے ہیں اور تمام مظاہر کا ایک مطلب بھی بیان کرتے ہیں اکثر اوقات وہ فطرت کے مناظر کی فائل فوٹو بنا لیتے ہیں اور اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرتے ہیں۔ گذشتہ اوراق میں کسی جگہ عرض کیا گیا ہے کہ فطرت کے جمال وجلال اور اس کے اسرار پر وسیع تر تبصرہ یہ ہے کہ اسے بلا تبصرہ چھوڑ دیا جائے۔ اس کے باوجود حسین سحر نے فطرت سے جو معانی اکتساب کئے ہیں وہ ان کے اپنے ہیں۔ ان معانی سے زندگی کا جو مفہوم نکلتا ہے وہ ہر شے کو محیط ہے۔ حسین سحر کی شاعری، فطرت کی تعمیل بھی ہے اور اس کی تشریح بھی فطرت کے غیر معمولی، وسیع اور لامتناہی جمال وجلال اور اس کی تخلیقی اشاریت نے حسین سحر کو وہ سب کچھ سمجھنے دیا ہے۔ جو انہیں سمجھنا چاہئے تھا فطرت کے اس التساب نے ان کی شاعری کو مختلف جہات میں ظاہر کیا ہے اس طرح زندگی اور فطرت کے بہت سے پہلو اس میں شامل ہوتے چلے گئے ہیں

اور یہ سب مل کر حسین سحر کی شاعری توسعطا کرنے والے ہیں۔

فطرت سے موضوع کشید کرنے کا عمل ان کے یہاں بہت نمایاں ہے اور بہت ساری صورتوں کو محیط ہے۔ ان صورتوں میں ہستی کی تصویر کے علاوہ عدم و وجود کو ذات کا اعجاز ٹھہرانا، زندگی کو تنقید کا ہدف بنانا، ہر شے کا ایک ہی حقیقت میں شامل ہونا، قنائیت، تصور وقت، وحدت الشہود، اعادۂ شہود، جبر وقدر، صلح اور ایقان اور اس طرح کے بہت سے موضوعات ان کے یہاں نمایاں ہیں۔ مجموعی اعتبار سے غیر معمولی تیقن اور اعتماد کی طرف لے چلتی ہے۔ انہوں نے با مقصد شاعری کی ہے اور شاعری کو زندگی سے قریب کیا ہے۔ انکی شاعری نے عصری شعری مزاج کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر صلح و نقد کی وہی ذمہ داری انجام دی ہے جو اردو شاعری کے بعض اہم نام انجام دیتے رہے ہیں۔ حسین سحر ان ہی اسلاف کے ایک تبع کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ ان کی شاعری کو اسی زاویے سے سمجھنا چاہئے۔ ان کی شاعری فطرت سے اکتساب اور اقدام امن کی شاعری ہے۔

حسین سحر اور ہیئتی تجربوں کی فسوں کاریاں

ڈاکٹر شفیق ندوی......ریاض

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ہر سطح پر اپنے ملنے والوں کو متاثر کرتے ہیں۔انہیں میں ایک نام ہمارے محترم جناب پروفیسر حسین سحر کا بھی ہے،سحر صاحب سے میری ملاقات بہت پرانی تو نہیں لیکن جتنی بھی ہے،وہ ہے بہت ہی بے تکلف۔نام سے تو میں آشنا تھا ہی لیکن ملاقات ایک مقامی مشاعرہ میں ہوئی جو بہت جلد بے تکلفی میں تبدیل ہوگئی۔شاعری میں ہم خیال ہونے کے باوجود مسلکی وفاداریوں میں ہم دونوں میں بعد المشرقین ہے اور یہی دوری ہماری قربت کا بنیادی سبب بھی۔

سحر صاحب سے ملنے کے بعد ان کی بزم سے جانے کو جی نہیں چاہتا،بالخصوص جب وہ محو گفتگو ہوں،اردو کا ایک مشہور محاورہ ہے(بات کرتا ہےتو پھول جھڑتے ہیں) کبھی سنا تھا،شنیدہ ہی رہا۔دیدنی سحر صاحب سے ملنے کے بعد ہوا۔شاید یہی وجہ ہے کہ جس بزم شعر وسخن میں سحر صاحب ہوں اس میں صدارتی گفتگو انہیں کے حصے میں آتی ہے بلکہ ان کے ہوتے ہوئے کسی میں منصب صدارت کا یارا ہی نہیں ہوتا اور ہو بھی کیسے ان کی شخصیت کی فسوں کاری کچھ اس قدر ہمہ گیر ہوتی ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی کو اپنے وجود کا احساس نہیں ہوتا اور اس میں کوئی مبالغہ بھی نہیں۔سحر صاحب کی ہشت پہلو شخصیت میں جہان شش جہات نہاں ہے۔شاعری میں محاوروں، روزمرہ،مضمون کی ندرت۔ومعنی آفرینی،زبان کی چاشنی اور اسلوب کی شگفتگی کچھ اس طرح ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ ہوگئی ہے کہ بے ساختہ کہنا پڑتا ہے۔ نظارہ دامن دل میکشد کہ جاء اینجاست۔سحر صاحب اس وقت آٹھویں دہائی کے پیٹے میں ہیں لیکن مذہبی اور اخلاقی رکھ رکھاؤ نے انہیں ہر طرح کی آفات زمانہ سے محفوظ رکھا ہے۔دور ہی سے ان کی پرکشش شخصیت آپ کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔سحر صاحب نے اپنی 55 سالہ فنی سفر میں اردو کے سرمایے میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔شاعری کی مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔کم ہی رائج الوقت کوئی صنف سخن

ہوگی جو ان کی توجہ سے محروم رہی ہو۔ان کے نام سے منسوب بیشتر مجموعہ کلام قارئین وشائقین شعرو سخن کی توجہ کا مرکز رہے ہیں جن میں سے چند کے نام کچھ یوں ہیں ۔ پھول اور تارے، تقدیس، تخاطب، تطہیر، تجلی، سعادت، مودت، ستارہ ہلال، تنویر، ہم کلیاں ہم پھول، نظمیں اور کہرے میں دھنک۔ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جنہیں باوقار انعامات سے بھی سرفراز کیا گیا ہے۔بطور مثال پھول اور تارے رائٹر گلڈز سے جبکہ تقدیس صدارتی ایوارڈ یافتہ تصنیف ہے اور اتنا ہی نہیں بلکہ سحر صاحب سے کچھ ہیئتی تجربے بھی منسوب ہیں ۔آزاد غزل میں تو انہیں غیروں پر اولیت حاصل ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ مختلف وجوہات کے سبب اولیت کا یہ اعزاز تنقیدی حوالوں میں ہندوستانی شاعر مظہر امام سے منسوب ہےاور یہی وہ پہلو ہے جو اس طویل تعارفی تمہید کا بنیادی محرک ہے۔ قصہ کوتاہ میرے پیش نظر ان کا مجموعہ کلام ’’کہرے میں دھنک‘‘ ہے جو ان کی شاعری کی عام افتاد سے مختلف،آزاد نظموں پر مشتمل مجموعہ کلام ہے۔

جن اردو شعراء نے اس ہیئت کو اپنا وسیلہ اظہار بنایا ان کی گرفت اردو کے کلاسیکی سرمایے پر ہی نہیں بلکہ فارسی شعر وشاعری سے ان کا رشتہ بہت ہی مضبوط تھا۔ وہ چاہے میراجی ہوں یا راشد،فیض ہوں یا منیب الرحمٰن،اختر الایمان ہوں یا جعفری،اگر میں کہوں کہ ہمارے سحر صاحب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں تو کچھ بےجا نہیں ہوگا۔

سحر صاحب کی نظموں کا عام آہنگ ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے لیکن ایک چیز جو سحر صاحب کو عام آزاد نظم نگاروں سے مختلف کرتی ہے۔ وہ اشعار میں وزن کا فنی التزام جو ان کی صنف سخن سے واقفیت کی دلیل ہے۔کم لوگ جانتے ہیں کہ آزاد نظم کہنے کو آزاد ہوتی ہے۔ورنہ وہ بھی ایک حد تک وزن کی پابند ہوتی ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اردو شاعری کے اوزان ارکان کی ترکیب سے وجود میں آتے ہیں جبکہ مغربی شاعری کے اوزان حروف پر مبنی ہوتے ہیں ۔عرب ناقدین اسے(قدم/اقدام) کا نام دیتے ہیں جس کی طوالت واختصار کا پیمانہ بقول ان کے کم سے کم ایک (حرف) ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ بارہ (حرف) ، آزاد نظم چاہے (Blank Verse)ہو یا (Verse Libre) دونوں کا اس قاعدہ کا پابند ہونا ضروری ہے لیکن دونوں میں

فنی فرق ہے۔سحر صاحب کی نظم بندی ملاحظہ کیجئے۔

اندھیری شب میں
بلند مرمریں پہاڑوں کی سرد، تاریک چوٹیاں
برف سے ڈھکی تھیں
ہر ایک ذرہ مہیب خوابوں کے تیرہ غاروں میں کھو چکا تھا
مگر فلک نے جو آنکھیں کھولی
دمکتے سورج کی پہلی کرنوں کا گرم و بیدار لمس پا کر
جو برف پگھلی
تو وادیوں کے گلاب ہونٹوں پر نرم خوشبو کے گیت ابھرے
زمین انگڑائی لے کے جاگی
تو سبز پتوں کی چوڑیوں سے کھنکھناتی شاخوں کی صندلیں باہیں لہلہائیں
سیاہ زلفوں کے ابر لہرائے آسماں پر
تو نیم وا آنکھیں جگمگائیں
لبوں کی کلیاں چٹک اٹھیں
گلشنوں کے سانسوں میں زیر و بم تھا
جو برف پگھلی تو زندگی در آئی
کہ اس کے خوابیدہ ان چھوئے ریشمی بدن کی خنک رگوں میں

اس مختصر مضمون میں صرف ان اکائیات کی نشاندہی مقصود تھی جن سے ان کی شاعری عبارت ہے۔امید ہے کہ کل کے ناقدین سحر صاحب کی فنی قدر و قیمت کے تعین میں دیانتداری سے کام لینگے۔

سحر صاحب کے تخلیقی سرمایے میں آزاد نظم کا حصہ خاصا ہے۔''کہرے میں دھنک'' میں کل ان کی چھوٹی بڑی 30 تا 35 نظمیں شامل ہیں۔ان میں کچھ مشاہداتی نظمیں ہیں کچھ

موضوعاتی لیکن آتی سب ہیں۔مختصر نظموں کی دائرے میں ہاں کچھ نظمیں ایسی ہیں جنہیں ہم نیم طویل نظموں میں شمار کر سکتے ہیں جیسے درج ذیل نظم:

رات کی بات ہے
ماحول تھا اس درجہ مرے قریہ جاں کا شبگوں
تھی فضائے چمنستان زبوں
ظلمت شب تھی کہ امڈی ہوئی گھنگھور گھٹا
سائے ہی سائے نظر آتے تھے ہر سو گہرے
خوفناک اور عجیب
کسی عفریت کی مانند غضبناک و مہیب
ظلم اور جبر کا پہرہ تھا دل و جاں پہ محیط
ذہن پر طاری خزاں کا طلسم
روح پا بند سلاسل تھی جو آزاد تھا جسم
ابر تھا چھایا ہوا درد و الم کا ہر سُو
کوئی آہٹ نہ کوئی رنگ نہ کوئی خوشبو
زرد تھا چہرہ ا شجار غبار غم سے
اور پژمردہ نظر آتی تھی ہر ایک کلی
برگ بے رنگ و نمو
شاخ بے برگ و ثمر
حبس تھا قریہ جاں کا موسم
ہر طرف چھایا تھا شب کا عالم
در و دیوار پہ سایوں کا ہجوم
شب کی شدت میں اضافہ جو اچانک ہوا

دل زور سے دھڑکا میرا
نکل آیا فق جاں پہ نیا مہر درخشاں ایسے
جیسے یکدم تن بے جان میں جاں آ جائے
جیسے بے صوت وصدا کو بھی زباں آ جائے
جیسے بھولے ہوئے کو یاد نشاں آ جائے
اس نئے مہر درخشاں سے ہے وابستہ بہار
جس کے موسم بے رنگ وصدا کے رخ پر
زیست کی زندہ علامت کی پکار
گنگناتی ہے نئی شان سے خوشبو کی دلہن
صبح کی پہلی کرن
صبح کی پہلی کرن
مرگ زدہ موسم میں
سانس لینے کیلئے
تازہ ہوا کا جھونکا

کہرے میں دھنک

اسلام عظمی

اجنبی شہروں میں اجنبی لوگ اکثر ملتے رہتے ہیں ۔ میں کون؟ آپ کون؟ کی قسم کا رسمی سا تعارف چلتا رہتا ہے۔ آئیں کہیں بیٹھ کر چائے پئیں کہہ کر یعنی اب اپنی اپنی راہ لیں کا اشارہ کتنے ہی لوگ ہر روز ایک دوسرے کو دیتے رہتے ہیں ۔ جتنا بڑا شہر ہو اتنی ہی اس کے راستے اور اس کی سڑکیں صاف ستھری ہوتی ہیں ۔ ان صاف ستھرے راستوں اور سڑکوں پر ہر روز لاتعداد لوگ چلتے ہیں مگر ان کے نقوش پا کوئی نشان نہیں چھوڑتے ۔ اچھی صورتیں ہوں یا برے چہرے سب ذہن کی سلیٹ سے اتنی جلدی محو ہو جاتے ہیں کہ صحراؤں کی وحشی ہوا بھی گزرنے والوں کے قدموں کو اتنی جلدی کہاں مٹاتی ہوگی؟

''میں حسین سحر ہوں''

''میں اسلام عظمی ہوں''

جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آ جائے کے مصداق دوبئی کی بھیگتی ہوئی شب میں جناب حسین سحر سے میری ملاقات بالکل اچانک اور غیر متوقع تھی ۔

''میں نے آپ کا نام سنا ہے''

''میں نے آپ کا نام سنا ہے''

''یہاں کہاں؟''

''الخبیر سعودی عریبیہ میں مقیم اپنے بیٹے سے اپنے دوسرے بیٹے کے پاس دوبئی میں وزٹ پر آیا ہوں حسین سحر نے میرے سوال کے جواب میں بتایا ۔ تب تک شاہ زمان کوثر اور منظور طارق بھی ہماری بات چیت میں شامل ہو چکے تھے۔ جمعرات کی رات بھیگنے لگی تھی اور برسوں سے جمنے والی ہماری محفل کا وقت گزرا جا رہا تھا ۔ ''کہاں ہو بھئی؟ میں اور شفیق سلیمی کب سے انتظار کر رہے ہیں ۔''

ڈاکٹر زبیر فاروق کا فون بار بار آ رہا تھا ۔

''ہم کچھ دوست ہر جمعرات کو اکٹھے بیٹھتے ہیں ۔آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں ۔'' نہ تو ہماری دعوت رسمی تھی اور نہ ہی حسین سحر کا جواب رسمی تھا۔انہوں نے کوئی وقت ضائع کئے بغیر اپنے بیٹے کو ہمارے ساتھ چلنے کے بارے میں مطلع کیا اور ہم ڈاکٹر زبیر فاروق کے گھر پہنچ گئے ۔

''کہرے میں دھنک'' کی کچھ کاپیاں حسین سحر کے بیٹے کی گاڑی میں تھیں جو انہوں نے بیٹے کی گاڑی سے نکال کر ہمیں تھما دی تھیں ۔ میں نے بے ارادہ کتاب کھول لی ۔ دوبئی کی رات کو دن بنانے والی سڑکوں کی روشنی میں نظم لمس میرے سامنے تھی ۔

(لمس)

مدتوں بعد تجھے آج جو چھو کر دیکھا
یہی محسوس ہوا ہے کہ مری پوروں میں
ریشم و اطلس و کمخواب کی اک نرمی ہے
شعلۂ لالہ و نسرین کی اک نرمی ہے
مری رگ رگ میں کوئی برق سی لہرائی ہے
سنسناہٹ سی مری روح میں در آئی ہے
ایسے محسوس ہوا ہے کہ مرا خانۂ دل
یک بیک درد کی خوشبو سے مہک اٹھا ہے
ایک مدت سے جو خاموش تھا ویرانۂ دل
طائرِ غم کی صداؤں سے چہک اٹھا ہے

(لمس صفحہ 70)

بولتی ہوئی سطریں مگر حسین سحر دیکھنے میں تو ایک مطمئن اور کامیاب شخص لگتا ہے اور ہے ۔پھر ایسی سطریں کیوں؟ یہ سوال اکثر و بیشتر ذہنوں میں اٹھتا ہے اور کسی حد تک جائز بھی ہے۔ لکھنے والا بھی ان کی طرح کا آدمی ہے غرق اتنا ہے کہ لکھنے والے کے اندر ایک اور آدمی بھی ہے۔

غور سے تو نے اسے دیکھا ہے؟
وہ مرے ہی پیکرِ بیتاب کا اک عکس ہے

(پہچان صفحہ ۶۹)

میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے حسین سحر کو دیکھا ۔ سونے اور پیتل کے فرق کو محسوس کرنے کے لئے کسی ڈپلومے یا ڈگری کی ضرورت نہیں پڑتی ۔ سامنے سونا ہے یا پیتل' پل بھر میں پتہ چل جاتا ہے۔حسین سحر دوسری گاڑی میں تھا مگر میں اسے کسی دیوار کے پیچھے سے آتی ہوئی یا پھر بھیگی رات میں بہت دور سے خواجہ فرید کی گائی جانے والے کافی کے بولوں کی طرح محسوس کر سکتا تھا۔

اچیاں تے لمیاں لال کھجوراں پتر جنہاں دے ساوے ہو

دور ہو کر بھی میرے پاس بیٹھے ہوئے حسین سحر کے لہجے میں کوئی کھوٹ نہیں تھا ۔ وہ سونے کی طرح ایک سچا اور کھرا شخص تھا ۔اس کی شخصیت میں وہ ٹھہراؤ تھا' جو نا پید ہوتی ہوئی وضعداری کا خاصہ ہے۔آدمی مادی ترقی کی منزلیں یوں ہی طے کرتا رہا تو ''نفرتوں میں ادھورے اور محبتوں میں پورے لوگ'' لیزر کی شعائیں لے کر گھومنے سے بھی شاید نہ ملیں ۔ میں لمحہ بھر میں ساٹھ کی دہائی کے بہاولپور میں پہنچ گیا تھا۔

میں جانا کس دیس؟

لفظوں کا رشتہ بہت معتبر رشتہ ہے ۔ صدیوں کی مسافت لمحوں میں طے کرا دیتا تھا۔ دکھوں سے آشنا کراتا ہے مگر دکھ دیتا نہیں ہے۔سفر کیسا بھی مشکل کیوں نہ ہو؟ اپنائیت کی ''خوشبو کا جھونکا'' دبے پاؤں' ہم قدم ہو جاتا ہے۔محبتیں کرنے اور محبتیں پانے والوں کے بیچ میں دکھ کا رشتہ سورج کی روشنی اور چاند کی چاندنی کی طرح مشترک ہے۔دنیا بھر کی راحتیں مل کر بھی اہل وفا کے بدصورتیوں کو خوبصورتیوں میں بدل دینے کے جنوں کو ٹھنڈا نہیں کر سکتیں۔

اہل جنوں خود الاؤ کا اہتمام کرتے ہیں اور خود ہی اس میں جلتے ہیں تا کہ جبر کی بھٹی میں جلائے جانے والوں کی اذیت سے آگاہ ہو سکیں ۔ سب اچھا ہے کا اعلان کرنے اور لمبی تان کر سونے والوں کو آئینہ دکھا سکیں ۔

یہ جنوں انہیں وہ شناخت عطا کرتا ہے کہ لفظ لکھنے والا کہیں بھی چلا جائے' بے چہرہ نہیں رہتا ۔ وہ انسانی قدروں کا ایسا سفیر بن جاتا ہے' جسے وقت کے حاکم سے سند حاصل کرنے کی

ضرورت نہیں رہتی ۔ وہ خود اپنا اعتبار بن جاتا ہے ۔ کسی صاحب اعتبار کو کسی بے اعتبار کا دامن تھامنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ لکھنے والا وہ جرنیل ہے جو شیخون کے ہنر سے نا آشنا ہوتا ہے ۔ وہ اپنی فتح و شکست کے معیار خود بناتا ہے اور اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں کی داستان خود تحریر کرتا ہے ۔ وہ ایسا سدا بہار پودا ہے جو موسموں کی تمازت کے باوجود مرجھانا نہیں جانتا ۔ اصل بات خود پر یقین کی ہے ۔ جبھی تو حسین سحر ببانگ دہل اعلان کرتا ہے کہ

رنگوں کو پانے کی تمنا میں لپکتا ہوں
نکل جاتا ہوں میں خوشبو کی لہروں کے تعاقب میں
فقط اک حسرت ناکام ہے جو ہاتھ آتی ہے
مگر یہ حسرت ناکام بھی اک کامیابی سے مجھے سرشار رکھتی ہے
کہ خود سے برسر پیکار رکھتی ہے ۔

(پچپن میں بچپن)

لفظ لکھنے والا اپنا احتساب خود کرنے کی جرات رکھتا ہے ۔ وہ دوسروں سے سوال و جواب کرنے سے پہلے خود سے مکالمہ کرتا ہے ۔

اے مری بیخواب آنکھو!
کبھی تم نے دیکھا؟
کہ آسمان کتنا نیلا ہے؟
سبز پھولوں کا پیغام کیا ہے؟

حسین سحر کا اپنا کلر بکس ہے ۔ وہ اپنی کلر سکیم خود ترتیب دیتا ہے ۔ سبز درخت' گلابی کلیاں' نیلی جھیل' پیلا چاند اور نیلگوں رنگ کا پانی اور ایسے دوسرے استعارے روز ازل سے موجود ہیں مگر حسین سحر نے انہیں دریافت کر کے نئی جہت عطا کر دی ہے ۔

چہکتے ہوئے سرخ اور زرد رنگوں کی بیلیں
دمکتی ہوئی نیلی نیلی فضائیں

اچھلتے ہوئے سبز روپانیوں کی ردائیں
اک تصویر ہیں زندگی کی
چمکتی ہوئی دودھیا روشنی.....(کبھی تم نے دیکھا صفحہ 25)
نیلگوں رنگ پانی کا
خشک مٹی کا خاکستری رنگ
مٹی کا آخری رنگ ہے.....(آخری رنگ صفحہ 21)
زمین انگڑائی لے کے جاگی
تو سبز پتوں کی چوڑیوں سے کھنکھتی شاخوں کی صندلیں بانہیں لہلائیں ۔۔۔(ندی صفحہ 36)

حسین سحر ہمیں ان فطری حقیقتوں کا ادراک کراتا ہے' جو آج کی روز و شب میں ایک قصہء پارینہ بنتی جا رہی ہیں اور المیہ یہ ہے کہ نئی مصروفیات کے ساتھ جنم لینے والی نسل کے پاس تو اسے محسوس کرنے کی فرصت بھی نہیں ہے ۔ انسان انجانے میں اپنی بنائی ہوئی دنیا کا اسیر ہوتا چلا جا رہا ہے ۔ وہ انسان سے زیادہ روبوٹ بنتا چلا جا رہا ہے ۔

کیا یہی جبر ہے مثبت کا
ہنسنا چاہیں تو ہنس نہیں سکتے
رونا چاہیں تو رو نہیں سکتے (جبر صفحہ 38)

''کہرے میں دھنک'' خوبصورت خواب پالنے اور دیکھنے والوں کے لئے حسین سحر کی طرف سے ایک خوبصورت تحفہ ہے ۔

تطہیر

ڈاکٹر اسد اریب

جب میں ''بچوں کے ادب'' پر تحقیق کر رہا تھا۔ یہ کوئی ۶۳۔۱۹۶۲ء کی بات ہے' جناب حسین سحر سے میرا ادبی تعلق قائم ہوا۔ مگر یہ آشنائی محض کام اور نام کی حد تک تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ کوئی ۲۵ برس' (یعنی ایک ربع صدی) بعد میرا یہ رابطہ اس قدر استوار ہو جائے گا کہ میں اب ۱۹۸۹ء میں ان کی تصنیف ''تطہیر'' کا مقدمہ نگار بن جاؤں گا۔ یہ زمانے کی نیرنگیاں ہیں اور بالیقین یہی وہ نیرنگیاں ہیں جس سے ذات ''اپنی قبائے صفات بناتی ہے۔ وہ بچوں کے مقبول شاعر تو پہلے ہی تھے اب مدحت وسلام' نعت اور منقبت کے میدان رزم میں بھی بڑے بڑے شہہ زوروں سے پنجہ آزما اور معرکہ آرا ہیں۔ یہ مجموعہ مناقب وسلام کا ''تطہیر'' ان کے روحانی تفکر کا آئینہ دار بھی ہے۔ اور اُن کے احساس جمالی کا شاعرانہ عکس بھی۔

جناب حُسین سحر اس دور کے اُن ممتاز شعراء میں ہیں جنہوں نے مختلف اصناف سخن پر مکمل دسترس حاصل کی ہے۔ غزل' نظم' سلام' نعت' قصیدہ کی مختلف اور متنوع ہیئتوں میں نئے نئے تجربے کئے ہیں۔ ان اصناف میں انہوں نے ہیئت کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ کئی معنوی تصرفات بھی کئے ہیں۔ قومی نظمیں' ملی گیت' بچوں کے ترانے اور منظوم تمثیلچے (ٹیبلوز) بھی لکھے ہیں۔ لیکن سن وسال کی اس پختہ کاری کے دوران (اب جبکہ وہ نصف صدی کا کامیاب سفر طے کر چکے ہیں) خانوادہ اہل بیت کی مدح وتذکار ''میں تطہیر'' کے سلام ومناقب لا رہے ہیں۔

یہ سلام' سلام کی اُس روایت کا حصہ ضرور ہیں جو روایت ہمارے صدیوں پرانے احساسات سے عبارت ہے۔ مگر اِس روایت میں اظہار خیالات کی ایسی تازگی ہے' جس کی ایک ایک رگ معانی اور رشتۂ انفاس میں نئے زمانے کی خوشبو رچی ہوئی ہے۔ یہ ایسے سلام نہیں جو مقرر اصطلاحات اور سکہ بند لفظی سانچوں میں ڈھلے ڈھلائے معلوم ہوں۔ بلاشبہ یہ سلام لفظی ہیئت کے اعتبار تک تو ہماری روایت کا پرتو ہیں لیکن معنوی قرینوں اور تفکر کے لحاظ سے یہ اردو میں بیسویں

صدی کے شعری ارتقاء کا مکمل مظہر ہیں۔

لکھنوی عہد واقعی ہمارے ثقافتی ورثے کی ایک ایسی شناخت ہے جس سے ہماری پہچان' بہت دیر اور بہت دور تک باقی رہے گی۔ اس عہد نے شاعری کو اور بالخصوص تذکار اہل بیت کو جو نئے نئے سانچے دیئے' ان سانچوں میں سلام ایک ایسی ہیئت شعری ہے جو ادب اردو میں اپنے مخصوص امتیاز کے ساتھ ابھری۔ جناب حسین سحر نے سلام کے ان مخصوص امتیازات کو نظر انداز کئے بغیر اپنے بعض معاصر شعراء کی طرح اس جہت میں نئی حکمتوں کے سراغ لگائے خاص طور پر یہ بات کہ سلام اور منقبت کے غزلیہ پیرایہ اظہار اور اُس کے متعین خدوخال سے ہٹ کر آہنگ' صورت اور خیال کا نیا زاویہ مثلثہ قائم کیا۔ اس کی واضح مثال اس مجموعہ کی پہلی ہی منقبت ہے۔

آپ قرآن ناطق کی تصویر ہیں
آپ نہج البلاغہ کی تحریر ہیں
آپ دروازہ شہر علم نبی
یا علی یا علی۔ یا علی یا علی

اس شعری تجربے کو یہاں نقل کرنے کا مُدعا محض آپ کو یہ باور کرانا ہے کہ شاعر نے اس صنف سخن میں جو نئے تجربے کئے ہیں ان کا مابہ الامتیاز کیا ہے؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ فی الحقیقت یہ تجربے ہیں اور منقبت کی ہیئت میں بالکل نئے ہیں۔ رباعی' قطعے اور مسدس کے بند کے مقابلے میں یہ ثلاثی ہیں چوتھا مصرع محض ترکیب بند کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کا معنوی قرینہ' صرف مخاطبے لفظ (آپ) کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ تیسرے مصرع کو پہلے شعر (دو مصرعوں) سے جدا کر کے' ایسے صوتیے کا انتخاب کرتا ہے جو تکرار پانے والے مصرع سے ہم آہنگ ہو سکے۔ تیسرے یہ کہ: اس تمام ترنظم خیالات میں جو لفظیات استعمال کی گئی ہیں وہ سماعی' معنوی اور صوری' تینوں اعتبار سے معروف' مستعمل اور مروج عام ہیں۔ یہ اور اس طرح کے کئی دوسرے تشکیلات مثلاً

1۔ طلوع مہر ایمانی۔ فروغ نور قرآنی

2 ۔ہر سمت ہے آہ و بکا ۔کانپ اٹھی ارض نینوا

3 ۔صاحب دل صاحب کردار تو۔

شاعر نے اس صنف سخن میں معانی کی صورت برقرار رکھ کر خیالات کو مختلف اشکال میں ڈھالنے کی جو بارور کوشش کی ہے وہ اس کتاب کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ ''حسینی ہائیکو'' کا یہ تجربہ بھی اسی نئی روایت کا ایک تسلسل ہے' ملتان کی ادبی فضاؤں میں تخلیق کا جو نیا لب ولہجہ ابھر رہا ہے اور تخلیقی جمالیات کے حوالے سے کچھ نئی اصطلاحیں وضع کی جارہی ہیں یہ ''حسینی ہائیکوز'' کی اصطلاح بھی اسی وضع اصطلاحات کا ایک عمل ہے۔ جناب حُسین سحر کے حسینی ہائیکوز سے ایک اقتباس کی نقل کر رہا ہوں۔

آپ سبط نبی ہیں ابن علی
آپ لخت جگر ہیں زہرا کے
آپ سردار اہل جنت ہیں

.....

آگہی کی علامت زندہ
استعارہ ہے عشق محکم کا
کربلا درس گاہ ایماں ہے

.....

بہہ رہی ہے اگرچہ نہر فرات
لب ترستے ہیں قطرے قطرے کو
زندگی ہے کہ پیاس کا صحرا؟

اس مجموعے کا ایک وصف اضافی یہی ہے کہ شاعر نے جہاں جہاں سلام ومنقبت کی ہیئت میں نئے تصرفات سے کام لیا ہے۔ وہاں شعریت اور تخیل کو زیادہ جاندار' متحرک اور پرکشش بنا دیا ہے۔ یہ مختصر بحر اور موزوں لفظوں والے مصرعے اپنے لئے تراشے گئے مخصوص زحافات کے

ساتھ ایک عجیب لطف دیتے ہیں۔

ہے رُخ تاریخ کا اجلال تو
حریت کی عزت و اقبال تو
قاطع ہر جبرو استحصال تو
بادشاہ عزم و استقلال تو

اے حسین ابن علی تجھ پر سلام

فدیہ ذی شان اسمٰعیل تو
ہے شعاع فکر کی قندیل تو
صبر کی بے ساختہ تمثیل تو
منزل عرفاں کا سنگ میل تُو

اے حسین ابن علی تجھ پر سلام

حسین سحر پاکستان کی اردو شاعری کے لئے کوئی نیا نام نہیں ۔اسی نام کے ساتھ شہرت بھی پیچھے پیچھے چلی آتی ہے۔ (سحر رومانی کی تلبیس شخصی جو حسین سحر کے نام سے کی گئی' گو کہ اسے بھی معرض ظہور میں آئے' کوئی اٹھارہ برس گزر رہے ہیں) یہ ایک ایسی طویل مدت ہے جس میں ایک میوں میوں اور پیوں پیوں چلتا بچہ جواں جہاں ہو جاتا ہے' یہ سب عرصہ شمار کر کے حسین سحر کی ریاضت فکر کا زمانہ کوئی اڑتیس چالیس برسوں پر محیط ہے یہ طویل دورانیہ کسی فکری جہت کی پختہ کاری اور حکیمانہ فلسفے کی شہر باری کیلئے بہت کافی ہے۔ حسین سحر نے اپنی اسی ریاضت کے طفیل اب روحانی تفکر اور دینی تبحر کو اپنے شعری تجربوں کی آماج گاہ بنایا ہے۔ یہ مناقب وسلام کا مجموعہ اس دور کے ایسے کئی نئے مجموعوں کے مقابل ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں شاعر نے حسین ابن علی اور دیگر اہل بیت کو محض ایک انقلابی شخصیت کے آئینے میں محدود کر کے نہیں دیکھا ہے۔ حسین ابن علی اس کے لئے قطع نظر پیغامبر حریت کے اس کے سلسلہ ہدایت کی ایک کڑی بھی ہیں ۔حسین ابن علی جناب علی مرتضٰی اور خانوادہ اہل بیت سے اس کا یہ تمسک ذاتی اَن بہت سے

شاعروں کے مقابلے میں اُسے زیادہ ممتاز بنا دیتا ہے جنہوں نے خانوادہ اہل بیت کی ظلم و جبر سے پنجہ آزما ان شخصیتوں اور واقعہ کربلا جیسے باطل شکن رویوں سے محض درس انقلاب لیا ہے۔

غم نہیں ہے جو مصائب ہیں مری رہ میں سحر
راہ بر مانتا ہوں حق کے پرستاروں کو

''تطہیر'' کے تمام تر اشعار آیۂ تطہیر کے مصداق کرداروں سے شدید عشق، وابستگی اور والہانہ محبت کا ثمر ہیں۔ ان کرداروں سے جذباتی وابستگی اور موضوع کے ساتھ شاعر کی فنکارانہ شیفتگی کے نتیجے میں بعض ایسے شعروں نے جنم لیا ہے جو تا ابد زندہ رہیں گے (ایسے کئی شعروں سے صرف پانچ شعر بطور نمونہ درج کرتا ہوں)

ہوائے شام جو گزری ہے سسکیاں لے کر
ضرور اُس نے سنی ہے۔ حسین کی آواز

مری نگاہ میں کیا ہے جہان استبداد
کہ میری آنکھ کا سرمہ ہے خاک پائے حسین

تین روز کا پیاسا یہ رسول کا کنبہ
ظلم کے بیاباں میں صبر کا سمندر ہے

خنجر شمرِ جفا جو اور حلقوم حسین
آسماں تجھ سے یہ منظر کس طرح دیکھا گیا؟

جان دے کر کیا تعمیر وفا کا کعبہ
یاد رکھے گا جہاں عشق کے معماروں کو

اس مجموعے کے مناقب سلام تنقید کے اس زاویے سے اور زیادہ مستحکم مضبوط اور فنی بنیاد کے حامل ہیں کہ شاعر نے انہیں اپنے شعری شعور کی پختہ کاری کے زمانے میں تخلیق کیا ہے۔ ورنہ عموماً ہوتا یوں ہے کہ شاعری کے آغاز سفر ہی میں تبرکاً اور تیمناً حمد و نعت اور سلام و منقبت کے مضامین پر طبع آزمائی کر لی جاتی ہے، لیکن جناب حسین سحر کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے انہوں نے اپنی یہ تخلیق اُس وقت مکمل کی جب وہ زندگی کی پچاس باون بہاریں دیکھ چکے اور اپنے فن کی کوئی اڑتیس چالیس سالہ مسافت طے کر چکے، گویا انہوں نے اس طویل عرصے میں ہر طرح کی صنف سخن پر مشق کر لی، کے طرحی اور غیر طرحی دونوں معرکے سر کیے، ملی نغمے لکھے، بچوں کی شاعری کی (اور اس شاعری پر انہیں قومی اعزاز بھی ملا) تراانے نظم کیے، قومی شاعری تخلیق کی۔ مسدس، مخمس، ترکیب بند، رباعی، قطعہ، سہرا، کوئی ہیئت اور موضوع ایسا نہ تھا، جسے انہوں نے ہاتھ نہ لگایا ہو، اس کامیاب مشق و ممارست کے بعد تکمیل فن کے اعتبار سے یقیناً اب تطہیر کے یہ مناقب و سلام، موسیقی کی اصطلاح میں گلِ نغمہ اور پردۂ ساز کے مترادف قرار پائیں گے۔

اس مجموعے کے سلام و مناقب کے پس منظر میں ابھرنے والی ایک نہایت اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان سلام و مناقب کی بنیادان زمینوں پر رکھی گئی ہے جو خود کاشت ہیں۔ ان زمینوں کی فکر ثمر بار سے جو سپر حاصل ہوتی ہے اس کا ذائقہ از خود بتلاتا ہے کہ یہ زمینیں یا تو بالکل غیر آباد تھیں یا کم کاشت تھیں۔ ان کے قوافی ردیف اور لفظی تصرفات اور خیالات کے سانچے ان معنوی تجربوں کے طبع زاد ہونے کی دلالت کرتے ہیں، یہ سلام آزمائشی مصرعوں پر جبراً تشکیل پانے والا تنظیم خیالات کا ایسا شعری پیکر نہیں، جس کا تانا بانا عموماً بحر، ردیف، قوافی کی قید کے ساتھ، مشاعروں کے دادا گیر اور شاعرانہ اکھاڑوں کے شہ زور خلیفہ فراہم کرتے ہیں۔

ان مناقب میں عقیدے کی حرکت کے ساتھ فکر و فن کا ایسا جمالیاتی عنصر بھی شامل ہو گیا ہے جو مصوری کے عمل کو پاک دامن مریم کی ایسی شبیہ بنانے پر اکساتا ہے جو کیسا کے تقدس اور جمالیاتی آرٹ کو باہم شیر و شکر کر سکے۔

تقدیس اور نورِ اوّل کے مظاہر

ڈاکٹر شمیم ترمذی

یکا یک زمیں کے جہالت کدے میں
خدا کی طرف سے
ازل اور ابد کی علیم و بصیر
اک نئی روشنی کا اجالا ہوا
یہ نئی روشنی
رنگ و خوشبو کی بارش لئے اپنے اطراف میں
ساری دنیا پہ چھانے لگی

اس روشنی نے دنیا کی ظلمتوں کو صبحِ درخشاں کا جمال بخشا۔ اسی روشنی سے مہر و ماہ نے اکتساب کیا۔ اسی روشنی نے آئینۂ کائنات کو آب بخشی۔ اسی روشنی سے کُن فکاں کا باب کُھلا۔ اسی روشنی سے تخلیق کے عمل کا آغاز ہوا۔ اسی روشنی نے انسان کو زمین پر معجزات اور آسمان پر تجلیات دیکھنے کے قابل بنایا۔ اسی روشنی میں خلقِ خدا کو ذات اور صفات کے مظاہر نظر آئے ہیں۔ گویا نورِ اوّل ہی خدا، انسان اور کائنات کی معرفت کا وسیلہ ہے۔ یہی نور شعور و آگہی کا مبدا ہے۔ یہی نور شرفِ آدمیت اور معراجِ انسانیت کا مرجع ہے۔

ہے جہاں ربِ لامکاں کا نور — ہے وہاں شاہِ اِنس و جاں کا نُور
آپ کی ذات عکسِ حُسنِ ازل — آپ کی ذات کُن فکاں کا نُور
ایک بے سایہ کا سایہ ہے رخِ کونین پر — ایک انساں نے دکھائی ہے خدا کی روشنی
قلب و نظر کی صبحِ درخشاں کے رُوپ میں — پھیلا ہوا ہے نور اسی آفتاب کا
روشن اسی سے آئنہ ہے کائنات کا — اس کا جمال عکسِ رُخِ بے مثال ہے
آپ احمدؐ بھی ہیں، محمدؐ بھی — عکسِ آئینۂ صفات ہیں آپ

حُسین سحر نے تقدیس کی نعت کے وسیلے سے نورِ اول کے مظاہر کو بڑی محنت اور احتیاط سے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے۔ وجہِ تخلیقِ کائنات کے معجزات و کمالات کو تخلیق کے کینوس پر اس طرح پینٹ کیا ہے کہ حُسنِ تقدس اور رفعت کے سارے معیار بھی قائم رہیں اور مدحت کا حق بھی ادا ہو جائے۔ شاعر کا عقیدہ ہے کہ عشقِ رسولؐ اس کی تخلیق کا محرک بھی ہے اور معیار بھی۔ اسی لئے کہ شاعر پیرایۂ اظہارِ ثنا کی خیرات شہِ لولاک ہی سے مانگتا ہے۔ اسی ذاتِ اقدس کو اپنے افکار کا مرکز مانتا ہے۔ اسی ذاتِ والا تبار کو قلم کی حرمت کی ضمانت سمجھتا ہے۔ وہ شعورِ نعت کو نورِ مجسم کی نظرِ کرم کا معجزہ سمجھتا ہے۔ وہ مودتِ رسولؐ کو جہانِ لفظ و معنی کی تسخیر کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ شعر کے اس مقدس حوالے کا احساس اُسے نازاں اور سرشار رکھتا ہے اور اُسے ہر وقت اپنے دامنِ تخلیق میں گلاب ہی گلاب نظر آتے ہیں۔

یہ آپ ہی کی چشمِ کرم کا ہے معجزہ — ورنہ شعورِ نعت کہاں اور سحر کہاں
سحر جب نعتِ شاہِ پاک کہنے کا ارادہ ہو — جہانِ لفظ و معنی کیوں نہ پھر تسخیر ہو جائے
ہم نعت گو ہیں سیّد والا تبار کے — ہم ہی سے رسمِ عظمت و تقدیس فن چلی
سحر نعتِ شہِ لولاک کا احسان ہے مجھ پر — قلم میرا مری تقدیر کی رفعت پہ نازاں ہے
آئی ہے جب بھی لب پہ مرے مدحتِ رسولؐ — رحمت کے پھول دامنِ عصیاں میں آ گئے
جب بھی ہوا ہے شعر کوئی نعت کا سحر — گلزارِ جاں میں پھول کھلا ہے گلاب کا

حُسین سحر مدحت کے پارس سے اپنے شعر کو کندن بنانے کے ساتھ ساتھ، مودتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اپنی ذات کی تطہیر اور تہذیب کا بھی وسیلہ کہتا ہے۔ اسی محبت کی تنویر سے اس نے اپنی اندر کی دنیا کو روشن کیا ہے۔ اسی عشق کی طاقت سے اس نے جینے کا ڈھنگ سیکھا ہے۔ گویا محبوبِ خدا کی محبت نے صرف سحر کی شاعری کو رفعت نہیں دی بلکہ اس کی شخصیت و کردار پر بھی مثبت اثرات مرتب کئے ہیں۔ حُسین سحر نے تقدیس کی نعتوں میں اس پہلو کو شعوری سطح پر جس قدر اہمیت اور جگہ دی ہے، کسی دوسرے شاعر کے ہاں نظر نہیں آتی۔

اپنے دشمن سے کبھی بدلہ میں لے سکتا نہیں — فاتحِ مکہ کا ہے کردار میرے سامنے
میں زمانے کے اندھیروں میں بھٹک سکتا نہیں — میری آنکھوں میں ہے اُن کے نقشِ پا کی روشنی

عشق کے دم سے ہی دِل زندہ ہے آئنہ کیا تھا' جلا سے پہلے
میرے نزدیک آ سکتی نہیں تاریکیاں غم کی مرا سینہ چراغِ عشقِ احمد سے فروزاں ہے
باطل کے مقابل مری گردن نہ جھکے گی نظروں میں مری راہِ حسین ابن علی ہے
حُبِ اہلِ بیت ہی کا نام تو اسلام ہے اب بھی ہے ایماں کا یہ معیار میرے سامنے
اِس در کی غلامی ہے سحر شاہی سے بڑھ کر کونین کی دولت مجھے اِس در سے ملی ہے

اپنی ذات سے ہٹ کر دیکھتا ہے تو حُسین سحر کو سید المرسلین کے احسانات کی چادر کے نیچے پوری انسانیت نظر آتی ہے۔ تاریخِ بشریت' نورِ اول کی رحمت سے مستنیر ہے۔ علم و آگہی' شعور و عرفان معلم اول کی عطا ہے۔ شبِ غم کی تیرگی' آفتابِ صبحِ عالم کا سامنا کرنے سے گریزاں ہے۔ ہر زمین اور ہر زمانہ کی ہدایت کے لئے سراجِ منیر کی ضوفشانیاں عام ہیں۔ آج بھی نبیؐ آخر کا ہر فرمان' ہدایت کی علامت اور آپ کا ہر فعل' عظمتِ کردار کا نشان ہے۔ آج بھی حرا کی روشنی سب سے دلکش روشنی اور فاران کی آواز' سب سے دل گداز آواز ہے۔ آج بھی فتح مکہ بے عیب ضابطۂ اخلاق اور خطبۂ آخر' عالمی منشورِ حیات ہے۔ آج بھی طائف کا واقعہ' مظلوم کی فتح کا حوالہ اور ہجرتِ حبشہ' ضعیف کی قوت کا استعارہ ہے۔ آج بھی بنی معجز نما کے لاریب ہاتھوں میں کنکریاں' ہاتھ ہے اللہ کا' بندہ مومن کا ہاتھ کی شہادت ہیں اور معراجِ مصطفیٰ' بشری استعداد کے لئے ہدف اور چیلنج ہے۔ آج بھی ہجرتِ مدینہ معاشرت کے استحکام کی دلیل اور صلحِ حدیبیہ' سیاست کی کامرانی کا ثبوت ہے۔ حُسین سحر بھی ختمی مرتبت کے اتباع کو حسین زندگی کا وسیلہ سمجھتے ہیں اور رحمتِ عالم سے تمسک کو دنیا اور آخرت کی سرخروئی کا موجب گردانتے ہیں۔

آج بھی ہے پیام آپ کا' رہنما ہے ضرورت ہمیں آج بھی آپ کی
علم کی رُوح ' عرفان ہے آپ کا آگہی کی ہے جاں ' آگہی آپ کی
ظلمتوں میں بھٹکتے ہوؤں کے لئے مشعلِ راہ ہے ' زندگی آپ کی
ان کے شرف سے' ذاتِ بشر کو ملا شرف ان ہی کی عظمتوں سے ہے انساں بڑا ہوا
اے راہبرِ اعظم' تری ایک ایک ادا سے سیکھا ہے زمانے نے چلن راہبری کا

امنِ عالم کو ضرورت ترے افکار کی ہے وقت ہے پھر ترے پیغام کو دُنیا سمجھے
حشر کے دن' ان کی جانب' دیکھتے ہیں اُمتی سارے پروانوں کا رُخ ہے شمعِ محفل کی طرف

یہ واقعہ ہے کہ ''تقدیس'' تخلیق کر کے حُسین سحر نے دنیا اور عقبیٰ دونوں کو جاگیر بنالیا ہے۔ خیر الانام کی مدحت سے شاعر کے قلم کو دوام حاصل ہوگیا ہے۔ شاعر نے محبوبِ خدا کے خیال کو امام بنا کر اپنی نماز کو خدا کے ہاں مستجاب کروالیا ہے۔ سحر نے آقائے دو جہاں کی بندگی کر کے خدا کی بندگی کا حق ادا کر دیا ہے۔ حُسین سحر مدحتِ رسولؐ کے راستے قربِ خداوندی کی منزل پانے کا طلب گار ہے کیونکہ اُسے یقین ہے کہ رسولؐ کا عشق اور عرفان' دراصل خدا کا عشق اور عرفان ہے۔

ان کی ولا ہے' ان کی محبت ہے' ان کا عشق جانِ یقین و حاصلِ ایماں کہیں جسے
جس کو عشق شہِ لولاک لما مل جائے لازمی ہے کہ اسے قربِ خدا مل جائے
جس پہ خدائے پاک کو بھی افتخار ہو تم حُسنِ کائنات کا وہ شاہ کار ہو
کوئی دیکھے اگر دل کی حقیقت بیں نگاہوں سے بشر کے آئنے میں جلوہ فرما نورِ یزداں ہے
حضور آپ کا ہر لفظ آیۂ یزداں جو آپ کہہ دیں' خدا کا کلام ہو جائے

میں سمجھتا ہوں کہ حُسین سحر نے ''تقدیس'' کے وسیلے سے شاعری نہیں کی' عبادت کی ہے' ایسی عبادت جس میں دل' ہر دم حالتِ سجود میں رہتا ہے۔ سحر نے نعت نہیں کہی' نمازِ عشق ادا کی ہے' ایسی نماز جس کی رُوح میں نیاز اور نیاز دونوں بہم ہوتے ہیں۔ سحر نے مداحی نہیں کی' صرف دُعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہیں' ایسی دعا جو لبوں پر آنے سے پہلے قبول ہو جاتی ہے۔ اور یہی حقیقی اندازِ عبادت ہے۔

عقیدتوں کے جو موتی لٹا رہا ہوں میں
حضوریٔ شہِ لولاک میں کھڑا ہوں میں
مرے لئے ہیں یہ لمحات عمر کا حاصل
کہ بارگاہِ نبی میں سخن سراہوں میں

حسین سحر کی تخلیقی سحر کاری اور شہر خواب

حسن عسکری کاظمی

غزل سے دل بستگی اور اس صنف سخن کی مقبولیت کا گراف مسلسل بلند سے بلند ہوتے رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ غزل میں انسانی بطون سے متعلق ہر قسم کی آفاقی سچائی کے اظہار کا امکان موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عہد کے رجحانات کا عکس جمیل غزل کے آبگینے میں اپنی جھلک دکھاتا ہے۔ معاشرے کی بدلتی قدروں اور تخلیقی قوتوں کے حسین امتزاج کا آئینہ دیکھنا مقصود ہو تو غزل کا مطالعہ ہمارے اندر غیر محسوس طریقے سے اس کا ادراک ایک اور جہان معانی پہنچا دیتا ہے غزل کہنے کا ہنر بظاہر مشکل نہیں، قوافی اور ردیف کا شعور اور مخصوص بحور برتنے کا سلیقہ کافی تصور کر لینا بہت سے مغالطے پیدا کرتا ہے جب کہ غزل کا ہر شعر ہیئت اور معانی کی ترسیل کے علاوہ شاعر کے ذہنی افق اور میلان طبع کی نوعیت کا پتہ دیتا ہے۔ اس کی فکری جستجو کے نتیجے میں وہی باتیں نوک قلم پر آتی ہیں کہ پڑھنے والا اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر اس کی تصدیق کرتا اور غزل کا ناقد اس کے تخلیقی جوہر اور لب و لہجے کی ندرت کا اعتراف کرتے ہوئے غزل کے حق میں وہی ایک بات دہرائے گا کہ اس صنف شاعری کی مقبولیت کا راز یہ ہے کہ اس میں دروں بینی، نفسیات انسانی اور عالمگیریت پر مبنی حقائق کو ایجاز و اختصار کے ساتھ پیش کرنے کا دعویٰ سچائی کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ غزل کا شعر موضوعات کی رنگارنگی اور فکری تعبیر میں اپنی انفرادیت برقرار رکھنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے اس سلسلے میں شہر خواب کے شاعر حسین سحر موضوعات کے انتخاب اور فکری تعبیر کے باب میں جتنے محتاط نظر آتے ہیں وہ اتنے ہی اپنی منفرد شخصیت کے حوالے سے قاری کے دل میں جگہ بناتے چلے جاتے ہیں۔

پروفیسر حسین سحر نے جس خطۂ زمین میں آنکھ کھولی وہاں محبت کی فراوانی ہر ذی روح کی پیشانی پر سورج کی طرح جگمگاتی نظر آئی، اولیائے کرام کے مزارات اور ان پر عقیدت مندوں کے ہجوم، گلیوں اور بازاروں میں خوبصورت چہروں سے پھوٹتی ہوئی روشنی اور باکمال ہنر مندوں کے ہاتھوں کی صنعت کے نمونوں سے سجی دکانوں میں لوگوں کی آمدورفت، ملتان کی تہذیبی

روایات کی امین ہمہ جہت تجلیات اور تقدیس حرم میں ڈوبی مودت کی تنویریں کیا کچھ نہیں کہ حسین سحر نے جس کا مشاہدہ نہیں کیا۔ ان کی سعادت مندی نے تطہیر نفس کے مراحل طے کئے، ان کی غزل ایک گوہر آبدار کی طرح ان کی پاکیزگی کردار کا مرقع ہونے کے علاوہ غزل کی فنی اور معنوی خوبیوں کی بدولت حسین سحر کی زندگی بھر کی ریاضت کا اظہار اور بازار ادب میں یہ ''شہر خواب'' ایک شاہکار بھی ہے یہ مجموعہ غزل قریباً ڈیڑھ سو غزلوں اور تین سو بیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اگر حسین سحر چاہتے کہ اس ضخیم مجموعے سے دو مجموعوں کی صورت گری پیدا کی جائے تو یوں بھی ''شہر خواب'' اور ''شہر بے خواب'' جیسے ناموں سے دو شعری مجموعے تیار ہو جاتے، حسین سحر اپنے تخلیقی کارناموں کو سمیٹنے اور اس خیر عمل کی طرف بھرپور توجہ دینے کے حق میں ہیں، یہی وجہ ہے سعودی عرب سے پاکستان واپس آ کر انہوں نے نئے انداز سے کام کا آغاز کیا۔ سعودی عرب کے دوران قیام میں انہوں نے قرآن پاک کا آزاد منظوم ترجمہ کیا اور ''فرقان عظیم'' کی شکل میں یہ گراں قدر تحفہ مرحمت کیا، جس پر انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا، فرقان عظیم کے اعلیٰ معیار کے حوالے سے ان کے ذوق سلیم اور آزاد نظم نگاری میں ان کی صلاحیتوں کا برملا اعتراف کیا گیا۔

حسین سحر نے پنجاب اور سرائیکی زبان کے مستند کلاسیکی شعراء کے کلام میں سے منتخب حصوں کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا، ''پھلواری'' میں قدیم اور جدید شعراء کو شامل کیا۔ اردو میں اس منظوم ترجمے سے پنجابی اور سرائیکی شعراء کی تخلیقات میں رسیلا پن، عرفان و آگہی، علاقائی تہذیب و ثقافت اور اعلیٰ معیار سے متعلق ہندو پاک میں اردو دان طبقے کی رسائی ممکن ہوئی۔ اسی طرح ''پھلواری'' میں چند افسانوں کے تراجم بھی اس مقصد کے پیش نظر رکھے کہ نثری ادب میں اردو اور پنجابی زبانوں میں صرف ذریعہ اظہار کا فرق ہے ورنہ معیار ایک ہے۔

حسین سحر کی تعلیم و تربیت ایسے ماحول میں ہوئی جہاں اعلیٰ اخلاقی قدروں اور دینی شغف کی ضرورتوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ فانوسِ حرم مجموعہ نعت اور ''توصیف'' مناقب اور سلاموں پر مشتمل مجموعہ بھی ان کی تخلیقی کارگزاریوں کا تسلسل ہے۔ اسی طرح ان کی غزل سے والہانہ محبت ہمہ جہت کامرانیوں کا ایک جاذب نظر پہلو ہے اور ان کی غزل میں کلاسیکیت کا رچاؤ

اورموضوعات میں تنوع سے لگاؤ تاری کیلئے وجہ انبساط کا دروا کرتا ہے۔ چنانچہ غزل میں معتدل فضا اور رکھ رکھاؤ کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ حسین سحر غزل کی نفاست اور نزاکت کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔ ان کی کمان حرف سے نکلا ہوا تیر دل میں ترازو ہو جاتا ہے، وہ شعر کے کرافٹ اور اظہار پر خصوصی توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔

دل اسیر گردش افلاک کیسے ہو گیا
سوچتا ہوں یہ گہر تھا خاک کیسے ہو گیا
دل سے اک اک کر کے ساری خواہش رخصت ہوئیں
یہ صنم خانہ بتوں سے پاک کیسے ہو گیا

ان کے ہاں دل سے وابستہ نت نئے مضامین کے انبار ان کی قادرالکلامی کا بین ثبوت ہے اور ''شہر خواب'' میں ہجر و وصال کی پر کیفیت کو ذاتی تجربے کی روشنی میں شعریت کا جامعہ پہنایا گیا ہے محبت میں ایسے مراحل سے گزرنا اور اس آفاقی سچائی کو ندرت فکر کے ساتھ بیان کرنا غزل کی آبرو میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے، حسین سحر نے انسانی عمومی رویوں کا ادراک حاصل کرنے کے بعد اسے غزل کی زبان دے کر بحیثیت غزل نگار حرف وصوت کا حسن اور نغمگی و پرکاری کی امثال سے شہر خواب کے اوراق پر پھول بکھیرے ہیں۔

وصال و ہجر کی ہر کیفیت محبت ہے
کوئی بھی وقت ہو اس دائرے میں رہتا ہے
حرف جونہی زبان سے نکلا
تیر گویا کمان سے نکلا
بُت گروں نے بہایا خون جگر
تب کہیں بُت چٹان سے نکلا

حسین سحر نے شہر خواب کی مناسبت سے خواب و خیال کو علامت کے طور پر برتا، خواب ہماری نا آسودہ تمناؤں کا نام ہے یا ان خواہشوں سے عبارت ہے جنہیں ہم زندگی بھر عزیز رکھتے ہیں،

ہر آدمی بقدر ظرف خواب دیکھتا ہے۔ سب سے اہم خواب اپنی شخصیت کی تشکیل وتعمیر ہے اور محبت جیسا پاکیزہ جذبہ بھی اپنی تکمیل کی خاطر خواب میں پروان چڑھتا ہے۔ انسانی فطرت میں یہ خود پرستی کہ'' آئینہ دیکھ کے اپنے پہ فدا ہوتا ہے'' کوئی بری چیز نہیں مگر یہ خود پرستی یا خود پسندی کسی اعلیٰ مقصد کے حصول یا اپنے سے برتر پر قربان ہونے پر راغب کرتی ہے تو یقیناً لائق تحسین ہے۔ اس کے برعکس کسی ادنی مقصد پر نظر ٹھہرنا موجب ہلاکت بن جاتا ہے، یہی سبب ہے کہ دنیا کی عظیم شخصیتوں کے پیش نظر ہمیشہ اعلیٰ وارفع مقصد حیات رہا، حسین سحر کے ہاں ترسیل فکر میں یہ التزام موجود ہے کہ وہ جو بھی خواب دیکھتے ہیں اس خواب کی تعبیر ان کی وسعت نظر کی صورت میں سامنے آجاتی ہے۔

چلے چلو اسی رستے پہ قافلے والو
دکھائی دیتی ہے منزل غبار سے آگے
جنہیں شعور نہیں منزل و مسافت کا
ستم ہے راہ نمائی کے خواب دیکھتے ہیں
نہیں ہے اپنے مسائل کی بھی خبر جن کو
جہاں کی عقدہ کشائی کے خواب دیکھتے ہیں
مایوس ہو نہ دیکھ کے شمعوں کا یہ دھواں
ہر رات کی جبیں پہ نشان سحر بھی ہیں
میں نے تو کاغذ پہ اس کا نام لکھا تھا سحر
حرف سارے اوڑھ کر خوشبو کہاں سے آگئے

حسین سحر کے ہاں حرمت لفظ اور اس کے پس پردہ وہ فلسفہ کہ حرف حق کی بنیاد پر معاشرہ زندہ رہتا ہے، اسی بنیادی نکتے کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ غزل میں سچے اور کھرے جذبوں کی ترسیل کا اہتمام کرتے ہیں، حسین سحر نے شاعری میں ہمعصر شعراء کے ہمقدم رہ کر غزل کی تزئین وترتیب میں ان محرکات کا لحاظ رکھا جن کی رو سے غزل کو معنوی اعتبار سے آگے بڑھایا گیا، ان کی نظر میں الفاظ بھی زندہ ہیں، بشرطیکہ ان کے استعمال میں کردار اور برتنے والے کا وقار قائم ہے تو یہی الفاظ معاشرے کی تقدیر بدل سکتے ہیں۔

قوت ہے کہاں قوت کردار سے بڑھ کر
وار ایسا نہیں کوئی بھی اس وار سے بڑھ کر
الفاظ کی دولت سے نہیں بڑھ کے کوئی شے
نعمت نہیں کوئی لب ِ گفتار سے بڑھ کر

غزل میں داخلی کیفیات کے اظہار میں خارجی استعارے اور تشبیہات برتنے کا ملکہ شاعر کیلئے فطرت کا انعام خاص ہے۔ ان سے کام لینے کا ہنر شاعر کی چابکدستی اور مہارت کی بدولت آسان ہو جاتا ہے۔ حسین سحر نے غزل میں جس طرح استعارے برتے اور ان سے غزل کے حسن و جمال میں اضافہ کیا اسے چند مثالوں سے پیش کرنا ضروری ہے مثلاً ''شہر خواب'' میں ان کی غزل جو اس کتاب کی پشت پر ان کے ہاتھ کی تحریر کا اعلیٰ نمونہ بھی ہے اس غزل کے مطلع سے مقطعے تک ہر شعر میں تراکیب کا حسن اور استعاروں کی کہکشاں ترتیب دی گئی ہے، یاد کے جگنو، روح کا صحرا، دل کا ریگستان، گرداب بلا وغیرہ اور اسی طرح تشبیہات کا تسلسل آخر تک برقرار ہے، یہاں صرف دو تین اشعار کی گنجائش ہے۔

دل میں اس کی یاد کے جگنو کہاں سے آ گئے
شہر میں یہ دشت کے آہو کہاں سے آ گئے
روح کے صحرا میں لہرائے ہیں ابر نو بہار
دھوپ کے عالم میں یہ گیسو کہاں سے آ گئے
میں نے تو کاغذ پہ اس کا نام لکھا تھا سحر
حرف سارے اوڑھ کر خوشبو کہاں سے آ گئے

ڈاکٹر عاصی کرنالی نے حسین سحر کی غزل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے یہاں ایک لفظ بھی ایسا مشکل نہ ملے گا جس کے لئے، قاری کو لغت دیکھنا پڑے، یہ سلاست ان کی شاعری میں ابلاغ کی ضامن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی غزل میں نفس مضمون کی گہرائی اور گہرائی کے باوصف سادگی کا حسن موجود ہے۔ اسی طرح ان کے ہاں سہل ممتنع کا وصف خاص اس صورت

میں در آیا ہے کہ چھوٹی زمین میں شعری آہنگ عجب کیف طاری کر دیتا ہے۔

دل میں حسرت دبی رہ گئی
بات پھر ان کہی رہ گئی
سوچتا ہوں کہ تیرے بغیر
زندگی میں کمی رہ گئی
گرچہ ہر سو تھا دریا رواں
پھر بھی ایک تشنگی رہ گئی

اس قبیل کے اشعار جا بجا ملتے ہیں جو ''شہر خواب'' میں اس طور سجائے گئے ہیں کہ ہم شہر خواب کی بوقلمونی سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور افق نا افق فضاؤں میں تازگی کا احساس حسین سحر سے ملاقات کے اوقات کو بڑھا دیتا ہے کہ ہم ''شہر خواب'' کی سحر کاری میں خود سے بیگانہ ہو جاتے ہیں، ان کے وسیع ادبی عرصہ زندگی میں شوق آوارگی کا عمل دخل ایسے حرف ریزے تلاش کرنے کا سبب بنا کہ وہ اپنے دامن خیال میں کائنات حسن و جمال سمیٹ کر بیٹھے نہیں بلکہ ان کا تخلیقی سفر عہد شباب کی منازل سر کر رہا ہے۔

وہ کیسا شوق تھا آوارگی کا
کہ جس نے عمر بھر بیتاب رکھا
سحر تازہ رکھا ذہن و نظر کو
کھلا یوں روح کا ہر باب رکھا
ہوں شہر کے رستوں پہ رواں کب سے مسلسل
حیرت ہے ابھی تک وہ گلی کیوں نہیں آتی
سحر بھٹکتے ہوئے ہر گلی میں پھرتے ہیں
ہم اپنے شہر میں اپنا مکان بھول گئے

مختصر یہ ہے کہ پروفیسر حسین سحر کی شاعری اور ان کی جادو بیانی غزل میں نئے در کھولتی

اور تازہ ہوا کے جھونکے کی طرح لطافتوں سے لبریز ہے۔ڈاکٹر سید اقبال احمد واجد کے بقول حسین سحر کی شاعری کا یہ وسیع کینوس جدید اسلوب میں پرشکوہ، بلند، وقیع اور صالح روایات و آثار کا متحمل ہے اس کے ساتھ زندگی کے بہت سارے مسائل ان کی شاعری کے سفر میں پیش پیش ہیں۔

حسین سحر اپنی ذات کا عرفان پا کر بھی مطمئن نہیں، دراصل ان کا طرز احساس اور زاویہ نظر اضطراب کی موج صد رنگ میں انہیں ہر لحظہ ڈبونا چاہتا ہے اور وہ اپنی ذات کی پہنائیوں میں خود اپنی جستجو کرنا پسند کرتے ہیں اور ان کی تمنائے صادق یہی ہے کہ من عرفہ نفسہ فقد عرفہ ربہ ہو اور یوں حسین سحر عرفان و آگہی میں اپنی ذات کو ہدف تصدیق بنا کر کامیابی سے ہمکنار ہونا چاہتے ہیں۔

دشت خطا کی وسعت بے پایاں کیا کروں
مجھ کو تو اپنی ذات کی پہنائی چاہیے
تمام عمر تخاطب مرا مجھی سے رہا
سوال میں نے کیے ہیں جواب میرے ہیں
ترے جمال کی تابش میں رہنا چاہتے ہیں
ہمیشہ ہم تری خواہش میں رہنا چاہتے ہیں
ہستی رب کا بھی عرفان نہیں ہے ممکن
جب تلک معرفت ذات نہیں ہو سکتی
مرے پہلو میں ہے اک مہر جہاں تاب سحر
مری دنیا میں کبھی رات نہیں ہو سکتی

حسین سحر کا نعتیہ مجموعہ ''فانوسِ حرم''

مختار احمد کاشف۔ دبئی

جناب حسین سحر صاحب ادبی حلقے کی ممتاز اور معروف شخصیت ہیں ان کی شیریں سخنی کا یہ عالم ہے کہ ان کی زبان دہن اور لسان قلم دونوں میں مٹھاس ہے۔ انداز فکر، اسلوب تقریر اور طرز تحریر تینوں میں انکے محبوب انسانی رویے کی چھلکیاں نمایاں طور پر موجود ہیں۔ ادبی قرینے میں اگر عشق رسول مقبول (ﷺ) کو شامل کر لیا جائے تو لوح تصور پر ابھرنے والی شخصیت کو ہم وہ نام دے سکتے ہیں جو فانوس حرم کے اس نعتیہ کلام کے شاعر کا ہے اور جس کی خواہش ہے کہ:

نعت پڑھتے روبرو ان کے سحر
رتبۂ حرف ثناء کو دیکھتے

اور پھر یہ شاعر غالب سے بڑھ کر اپنے علو پایہ منبر پہ ناز بھی کرتا۔

سحر صاحب کی یہ بھی اک ادائے نازش و افتخار ہے کہ وہ اپنے آپ کو شاعرانِ بارگاہ رسالت مآب (ﷺ) کی صفوں میں کہیں دیکھنے کیلئے بیتاب نظر آتے ہیں۔

کعبؓ و حسانؓ، رضاؒ، سعدیؒ و جامیؒ، اقبالؒ
کتنی عزت کے سحر اہل یہ شاعر ہوں گے

رسول اکرم (ﷺ) کی محبت کے بغیر کسی بھی انسان کی زندگی مکمل اور خوبصورت نہیں ہو سکتی۔ الحمدللہ! ہر مسلمان اس شراب طہور کے نشے میں سرشار نظر آتا ہے یہ وہ مے ہے جسے ظرف قدح خوار دیکھ کر نہیں دیا جاتا چنانچہ ''فی انفسکم'' کے نہاں خانوں میں جھلکنے والی یہ وہ شمع عقیدت و محبت ہے جو ہماری دنیائے فکر و نظر کو ابد تک اجالا فراہم کرتی رہے گی اور یہ وہ اجالا ہے جس سے خود شمس و قمر اپنے آپ کو محروم پاتے ہیں اس حقیقت ثابتہ کا اعتراف سحر صاحب نے قرآنی آیت نور میں موجود مشکوۃ کے حوالے سے کیا ہے چنانچہ انہوں نے نعت کے اپنے اس شعری مجموعے کو فانوسِ حرم کا نام دیا ہے انہوں نے یہ عنوان اپنے اس شعر سے اخذ کیا ہے جو اس

کتاب کا آخری شعر ہے۔

ہے رشک مہ و مہر سحر اس کی تجلی
سینے میں مرے دل ہے کہ فانوسِ حرم ہے

آپ اس شعر میں مہر کی "را" کو اضافت کے ساتھ اور اس کے بغیر بھی پڑھ سکتے ہیں، مفہوم دونوں طرح سے واضح ہے لیکن اس کی معنوی لذت کا شعور و احساس یقیناً یہاں پر اپنے اپنے پیمانہ صفات کے مطابق بلکہ موافق ہی ہوگا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سحر صاحب عقیدت کے نشے میں بے تاب مگر دیوانہ فرزانہ کی طرح حرم مدینہ کی جانب لپکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

میں رواں ہوں شوق سے کچھ یوں مدینے کی طرف
اک تہی داماں بڑھے جیسے خزینے کی طرف

اس لئے کہ رضا بریلویؒ نے اس حرم کو "کعبے کا کعبہ" کہا ہے گویا 'تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ' کی ابراہیمی آرزو کو اللہ پاک نے شاہِ مدینہ (ﷺ) کے ذریعے پورا کیا ہے اور اس احسان عظیم پر خالق کائنات اور اس کے حبیب کی جس قدر حمد اور جتنا شکر بجالایا جائے وہ بہت کم ہے۔

اہل مکہ اگر ایک دوسرے رخ سے دعوت اسلامی کا جائزہ لیتے تو شاید وہ یہ نہ کہتے کہ بھلا مرنے کے بعد جب انکی ہڈیوں کا سفوف بن جائے گا تو قیامت کے دن ان کو کیسے دوبارہ اور وہ بھی خلق جدید کا لباس پہنا دیا جائے گا اس دوسرے رخ کو سحر صاحب نے رسول اکرم (ﷺ) کے ابدی پیغام اور آپ کی حیات آفریں تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح نمایاں کیا ہے۔

کاش موت آئے مدینے کی فضاؤں میں مجھے
ایسا مرنا اک قدم آگے ہے جینے کی طرف

اور جن قدسی نفوس نے آپ (ﷺ) کے اس پیغام کو تہ دل سے مان لیا ان کو اللہ کے نور ہدایت سے رہنمائی پانے والے علماء کا درجہ نصیب ہوا اور آج تک بلکہ ابد تک کے لئے ان کا یہ جذبہ اطاعت دیدہ وروں کی پہچان بن گیا۔ سحر فرماتے ہیں:

تجلیوں کی وہ بارش ہے ان کے در پہ سحر
نظر کی بھیک لئے دیدہ ور نظر آئے

حسین سحر صاحب رسول اکرم (ﷺ) سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے ہمیں بڑے فخر کے ساتھ یہ بتاتے ہیں کہ وہ اس راستے کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھتے ہیں جو رسول ختمی مرتبت (ﷺ) کا ہے۔ اظہار کے اس پیرائے میں وہ اس راستے پر چلنے کی ہمیں تلقین بھی کرتے ہیں اس لئے کہ آپ (ﷺ) کے دکھائے ہوئے راستے پر چلنے والا کبھی بھٹک نہیں سکتا۔

میں بھٹک سکتا نہیں ہرگز سحر
آپ کا رستا ہے میرے سامنے

حسین سحر صاحب نے فانوس حرم کے اشعار میں اپنے قارئین کرام کو یہ تبلیغ کی ہے کہ ہمارے نبی (ﷺ) اللہ کے آخری رسول و نبی (ﷺ) ہیں۔ الہٰذا آپ (ﷺ) کی تعلیمات کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آپ (ﷺ) کا پیغام آفاقی ہے اور آپ (ﷺ) گلوبل، بین الاقوامی اور عالمی و بین الملکی پیغمبر الٰہی (ﷺ) ہیں۔ آپ (ﷺ) کا پیغام انسانی سوچ کی پیدا کردہ ہر قسم کی حدود و قیود سے بے نیاز ہے اور آپ (ﷺ) کی بارگاہ میں حاضر ہونے والا انسان بھی خود کو دنیا و مافیہا سے بلند تر محسوس کرتا ہے۔

ان کے دربار میں ہوں میں حاضر
ماورائے زمان و مکاں ہوں

آپ کا پُر امن مرقد مرکز تجلیات اور مہبط انوار ہے۔ طیبہ کی فضاؤں میں اڑتے ہوئے نظر آنے والے پرندے ملکوتی ارواح ہیں یہ وہ فرشتے ہیں۔ جو اپنے فرائض کی ادائیگی پر مامور ہیں۔

اڑتے پھرتے ہیں جو طیبہ کی فضا میں ہر سو
وہ فرشتے ترے دربار کے طائر ہوں گے

ہر شاعر غزل، نظم پابند اور آزاد شاعری کو ذریعہ اظہار آسانی سے بنا لیتا ہے اور اس میں اکثر کامیاب تجربے بھی کر لیتا ہے لیکن جب نعت گوئی کا مرحلہ پیش آئے تو قلم سوکھنے لگتے ہیں فکر رسا کی ترکیب غالب کے بیان کے مطابق مضمون کی غلطی بن کر دکھائی دیتی ہے۔ سحر صاحب کو بھی یہاں ہمت نہیں پڑتی۔ فرماتے ہیں کہ قصیدۂ نبوی (ﷺ) کے لئے نہایت حزم و احتیاط چاہئے۔

نعت کے میدان میں محتاط رہ
اے مری فکر رسا! آہستہ چل

سبز گنبد کی جالیوں کو دیکھ کر اپنے اوپر طاری ہونے والی کیفیت کو وہ یوں بیان کرتے ہیں۔

وہ موتیوں میں رحمت یزداں کے ڈھل گئیں
بوندیں سب آنسوؤں کی جو صرف دعا ہوئیں

یہاں ہمیں علامہ اقبال کا یہ شعر یاد آ گیا جسے انہوں نے التجا کے کچھ ایسے ہی کیف ندامت میں تخلیق کیا تھا:

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

حسین سحر صاحب پھر نہایت ادب سے اپنی دلی آرزو اور مراد کی ترجمانی اس شعر میں کرتے ہیں۔

سدا قریب رکھیں مجھ کو اپنے قدموں کے
اے شاہِ دیں! مرے دل کی مرادیں مجھ کو

اس شعر میں دل کی مراد اپنے اندر جو گداز رکھتی ہے اسے ہم محسوس تو کر سکتے ہیں مگر اس کو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد سحر صاحب نے بارگاہ ختم المرسلین (ﷺ) سے وہ شے مانگی ہے جس سے آج ہر طبقے کے مسلمانوں کو شدید ضرورت ہے۔

میں گھر چکا ہوں بہت جہل کے اندھیروں میں
برائے فکر و نظر اجتہاد دیں مجھ کو

سحر کی ایمانی پختگی کا یہ عالم ہے کہ وہ سرکار مدینہ (ﷺ) کے کسی بھی سائل کو نامراد لوٹتا ہوا نہیں دیکھتے۔ چنانچہ ان کا ایمان ہے کہ وہ بھی دوسروں کی طرح زیارت گاہ رحمت مآب و سخاوت نصاب (ﷺ) سے خالی ہاتھ نہیں لوٹے۔

وہ فخر سے کہتے ہیں:

ہوگیا انوار کا مرکز گریبانِ سحر
ان کے دامن سے جو روز و شب ہوئی وابستگی

اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ اللہ پاک انہیں اگر جناب رحمۃ للعالمین (ﷺ) کے جوار و دامن میں جگہ دے دے تو یہ جنت الخلد کا بہترین بدل ہوگا۔

خواہش مری یہی ہے تمنا یہی سحر
خاک مدینہ چاہئے مجھ کو بجائے خلد

سحر صاحب کی انتہائی آرزو یہ ہے کہ وہ رسول پاک (ﷺ) کی آنکھ کا تارا بن جائیں اور آپ (ﷺ) ان سے خوش ہو جائیں۔

لطف جب ہے کہیں وہ محشر میں
اے سحر! ہم بہت ہیں خوش تم سے

اور اپنے اوپر اس لطف و کرم کے خواہشمند ہونے کے باوجود وہ مانتے ہیں کہ

جو یہ سوچیں تو ہوتی ہے خوشی کم
کہ ہے عشق نبی کو زندگی کم

مجھے ذاتی طور پر حسین سحر صاحب کے ذیل میں درج شعر کی سچائی نے بہت متاثر کیا ہے جو رسول پاک (ﷺ) کے اس ارشاد کی نہایت مضبوط تشریح بھی ہے: ''جو مجھ پر ایک بار صلوۃ و سلام بھیجے گا، اللہ پاک اس پر اپنی رحمتیں دس گنا بنا نازل کرے گا''۔

اب وہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

نبیؐ و آلِ نبیؐ پر درود بھیج کے ہم
خود اپنے آئینہ دل کو آب دیتے ہیں

ہم امید کرتے ہیں اور دعا بھی کہ اہل بیت کی کشتی نجات میں اپنی جگہ کو یقینی بنانے کیلئے سحر صاحب نے اپنے ابیات میں جو مختلف انداز سے بارگاہ رحمت ایزدی (ﷻ) میں درخواست کی ہے وہ ہرگز رائیگاں نہیں جائے گی۔

یہ فانوس حرم نعتوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کی شاعرانہ مہارت، تراکیب الفاظ کی سادگی، مفہوم کی وضاحت، موضوع کی اہمیت ومقصدیت، لہجے کی سلاست، بیان کی روانی، خاتم الانبیاء (ﷺ) کے پیغام کی ترجمانی اور پھر جوش عقیدت ومودت کی فراوانی جیسے اوصاف اس کی شان کو قارئین کی نظر میں مزید بڑھا دیتے ہیں اور ان کے قلب ودماغ پر بھرپور اثر مرتب کرتے ہیں گویا فانوس حرم واقعی پڑھے جانے کے لائق کتاب ہے۔

فانوس حرم کے زیادہ تر اشعار چھوٹی بحروں میں ہیں جو شاعر کی قادرالکلامی کی صریح شہادت ہیں اس لئے کہ چھوٹی بحر میں لکھنا سہل ممتنع کی ذیل میں آتا ہے اور مشکل کو آسان بنانے کا یہ عمل خود ایک مشکل کام ہے۔ جسے ہر کوئی انجام نہیں دے سکتا۔

فانوسِ حرم

ڈاکٹر خان محمد ساجد

پروفیسر حسین سحر کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ملتان کے علمی حلقوں میں ان کی مقبولیت اظہر من الشمس ہے وہ ایک محقق، شاعر، ادیب اور عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑے معلم ہیں۔ شاعری میں انکی تخلیقات منفرد ہیں۔ ان کا سب سے بڑا ادبی کارنامہ قرآن کریم کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ ایک ایسا ترجمہ جو مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کو قبول ہے۔ آپ فرقہ وارانہ ذہنیت کے سخت خلاف ہیں اور بین الاقوامی انسانی بھائی چارے پر ایمان رکھتے ہیں۔ میری ان سے ملاقات غالباً 2001ء میں شفیق آصف صاحب کے ہمراہ ہوئی ان سے مل کر مجھے احساس ہوا کہ آپ ایک شفیق، مہربان اور علم کی پیاس رکھنے والے انسان ہیں۔ جوں جوں ان سے میری ملاقاتیں بڑھتی گئیں ان سے میری عقیدت ومحبت میں اضافہ ہوتا گیا۔ وہ انگریزی، اردو، عربی، فارسی اور پنجابی پر مکمل دسترس رکھتے ہیں۔ گذشتہ سال جب وہ سعودی عرب سے واپس آئے تو ان سے ملاقات ہوئی انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں پنجابی زبان میں جو میری مادری زبان ہے کچھ لکھوں لیکن پنجابی میں ادب تخلیق کرنے میں بہت سی مشکلات ہیں میں نے اپنی مجبوریاں بتائیں تو انہوں نے کچھ اس انداز سے مجھے حوصلہ دیا کہ میں پنجابی لکھنے پر کمربستہ ہوگیا اور جب اس مرتبہ وہ سعودی عرب سے واپس آئے تو میں نے ''درداولے'' کا مسودہ انکو پیش کیا۔ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فوراً شائع کرنے کا مشورہ دیا لیکن ساتھ ہی بچوں کی کہانیوں پر مشتمل پنجابی میں ایک کتاب ''اک سی بادشہ'' جو انہوں نے حال ہی میں چھپوائی تھی عنایت کی اور اس کے کچھ عرصہ بعد اپنی کتاب ''پھلکاری'' عنایت فرمائی یہ کتاب مختلف شاعروں اور ادیبوں کی پنجابی اور سرائیکی میں شائع ہونے والی نظموں، غزلوں اور نثری تخلیقات کا اردو ترجمہ ہے شعری تخلیقات کا انہوں نے اسی بحر میں منظوم ترجمہ کیا ہے جس میں وہ لکھی گئی ہیں۔ ترجمہ اس قدر خوبصورت ہے۔ کہ اصل تخلیق اس کے مقابلے میں کم نظر آتی ہے۔ یہ کمال بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ انکی اس ادبی رفتار نے میری ادبی کاوشوں کے لئے مہمیز کا کام کیا اور یکے بعد دیگرے میری دو کتابیں منظر عام پر آگئیں میں اپنی کاوشوں پر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ انہوں نے اپنی تین مزید کتابیں فانوس حرم،

توصیف اور شہر خواب عنایت دیں اور میں حقیقت ہے کہ ان کی ادبی کاوشوں کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ کئی بار ذہن میں آیا کہ ان سے اس عمر میں اتنی توانائی کا راز پوچھوں۔ بہر حال میری تخلیقی کاوشوں میں بھی ان کا علمی اور تکنیکی تعاون میرے شامل حال رہا جس کیلئے میں ان کا شکر گزار ہوں۔

میں ان کی تینوں کتابوں کا جو مجھے انہوں نے عنایت کیں مطالعہ کر چکا ہوں لیکن اس مضمون میں ان تمام کا جائزہ لینا بہت مشکل ہے لہٰذا فانوس حرم پر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔

فانوس حرم سحر صاحب کا نعتیہ مجموعہ ہے۔ وہ ایک سچے عاشق رسول ہیں لیکن ان کی حضور سے عقیدت محض ایک مذہبی وجذباتی عقیدت نہیں بلکہ ان کی عقیدت کی بنیاد عقل وبصیرت پر ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے اپنے مذہبی عقائد بڑی سوچ بچار کے بعد اختیار کئے ہیں تبھی۔ ان کے قلم سے حضور کی سیرت طیبہ کے ایسے گوشے سامنے آتے ہیں جو عوام الناس سے پوشیدہ ہیں ہم عام مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ اور رسول کا رشتہ کچھ ذاتی قسم کا ہے اور یہ کہ کسی نامعلوم وجہ سے آپ اللہ کو پیارے ہیں۔ جیسے نصاریٰ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح چونکہ اللہ کے فرزند تھے۔ اس لئے ان کو پیارے تھے۔ قرآنی تعلیم اس سے قطعاً مختلف ہے۔ اللہ کی حضور سے محبت کی بنیادی وجہ ان کی اعلیٰ وارفع سیرت ہے۔ قرآن میں جہاں کہیں حضور کی تعریف کی گئی ہے وہیں ان کی سیرت کے کسی خاص پہلو کی طرف اشارہ ہے۔ حسین سحر نے اس حقیقت کی طرف بہت توجہ دی ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں ایک عاشق صادق کی طرح وہ ہجر رسول میں گریہ کرتے نظر آتے ہیں وہیں وہ آپ (ﷺ) کی سیرت کا کوئی دلنشیں پہلو بھی بیان کرتے ہیں۔ مدحت رسول (ﷺ) بہت وسیع موضوع ہے اور اس میں قدم قدم پر ڈگمگانے کا خطرہ ہے کیونکہ خدا اور حضور کی ذات کے درمیان کوئی دوسری مخلوق نہیں۔ اس لئے غلو کے بہت امکانات ہیں لیکن یہ دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ حسین سحر اس مشکل گھاٹی کو بڑی خوبصورتی سے عبور کرتے ہیں اور مدحت رسول کے دوران کہیں بھی ان کا قلم افراط وتفریط کا مرتکب نہیں ہوتا۔ ان کی نعت میں تین رجحانات واضح ہیں حضور سے محبت، ان سے قریب ہونے کی خواہش اور سیرت ختم رسل (ﷺ) سے مسلمانوں اور انسانوں کے تمام مسائل کا حل دریافت کرنا انکی تقریباً ہر نعت میں یہ تین باتیں ضرور موجود ہیں نعتوں میں اہل بیت سے بھی ان کی عقیدت کا اظہار ہوتا ہے لیکن نعت اور منقبت دونوں میدانوں میں وہ احتیاط کا دامن نہیں چھوڑتے اور ان کا قلم کہیں بھی فرقہ وارانہ تعصب سے آلودہ نہیں ہوتا

اور نہ ہی کسی گستاخی کا پہلو ان کی تحریر میں دخل پاتا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں

نعت کے میدان میں محتاط رہ
اے مری فکر رسا آہستہ چل

ان کی حضورت سے محبت کا اچھوتا رنگ دیکھئے:

یہ ہر اک سمت جو دیوانے ہی دیوانے ہیں
شمع عشق شہ لولاک کے پروانے ہیں

آپ چاہیں تو انہیں رشک بہاراں کردیں
دل وگرنہ یہ ہمارے جو ہیں ویرانے ہیں

ان کے قدموں کی خاک ہو جاؤں
میں گناہوں سے پاک ہو جاؤں

مری آنکھوں میں جو ضوباریاں ہیں
یہ ان کے ذکر کی سرشاریاں ہیں

سحر یادِ نبی دل میں بسالو
اگر جینے میں کچھ دشواریاں ہیں

عشق سرکار کا ہم کو بھی یہ معیار ملے
فکر بوذرؓ، دم سلمانؓ، دل عمارؓ ملے

آپ کی سیرتِ اقدس پر عمل ہو تو ہمیں
حسنِ گفتار ملے خوبیٔ کردار ملے

اپنے تو خیر اپنے پرائے ہیں فیضیاب
انسانیت کے سب سے بڑے مہربان سے

یوں تو سحر خدا کے ہیں انعام بے شمار
لیکن میں خوش ہوں مجھ کو شعورِ ثناء ملا

تاریکیوں میں بھٹکا ہوا ہے جو آدمی
اس مسئلے کا حل ہے اطاعت حضور کی

انسان کے اندر نعت کہنے کی اہلیت کے بارے میں انکے نظریات دیکھئے:

خدا مداح جس ذات مقدس کا ہے قرآں میں
بشر اس کا کوئی مدحت سرا ہو ہی نہیں سکتا

ثنائے مصطفےٰ کس قدر کٹھن ہے اس کا اندازہ اس شعر سے لگائیے:

ڈھونڈ لیئے ان کی ثناء کو روشنائی نور کی
اور لکھنے کے لئے جبریل کا پر چاہئے

ان کا حضور سے عشق ہی انہیں نعتیں کہنے پر اکساتا ہے:

سحر عشقِ شہ لولاک محور ہے مرے فن کا
جو بن کر رنگ و خوشبو میری نعتوں میں سمایا ہے

اور دیکھئے نعت کہنے کی تمنا انہیں کس طرح بے چین کئے ہوئے ہے:

لکھے نہ نعت نبی کے سوا کوئی بھی حرف
مرے قلم کو سحر وہ شعور آجائے

ہجر رسول میں تڑپ اور تمنائے قرب کے انداز دیکھئے:

ہوائے کوئے مدینہ نصیب ہو جائے
تو رحمتوں کا خزینہ نصیب ہو جائے

بھلا کہاں وہ غریب الوطن رہے گا کبھی
کہ جس کا شہر محمد دیار ہو جائے

میں جہاں بھی رہوں مسافر ہوں
میرا اصلی وطن مدینہ ہے

لیکن وہ اس تڑپ میں بھی ایک سکون پاتے ہیں:

کریں شہر محمد کا تصور
اگر دل کو کبھی بے چین دیکھیں

ایسی بے قراری پر سو قرار ہوں قرباں
کیفیت سکوں کی ہے دل کی ناصبوری میں

مدینہ دیکھ کے کیف و سرور آجائے
ہماری آنکھ میں جنت کا نور آجائے

شہر نبی کی عظمت کا بیان دیکھئے:

جہاں کے چہرۂ رنگیں پہ گویا تل مدینہ ہے
کہ زیب و زینت دنیائے آب و گل مدینہ ہے
فضا کچھ اور ہے شہر نبی کی
کسی جنت کا یہ منظر نہیں ہے

وہ عطائے رسول کو مانگنے سے شروط نہیں سمجھتے:

زبان سے کبھی نوبت نہ آئی کہنے کی
عطاء کیا مرے آقا نے بے طلب مجھ کو

سیرت رسول کے جگمگ جگمگ کرتے موتی دیکھئے:

289

ان کی محفل میں گنہگار بھی ابرار بھی ہیں
ہے مگر لطف و کرم ان کا سبھی کی جانب

ان سے بڑھ کر کریم ہوگا کون؟
دشمنوں کو بھی کردیا ہے معاف

پڑھا ہے غور سے قرآن پاک کو ہم نے
حضور ہی کا قصیدہ دکھائی دیتا ہے

ہے جس میں کوئی اندھیرا نہ پیچ و خم کوئی
ہمیں حضور کا رستہ دکھائی دیتا ہے

وہ جس نے رہ دکھائی قافلوں کو
قریب اس نے کیا ہے منزلوں کو

کیا ہے چاند کو دو نیم جس نے
اسی ہستی نے جوڑا ہے دلوں کو
بنائے خوں کے پیاسے بھائی بھائی
مٹا ڈالا دلوں کے فاصلوں کو

کہہ رہا ہے خطبہ حج الوداع
ایک امی پر فصاحت ختم ہے

290

دشمنوں کے واسطے بھی ہے دعا
آپ پر فیضانِ رحمت ختم ہے

نبی کے حسن تبسم کا استعارہ ہے
کہیں کلی کہیں جگنو کہیں ستارہ ہے

سدا بہار ہے سیرت کے حسن کی خوشبو
یہ ایسا پھول ہے جس میں کہ کوئی خار نہیں

اہل بیت سے محبت کا اظہار ملاحظہ ہو:

ہو اہل بیت میں اک اک کی معرفت حاصل
تو اوج زینہ بہ زینہ نصیب ہو جائے

نہیں میرے لئے اب کوئی مشکل
غلام درگہ شاہ نجف ہوں

نعت گو شعراء کی عظمت کے وہ معترف ہیں:

کعبؓ و حسانؓ، رضاؒ، سعدیؒ و جامیؒ، اقبالؒ
کتنی عزت کے سحر اہل یہ شاعر ہوں گے

اور آخر میں وہ شعر جس میں سے کتاب کا نام ماخوذ ہے

ہے رشک مہ و مہر سحر اس کی تجلی
سینے میں مرے دل ہے کہ ''فانوسِ حرم'' ہے

کلام سمو الامیر خالد الفیصل

کے منظوم مترجم الاستاذ، الفاضل پروفیسر حسین سحر

ڈاکٹر صادق رضاوی ۔ریاض(سعودی عرب

اس سے پہلے کہ میں سموالا امیر خالد الفیصل کے کلام اور فن پر لب کشائی کروں میں اپنی بے بضاعتی ۔تہی دامنی اور اپنے قلم کی خستگی کے سبب شرمندہ ہوں ۔مرے دماغ کے کسی گوشہ سے انوار کی لو پھوٹی ہے اور اس میں ؟؟ کے کئی رنگا رنگ پہلو ابھر تے ہیں اور ان گوشوں سے ہی کچھ کاوش کرنا چاہونگا۔ایک زاویہ سے وہ مجھے ابوالفراس الحمدانی نظر آئے ہیں ۔وہی وارفتگیٔ شوق وعشق، وہی بے مثیل فارس الاصیل العربی ، صاحب السیف ،صاحب لوح وقلم اور کہیں کہیں مجھے ان کی ذات،ان کے شعر، ان کی سطوت میں عنتر ابن شداد کے تیور اور پھر حالی نبی خانوادۂ ملک فیصل جو آل سعود مین ذرا علحدہ اور سب کے سرخیل عبداللہ الفصیل سب ہی خوبیوں کے مالک ہیں سموالامر خالد الفیصل سے مراد درد وا حساس کا رشتہ بھی ہے اور جب میں بسلسلۂ تعلیم آکسفورڈ پہنچا تو ان کے علمی تدبر اور فن کا چرچا تھا ۔میں خصوصاً صفدر حسین صاحب کا مشکور ہوں کہ انہوں نے ایک عظیم فن پارے کو بمعہ ترجمہ اردو نشر کروانے کی ہمت کی اور مجھے بھی شہیدوں میں شامل ہونے کا موقع دیا ورنہ مری بساط کیا ۔من آنم کہ من دانم ، رب العزت صفدر حسین کو صحت مند طویل زندگی دے کہ وہ اس دنیا میں مثبت کام کررہے ہیں اور آسمان ادب پر اس خستہ جان بلب دو میں بھی شمع ادب اٹھائے ہوئے ہیں ۔خالد الفیصل کا ہر شعر احساس کی گیرائی اور گہرائی ، درد کی کسک اور ٹیس، راستہ کی طوالت اور تنہائی کا کرب ،تاب سفر، ارفع واعلیٰ منازل کا حصول اور وہ مقام اعلیٰ جو خود آجہانی ملک فیصل نے حاصل کیا، امیر خالد بھی وہی منزل حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر اپنے دست وبازو سے ۔

سموالا امیر کے قصائد خصوصاً ''عمی شاھین ۔سلطان''ندرت فن، اخلاص وجذبہ،محبت ووابستگی ۔عزت واحترام کا اعلیٰ نمونہ ہے ۔قریباً ہر شعر میں عشق ومحبت کا والہانہ انداز ۔قربتیں و

تراجم

دوریاں ۔ وصال وجدائی ۔ وقت فراق چھلکتے آنسو اور اس کے بعد وقت رحیل آخری وزدیدہ نظر یہ صرف خالد الفیصل ہی قلمبند کر کے حیات جاوداں عطا کر سکتے ہیں ۔ ان کے احساس کا کینوس بے حد وسیع، جنبش موقلم بے حد چابکدست اور با اثر کہ الفاظ ذہن میں پیوست ہو جاتے ہیں اور لذت تیر نیم کش ہر ایک کے بس کا روگ نہیں ۔ محبوب سے اولین ملاقات کا پس منظر ۔ رخ محبوب کے نقاب کا آہستہ کھسکنا ۔ حسن کا جلوہ افروز ہونا ۔ وہ ایک اچٹتی قاتل نظر ۔ جہاں دل دیوانہ نذر بھی ہوا ۔ لٹ بھی گیا ۔ دو دن کی قربت بھی ملی اور پھر لمبی جدائی ۔ پنجابی زبان کا مصرعہ کیا خوب ہے ''چار دنا دا پیار ہے ربا ۔ بڑی لمبی جدائی''

اب رہی تصویر دن کے فن کی بات '' جیسے نیند میں مدہوش حسینہ، اپنی زلفوں کے بھنور میں ہچکولے کھاتی دوشیزہ'' حور الخلد میں بری صورت اگر ملے'' مدھم مدھم رنگ ۔ نازک سے خطوط عبدالرحمٰن چغتائی کی جھلک ۔

ان ساری نظموں ۔ قصیدوں ۔ تصویروں کا احاطہ میرے بس کی بات کر لیں ۔ میری کم مائیگی ۔ عسرت علم ۔ نقد و نظر کیلئے علم کی کمی ۔ ان سب کے لئے نہ میرا علم کافی ہے نہ میری عمر ۔ ہاں مجھے فخر ہے کہ مجھے اس عالم پاک سے نسبت ہے ۔ میں نے بھی آکسفورڈ کی دیواروں کو ہاتھ لگایا ہوا ہے اور فاضل پروفیسر حسین سحر سے بھی نسبت خاص ہے کہ ملتان کا نشتر کالج مرا گہوارہ رہ چکا ہے اور مدتوں صحرا نوردی کی ہے ۔ جوانی یہیں کہیں کھوئی تھی اور بڑھاپے نے ان گلیوں میں دستک دی تھی اور احساس خود و جودیت یہیں کہیں پرورش پایا تھا ۔ ملتان کے قلعہ سول لائنز اور ملتان کینٹ اور ملتان کلب سے متعدد یادیں وابستہ ہیں جب میں پچھلی صدی کی پانچویں دھائی میں ملتان پہنچا تو یہ شعر صادق آیا ۔ چہار چیز است تحفۂ ملتان گرد و گرما، گدا، گورستاں اور جب میں ملتان سے روانہ ہوا تو سارا صحرا ۔ منظر پس منظر گلستان سے عبادت تھا اور میرے جو سینکڑوں دوست، حوادث اور یادوں کی یلغار تھی ۔

حسین سحر صاحب کی کتاب

''نظمیں، از خالد الفیصل'' پر سرسری تبصرہ

مختار احمد کاشف ۔ دبئی

محترم المقام جناب حسین سحر صاحب تدریسی، علمی اور ادبی دنیا کی ایک قد آور شخصیت ہیں ۔ ان کے متعدد شعری مجموعے اہل فن کے ہاں خاصی پذیرائی حاصل کر چکے ہیں ۔ تدریس کے علاوہ دبستان اردو کے لئے حسین سحر صاحب کی ذاتی خدمات ہی ان کا بہترین تعارف ہیں ۔

غزل نگاری، نظم نویسی، سلام گوئی اور نعت سرائی جیسے ادبی اسالیب میں ان کی کاوشوں کو اہل ادب نے ہمیشہ سراہا ہے ۔ یہاں تک کہ ان کے پہلے نعتیہ مجموعے پر ان کو صدارتی انعام بھی مل چکا ہے ۔ ''تقدیس'' اور ''تطہیر'' کے نام سے ان کے دو معروف نعتیہ مجموعے ہیں جبکہ نظم میں انکی مقبول شعری کاوش، کہرے میں دھند، اپنے نام کی طرح بالکل اچھوتی تخلیق ہے جہاں غزل میں ان کے دو مجموعے ''تخاطب'' اور ''شہر خواب'' بھی منفرد مقام رکھتے ہیں ۔

ایک خصوصی ادبی و تنظیمی منصوبے کی ذمہ داریوں کے سلسلے میں سعودی عرب میں اپنے بارہ سالہ قیام کے دوران حسین سحر صاحب نے نہ صرف عرب کی بطی زبان میں سعودی عرب کے شہزادہ خالد الفیصل کی لکھی ہوئی نظموں کا منظوم ترجمہ کیا بلکہ قرآن مجید کا آزاد منظوم ترجمہ کرنے کی سعادت بھی حاصل کی ۔ سردست ہمیں حسین سحر صاحب کی ادبی کاوش ''نظمیں از خالد الفیصل'' پر تبصرہ کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے ۔ راقم الحروف اگرچہ خود کو اس اہم فریضے کی ادائیگی کا متحمل نہیں پاتا تاہم جناب حسین سحر کے حکم کی نافرمانی بھی اس کی نظر میں کسی ادبی یا اخلاقی کوتاہی سے کم نہیں اس لئے ان کے حکم کی بجا آوری ہی کو باعث افتخار سمجھ کر چند سطور لکھنے کی یہ سعی کی جا رہی ہے

گر قبول افتذ ہے عزہ و شرف

جناب حسین سحر صاحب نے ''نظمیں، از خالد الفیصل'' کی صورت میں شہزادہ خالد الفیصل کی نظموں کا منظوم ترجمہ کر کے بطی زبان اور اردو زبان دونوں کی ایک ساتھ خدمت کی ہے یہ

ترجمہ اردو ادب میں ایک وقیع اور لائق ستائش اضافہ ہے جس میں عرب کے کلاسیکل ادب کے اس شہ پارے کی ترجمانی کا کام نہایت علمی مہارت اور فنی براعت کے ساتھ واضح طور پر نظر آتا ہے۔

شہزادہ خالد الفیصل کی یہ نظمیں اگرچہ عربی شاعری کا روایتی غزلیاتی آہنگ لئے ہوئے ہیں اس کے باوجود ان پر جدت کا رنگ غالب ہے حسین سحر صاحب نے بھی اپنے ترجمے میں ان نظموں کی بھرپور ترجمانی کرتے ہوئے ان کی اصل ادبی وفنی روح کو زندہ رکھا ہے اور ایک منجھے ہوئے شاعر اور ماہر مترجم ہونے کی بناء پر انہوں نے اظہار کے جملہ اسالیت کو اپنے اس منظوم ترجمے میں شروع سے آخر تک ملحوظ رکھا ہے۔

حسین سحر صاحب نے خالد الفیصل کی مذکورہ نظموں میں بطی زبان روایتی انداز کے علاوہ عربستان کے بدوی ماحول کی ترجمانی اس کی غزلیاتی نواریزیوں سے متاثر ہوکر کی ہے اور غالباً یہی وہ اصل محرک ہے جس کے سبب حسین سحر صاحب نے اس مشکل مہم کو بخوبی سر کرلیا ہے۔ یوں حسین سحر صاحب نے اردو ادب میں نئی شعری قدروں کے اضافے کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی یقینی بنا دیا ہے کہ ہجر ووصال اور فرقت وقربت کے احساس کی سچائی ایک عالمگیر سچائی ہے جو آج بھی ہمیں عرب کی بدوی اور خانہ بدوش صحرائی زندگی کے لئے امر لازم کی حیثیت میں نظر آتی ہے۔

عربی شاعری پہلے ہی روز سے آغوش فطرت میں پلتی بڑھتی چلی آرہی ہے۔ اگر اس سے فطرت کے مناظر اور فطری حوالوں کو نکال دیا جائے تو اس کا تمام تر حسن ختم ہو جائے۔ ایک خانہ بدوش عرب زندگی سے متعلق اس سے زیادہ فطری اسلوب غزل آپ کو دنیا کے کسی ادب میں نہیں مل سکتا ہے جو غم فراق کی شدت اور لطف وصال کی لذت کو ایک ساتھ اتنا بھرپور لہجہ دے سکے۔

أُحِبُّهَا وَ تُحِبُّنِیْ وَيُحِبُّ نَاقَتَهَا بَعِيْرِیْ.

ترجمہ: میں اس کو چاہتا ہوں اور وہ مجھے چاہتی ہے اور میرا اونٹ بھی اس کی اونٹنی سے مانوس ہوگیا ہے۔

حسین سحر صاحب نے اپنے اس منظوم ترجمے میں خالد الفیصل کی نظموں میں موجود ان کے ایسے ہی جذبات کی عکاسی اس قدر سچائی کے ساتھ کی ہے کہ بعض اوقات یہ گماں سا ہونے لگتا

ہے کہ حسین سحر کے صریر قلم میں بھی صحرائے عرب کی قطاؤں، فاختاؤں اور کبوتریوں کی وہی افسردہ تانیں چھپی ہوئی ہیں جو خالد الفیصل کی پرسوز لے سے متناغم ہوکر رنج فراق کا نوحہ کررہی ہیں۔

میں یہاں پر یہ کہنے میں فخر محسوس کررہا ہوں کہ حسین سحر صاحب کے اس منظوم ترجمے میں وہی جوش وجذبہ، وہی حسن تغزل اور وہی شوکت الفاظ ہے جس کا مشاہدہ ہم خود خالد الفیصل کی نظموں میں کرتے ہیں۔ یہ منظوم ترجمہ اردو زبان کی چاشنی اور عربی زبان کے کلاسیکل ادب کا حسین امتزاج ہے اور اس قدر کامیاب کوشش ہے جس کے لئے حسین سحر صاحب واقعی تعریف بسیار کے صحیح حق دار ہیں۔

ذیل میں ہم ''نظمیں از خالد الفیصل'' سے حسین سحر صاحب کے منظوم ترجمے کے چند شواہد اور کہیں کہیں خالد الفیصل کے کلام کو بھی نمونے کے طور پر پیش کریں گے تاکہ قارئین اس امر کا اندازہ کرلیں کہ ہم نے بطی اشعار کے ترجمے کے اوصاف بیان کرنے میں کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لیا۔

(۱) خالد الفیصل نے اپنی نظموں کے اس مجموعے کا انتساب جس شخصیت سے کیا ہے اس کا نام نہیں لیا لیکن وہ یہ ضرور چاہتے ہیں کہ وہ شخصیت ان کے اس منظوم کلام کو چشم قبول کے ساتھ ایک بار ہی دیکھ لے تو کافی ہوگا اور اگر وہ دوسری بار بھی اسے دیکھ لے تو ان کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ ہوگی۔ فرماتے ہیں:

يكفى قصيدى نظرة لو مرة وش لون عاد النظر به ثانى

ترجمہ سحر:

ہے اک نگاہ بھی کافی مرے لئے اس کی
خوشا نصیب جو وہ دوسری نظر ڈالے

(۲) خالد الفیصل مرحوم شاہ فیصل کو اپنی محبوب ترین شخصیت تسلیم کرتے ہیں اور خود کو ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دیکھنا پسند کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

ماهمنى جمع الا موال زهاد بالمال واصحابه

من فیصل اعیش بامثالی　　ادرس وادرس من کتابه

ترجمہ سحر:

بے شک کنارہ کش ہوں مال ودولت دنیا سے
کوشاں ہوں پانے کے لئے عزوشرف
جینا ہے مجھ کو راستے پر شاہ فیصل کے
انہی کے علم سے میں سیکھتا ہوں اور سکھاتا ہوں

ادبی اور فنی اعتبار سے حسین سحر صاحب کا یہ انداز ترجمانی یقیناً قابل تعریف ہے۔

(۳) خالد الفیصل اپنے چچا شہزادہ سلطان کی سیرت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہوئے انکی تقلید کا گویا جواز پیش کرتے ہیں:

عمی صلیب الراس عمی　　عمی علی کتب النوامیس
کحیلان　　ضاری

ترجمہ سحر:

صائب الرائے ہے وہ طاقت وحشمت والا
وہ تنومند وتوانا بھی ہے نعال بھی ہے

مرا شاہین چچا!

(۴) چھلک پڑی آنکھیں: اس عنوان سے حسین سحر صاحب نے خالد الفیصل کی جس آزاد نظم کا ترجمہ کیا ہے اس میں شاعر نے اپنے محبوب کے دیدار کو سب سے زیادہ قیمتی متاع نظر قرار دیا ہے اور حسین سحر صاحب نے خالد الفیصل کے اس جمال پرست جذبے کی جس طرح ترجمانی کی ہے اس سے بہتر مثال کا ملنا اتنا آسان نظر نہیں آتا آپ چاہیں تو درج ذیل اصل عربی اشعار اور انکے اردو ترجمے کا بھی تقابل کر سکتے ہیں:

رمشه الفتاک وعیون وساع
صوروا بالقلب له رسم حسین

شوفتی له ساعة عندی متاع
متعة الدنیا نظر عین لعین

ترجمہ سحر:

سوچئے گر حسین پلکوں کو
دل کے زخموں کا کیجئے اندازہ
اک نظر اس کو دیکھنا میرا
ہے متاع عزیز میرے لئے
اور نظر سے نظر جو مل جائے
تو یہ سب سے بڑا خزانہ ہے

(۵) خالد الفیصل نے عرب کے قدیم کلاسیکل شعراء مثلاً کعب بن زہیرؓ عمر بن ابی ربیعہ، قیس ابن الملوح مجنون اور جدید کلاسیکل شعراء مثلاً امیر الشعراء شوقی وغیرہ کی طرح اپنے محبوب کی کمر، آنکھوں اور گردن کو خاص طور پر نازک بدن ہرنیوں سے تشبیہ بھی دی ہے فرماتے ہیں:

خشف طعن قلبی وعنده　　ماله سلاح غیر عینه وجیده
علاجه

ترجمہ سحر:

وہ ایسی ہرنی ہے جس نے پہنا ہے حسن کا تاج
اور رہتی ہے دور مجھ سے
اس نے نیزہ زنی کی دل پہ میرے کچھ ایسی کہ اب علاج اس کا صرف وہ ہے، ہو خیر اسکی نگاہوں کی اور گردن کی، اس کے ہتھیار ہیں یہ دونوں۔

(۶) حسین سحر صاحب نے اس کتاب میں ان دو نظموں کا ترجمہ بھی شامل کیا ہے جن میں ایک کے خالق متحدہ عرب امارات کے نائب صدر اور حاکم دبئی شیخ محمد بن راشد المکتوم

ہیں ۔انہوں نے بطی زبان میں لکھی ہوئی اپنی اس نظم کے ذریعے خالد الفیصل کو اپنے قلبی عواطف سے آگاہ کیا جس کے جواب میں دوسری نظم کو خالد الفیصل نے بطی زبان ہی میں لکھ کر ان کے نام ارسال کیا ہے۔ حسین سحر صاحب نے دونوں نظموں کے ترجمے میں ان کے خالق شعراء کے جذبات کی خوب ترجمانی کی ہے۔

شیخ محمد کی نظم کا عنوان ہے ''حسینوں کا حسین'' اس کے چند اشعار کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

ترجمہ سحر:

میں نے چاہی تھی وفاداری مگر اس کے عوض
کیا ملا مجھ کو کہ میں اس تک پہنچ نہیں سکتا
میں نے رکھا ہے قدم اک کھردرے میدان میں
پابرہنہ ہی میں اس میدان میں چلتا گیا
عشق کی سوزش جلاتی ہے مجھے
اپنے اندر جل رہا ہوں میں جہنم کی طرح
چارہ گر! چارہ کوئی دل کا
کہ تیرے پاس ہی اس کی دوا ہوگی
وہ ہرنی نیل گایوں کی ہے ملکہ
اور کھڑی ہے اک کھلے میدان کے ایسے کنارے پر
شکاری ہیں جہاں پر تاک میں اس کی
صراحی دار گردن موڑ کر جب چونکتی ہے خوف سے
تو دیدنی ہوتی ہیں اس کی سرمئی آنکھیں

شیخ محمد کی اس نظم کے جواب میں خالد الفصل یوں اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کرتے ہیں:

ترجمہ سحر:

خدا معاف کرے میرے ناتواں دل کو
کہ جس سے ختم کبھی ہو سکی نہ الفت و مہر
نگاہ شیخ کی ہے تیز، اس کا دل شعلہ
تمام لوگ ہیں سوتے مگر وہ جاگتا ہے

اے میرے دوست محمد!

تجربہ کارا گرچہ بہت ہے تو لیکن ہوا جو ہونا تھا بیکار ہے شکایت اب
اگرچہ خود ہے بہت تو بھی صائب الرائے
مگر تجھے بھی ضرورت ہے رہنمائی کی
محمد اے مرے بھائی! یہ عزت افزائی جو تو نے کی ہے
تو یہ نظم بھیجتا ہوں تجھے

(۷) حسین سحر صاحب نظم ''وقت کے کنارے پر'' میں اپنی صلاحیتوں کی کرشمہ سازیوں سے قاری کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

ترجمہ سحر:

کھڑا ہوں میں یوں وقت کے کنارے پر
کہ دیکھتا ہوں زمانے کی عبرتوں کے نشاں
غروب ہوتا ہے بحر حیات میں سورج
دراز ہوتی ہوئی رات دیکھتا ہوں جب
تو دن پگھلتا ہوا تیرگی میں آئے نظر
غروب ہونے کا لمحہ ہے غمزدہ لمحہ

(۸) خالد الفیصل نے اس حقیقت کا اعتراف بڑی سادگی اور خوبی سے کیا ہے کہ انسان کیلئے نسیان بھی اللہ کی نعمت ہے چنانچہ حسین سحر صاحب نے ''بھولنا بھی نعمت ہے'' کے

301

عنوان سے خالد الفیصل کی یوں ترجمانی کی ہے:

اے خدائے بخشندہ!
بھولنا بھی نعمت ہے
میں کبھی نہ کرسکتا، کچھ بھی تو بغیر اس کے
یاد رکھتا اگر زندگی کی باتوں کو
اک گھڑی بھی راحت کی مجھ کو مل نہیں سکتی

گویا خالد الفیصل متشائم انداز فکر پر متفائل طرز نگارش کو ترجیح دیتے ہیں اور یہی وہ مثبت انسانی رویہ ہے جس کی سچائی درج ذیل دو مختلف شعروں کے باہم تقابل کے نتیجے میں مزید ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔

(۱) یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا
(اختر انصاری)

یاد ماضی حسین ہے یارب!
(۲) بخش دے مجھ کو حافظہ میرا
(رمضان صائب)

غراب البین، حمامۃ الایک، صحرائی کوئی (قطا) اور جنگلی کبوتری (قمری) ایسے پرندے ہیں جن کی چلاہٹ یا درد میں ڈوبی ہوئی پرسوز غمگین فریاد کی نغمہ ریزیوں میں بے چین اور مضروب تنہائی عاشق کو یک گونہ راحت یا فکری انسجام کا احساس ہوتا ہے۔ اس لئے عربی شعراء نے ہمیشہ ان صحرائی طیور کو اپنا ہمنوا اور ہمدرد محسوس کیا ہے اور انہیں اپنے دکھ درد کا سچا ترجمان اور مخلص پیام بر پایا ہے۔ خالد الفیصل کا نام بھی ان عرب شعراء کی فہرست میں شامل ہے جنہوں نے عربی شاعری کی اس روایت کو قائم رکھا ہے، فرماتے ہیں:

ترجمہ سحر:

302

اے جنگلی فاختہ! اٹھا اور گا اپنی سریلی لے میں
ہوسکتا ہے تیرا گیت خوش کردے مرے محبوب کے دل کو
پکاری فاختہ جب
اور ہوا نے چھیڑی نہیں کہیں بھی بانس کی شاخ
گزرتی ہی رہی ی عمر
جیسے کچھ نہ ہوا
خدائے وقت!
تو مجھ کو بچا لے مٹنے سے
کہ میں تو بے بس ہوں

(۹) خالد الفیصل اپنی زندگی کے اہم واقعات سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔ آج کے انسانی معاشرے میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو اپنی سالگرہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے معاشرے کو کم از کم یہ پیغام دیتے ہوں کہ اگر انسان کی عمر بڑھتی ہے تو اسے یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ گزرے ہوئے دن کبھی لوٹ کر نہیں آتے اور یہ کہ انسان کی زندگی کے دن ہر روز ایک ایک کر کے کم بھی ہو رہے ہیں۔ خالد الفیصل کو گویا یہاں کی چند روزہ زندگی کے ایک ایک لمحے کی قدر و قیمت کا خوب احساس ہے، چنانچہ ''میری سالگرہ'' نظم میں لکھتے ہیں:

ترجمہ سحر:

میرا یوم ولادت ہر برس آتا ہے
خیال آتا ہے جن کا ہے یہ یوم پیدائش
بہت حیران ہوں لیکن میں خوش بھی ہوں
بہت ہی مختلف ہے یہ
کہ اس دن عمر کا اک سال گھٹ جاتا ہے چپکے سے

اے مینہ برسانے والے!

کیا مری قسمت بھی چمکے گی کبھی؟

یہ زندگی کا پھول کھل اٹھے ترے ہاتھوں کی شبنم سے

(۱۰) خالد الفیصل کو بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ ہر عرب بچے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بڑا ہو کر خود کو کاملین کی صف میں پائے یہ اس کی سب سے بڑی کامیابی ہے جاہلی عرب کی تاریخ کے مطابق جو شخص تیراکی، گھڑسواری، تیر و تیغ زنی، نیزہ بازی اور لکھنا پڑھنا جانتا تھا اس کو کامل کہا جاتا تھا۔ خالد الفیصل کے اشعار میں کسی نہ کسی اعتبار سے یہ روایت آج بھی زندہ ہے ان کو گھڑسواری بہت پسند ہے ''دختران ہوا کی جانب'' نظم میں انہوں نے اپنی خوبصورت گھوڑی کُحیلہ کی بہت تعریف کی ہے۔ اس کے آگے کئی شہسواروں نے اپنے سر جھکا دیئے ہیں۔ خالد الفیصل کو اپنی اس گھوڑی سے بہت محبت ہے۔ ذیل میں خالد الفیصل کی ''دختران ہوا کی جانب'' نظم کی نواؤں سے ہم آہنگ حسین سحر صاحب کے قلم کی صریر شیریں سے قارئین کی سماعت کا سامان ضیافت کیا جاتا ہے:

ترجمہ سحر:

پاس ہے میرے اک حسین گھوڑی، جو ہرن کی طرح بدکتی ہے

ایک سمندر کی لہر کی صورت

آگے بڑھتی ہے جب بہت آگے، شہسواروں کو وہ جھکاتی ہے

میں نے دیکھی نہیں کبھی اب تک

ایسی گھوڑی کوئی بھی دنیا میں، اس سے بڑھ کر جو خوبصورت ہو

بھاگتی ہے مری کُحیلہ جب

سائے سے ڈر کے دشت کی جانب، شہسوار اپنا یاد رکھتی ہے

یہاں پر راقم الحروف کو ایک عرب شاعرہ کی وہ رزمیہ نظم یاد آ رہی ہے جس کا پہلا شعر کچھ اس طرح ہے:

فدت نفسي وما ملكت يميني

فوارس صدقت فيهم ظنوني

(میری جان ان شہسواروں پر قربان ہو جن کے بارے میں میرے گمان سچے ثابت ہوئے)

خالد الفیصل نے اپنی گھوڑی کی تعریف یوں بھی کی ہے:

ترجمہ سحر:

اس کے ماتھے کے بال اور آنکھیں

طے کریں جو مسافتیں جیسے، کوئی خورشید ڈوبے سائے میں

وہ ہے ان اڑتے بادلوں کی طرح

جو فلک پر ہیں تیرتے پھرتے اور پیاسی نگاہیں تکتی ہیں

اور پھر وہ اس اڑتے بادل سے یہ ایک نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

وہ ہے ایسے خیال کی صورت

چھائے جاتا ہے جو دل و جان پر، لیکن اس کی جھلک نہیں ملتی

ہر بشر اپنی زندگانی میں

ایک اپنا جھکاؤ رکھتا ہے، ہر جھکاؤ ہے آدمی رکھتا ہے۔

(۱۱) خالد الفیصل نے علاقہ نجد کے امیر عزت مآب شہزادہ سلمان بن عبدالعزیز کی خدمت میں بھی پانچ اشعار پر مشتمل ایک نظم ارسال کی تھی۔ نجد کا نام ہونٹوں پر آتے ہی لیلیٰ کے عاشق قیس مجنوں کے عشقیہ واقعات یاد آنے لگتے ہیں اور اس کی غزلوں کی تانیں سماعت میں رس گھولنے لگتی ہیں لیکن ''میں روانہ ہوا'' نظم میں خالد الفیصل نے جن محسوسات کو منظوم کیا ہے اس کے دل آویز پیرائے میں دراصل پرخلوص اخوت کا رنگ چھلک رہا ہے جو اہل عرب کا خاصہ ہے۔ خالد الفیصل کی اس نظم کی معنوی کیفیات کو حسین سحر نے یوں بیان کیا ہے:

ترجمہ سحر:

حسین نجد کی خوشبوؤں کے وہ جھونکے کہ ہو مندمل جن سے زخم محبت
حسین نجد کہ پہلی کے چاند ایسی بچی ہے اور چودھویں رات کے چاند کی
جیسے بیٹی ہو
گویا وہ رشک قمر
حسین نجد! تو میرا محبوب ہے کہ نہیں دیکھ سکتی مری آنکھ تجھ کو
اور جو کوئی دیکھنا چاہے پورا چمکتا ہوا چاند
تو وہ اسے نجد کے عارضوں پر ہی دیکھے

یہاں پر میں یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ نجد کو عربوں کی تاریخ میں متعدد وجوہ کی بناء پر ایک خاص مقام حاصل ہے یہاں زندگی کے مختلف پہلوؤں سے مربوط ہر قسم کے یعنی دینی، معاشی، سیاسی، ثقافتی، کلاسیکی اور رومانوی حوالے پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ عہد کوئی بھی ہو، کوئی عرب شاعر خود کو نجد کی سرزمین سے بے نیاز نہیں دیکھ سکتا۔ شاعر خواہ ماضی کا قیس مجنوں ہو یا کوئی اور جدید شاعر دونوں ہی یہاں کے خزامی (دشتی گل خیری) اور عرار (دشتی گل بہار) کی خوشبو کے مست جھونکوں کو شدت سے یاد کرتے ہیں یہاں تک کہ ہمارے شاعر خالد الفیصل نے بھی گل عرار کا نہ سہی خزامی کے پودے کا ذکر ضرور کیا ہے۔

(۱۲) ''عالم خیال'' نظم میں فرماتے ہیں:

ترجمہ سحر:

عالم خیال میں
آرزو کی پشت پر
میں نے زندگی دیکھی
گم کسی تصور میں
ہائے اس نے جانے میں دیر بھی ذرا نہ کی
یعنی اک برس اس کا

گویا ایک ہی دن ہے

یہاں پر قلم بے ساختہ رک جاتا ہے اور موئے قلم بچھڑنے کے اس منظر کی مصوری کرنے لگتا ہے جس کا عکس اس شعر سے نمایاں ہے:

فلما تفرقنا کانی و مالکا
لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

(جب ہم یعنی میں اور میرا بھائی ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو طویل زمانے تک اکٹھا رہنے کے باوجود ایسے لگا جیسے ہم دونوں نے ایک رات بھی ایک ساتھ نہ گزاری ہو)

(۱۳) اخیر میں ہم خالد الفیصل کی ایک نظم ''میں اور صحرا'' پر اظہار خیال کرنا پسند کریں گے جو عرب کی کلاسیکل شاعری کے تمام اوضاع والوان کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ مثال کے طور پر عرب کا بدوی اور صحرائی ماحول، خانہ بدوشوں کا نخلستانوں، چشمہساروں اور سبزہ زاروں پر عارضی قیام اور پھر اس عارضی قیام کے دوران میں پیدا ہو جانے والی پختہ یا ناپختہ محبتوں کے شعور و احساس کو پہلوئے سینہ میں اٹھائے دبائے کسی معلوم یا نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو جانا ایسے تلخ تجربات ہیں جن کو خالد الفیصل نے اپنے مخصوص لہجے میں اور اظہار کے اچھوتے پیرایے میں بیان کیا ہے اور جس کی چاشنی پوری کی پوری ترجمے میں بھی محسوس ہوتی ہے۔ قارئین ملاحظہ فرمائیں:

ترجمہ سحر:

میں اور صحرا، بارش، گھوڑے اور شاہین
ہرن خزامی کے پودے، اشعار مرے ساتھی ہیں
بکری کے بالوں سے بنائے گھر میں نے
ماضی حال اور آئندہ کا عکس دیا شعروں میں
مجھے شکار پسند ہے ویراں میدانوں کا جن میں کوئی نہیں پہنچا اب تک
بس گھوڑے کی پشت ہے عزت کا میدان

اور تالاب کا وہ نظارہ، سورج کی کرنیں رقصاں ہیں جس میں
اور بارش کے بعد وہ منظر سرخ ریت کے ٹیلے کا
اور پرندوں کا نظارہ جو ہیں اترتے اور اڑتے
اور خوف زدہ ہرنوں کا چوکڑی بھرنا اور رک جانا
سورج ڈوبا، ابھرا چاند اور تارے جگمگ چمکے
اور ہوا نے غموں کو بھڑکایا اور ہوا میں بے خود
رات کو میں مہماں کے خیالوں میں روشن کرتا ہوں آگ
اور اسی کی سوچ سے جگمگ کرتے ہیں چنگاری کی مانند
ایک روشن چنگاری دیکھوں تو اس جیسی میرے اندر جلتی ہے
رات کی تاریکی میں یہ چنگاریاں ہیں اور عاشق زار

''نظمیں از خالد الفیصل'' کے کل صفحات 149 ہیں۔ عربی زبان کے نبطی اشعار دائیں صفحہ پر اور ان کا ترجمہ اس کے سامنے بائیں صفحہ پر ہے۔ عربی اشعار کے صفحہ کا عدد عربی ہندسے میں لکھا ہے اور اردو ترجمے کے صفحے پر اس کا عدد اردو ہندسے میں دکھایا گیا ہے۔ ہر عربی نظم کا ایک مستقل عنوان ہے جس کا التزام کرتے ہوئے حسین سحر صاحب نے بھی ہر نظم کے ترجمے سے پہلے اس کی شہ سرخی کا ترجمہ اردو میں لکھ دیا ہے۔

اس کتاب میں تقریظ، پیش لفظ یا کسی قسم کا کوئی تبصرہ شائع نہیں ہوا۔ ہم حسین سحر صاحب سے مؤدبانہ انداز میں یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب کی آئندہ طباعت کے موقع پر ادبی رسوم و آداب کے مطابق ان مفقودات کو اس کتاب میں شامل کر کے اپنے اس منظوم اردو ترجمے کی ادبی وقعت کو چار چاند لگا دیں گے۔

''نظمیں از خالد الفیصل'' (ترجمہ: پروفیسر حسین سحر) پر مزید بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ یہ تبصرہ راقم الحروف کی ایک سرسری نظر کا ماحصل ہے۔ اصل کتاب اور خاص طور پر اس کے ترجمے سے چھلکنے والی رعنائی خیال، سوز رنج تنہائی، جینے کی شعوری کوشش، دنیا کی بے ثباتی اور

زندگی کے مختلف کڑوے کسیلے تجربے اور میٹھے میٹھے خواب اپنے طور پر فن شاعری کے ساتھ ساتھ اسلوب ترجمانی کا کامیاب اور مثالی تجزیہ بھی ہیں اور آزمائش بھی۔

اخیر میں ہم اس حقیقت کو بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ حسین سحر کی یہ کوشش واقعی لائق صد تحسین و تبریک ہے۔ ہم یہ امید بھی کرتے ہیں کہ وہ اردو ادب کی خدمات کے سلسلہ کو مزید آگے بڑھاتے رہیں گے اور اپنے قارئین کے ذوق مطالعہ کو مزید نکھارتے بھی رہیں گے۔ اللہ ان کو مزید ہمت دے، آمین!

فرقانِ عظیم

فرقان عظیم.....ایک تاثر

از آیت اللہ علامہ عقیل الغروی (لندن)

حسین سحر شاعر ہی نہیں ایک دانشور شاعر ہیں۔ ان کی دانشوری کی سب سے بڑی سند ان کی قرآن کریم سے وابستگی ہے۔ مجھے ان کی شخصیت کے سوانحی کوائف کا بھی علم نہیں۔ لیکن میں نے ان کے بہت سے اشعار کا مطالعہ ضرور کیا ہے اور اگر یہ سچ ہے کہ انسان اپنی زبان کے پیچھے چھپا ہوتا ہے تو پھر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے انہیں بے نقاب کر لیا ہے۔ ان کی شخصیت میں سخنوری اور دانشوری کا ایسا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ جو بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

حسین سحر صاحب کا پیش نظر کارنامہ اردو میں قرآن کریم کے مفاہیم کی آزاد نظیم کی ہیئت میں ترسیل یا ترجمانی، ان کی سخنوری اور دانشوری دونوں کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ جیسا کہ انہوں نے عرض مترجم کے عنوان سے خود ہی اعتراف کیا ہے کہ یہ قرآن مجید کا براہ راست ترجمہ نہیں۔ بلکہ یہ ترجمہ در ترجمہ ایک مترسل ترجمانی ہے۔ جس میں انہوں نے مختلف مکاتب فکر کے مترجمین کے تراجم سے گویا مشترکہ مفاہیم کا اقتباس کر کے انہیں اپنی انتخاب کردہ عروضی بحر میں آزادانہ شعوری ہیئت کے ساتھ سمونے کی کوشش کی ہے۔ ان کی یہ کوشش ان کے ریاض سخن کی روحانی آبیاری کی ایک کامیاب اور حسین کوشش ہے، اس کے مطالعے کے ضمن میں ترجمے کی علمی اور فنی دقیقہ سنجیوں سے مفہوم تک کی معنوی تہہ داریوں کا نگاہ تحقیق سے جائزہ لینے کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر چہ یہ کوشش ان کے ریاض فن کی شادابی اور ذوق سخن کی آسودگی سے قطع نظر کرتے ہوئے بجائے خود ایک علمی اہمیت بھی ضرور رکھتی ہے۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ اس کی ایک تہذیبی حرمت ہے۔ چنانچہ مختلف مذہبی، مکاتب فکر و نظر کے درمیان بڑھتی ہوئی شدت پسندانہ خلیج کے اس دور میں علمی اور فکری اقدار مشترکہ کی تلاش اور اس شعری دلآویزی کے ساتھ پیش کرنے کی یہ سعی جمیل تہذیبی اور ثقافتی میزان میں ہر لحاظ سے ایک قابل تحسین کارنامہ قرار دی جائے گی۔ دوسرے لفظوں میں حسین سحر کی یہ تخلیق ''ناروا داری'' کے دور میں رواداری کی ایک عظیم الشان روایت کی تخلیق کے مترادف ہے۔ جس کی ثقافتی ارزش کو با آسانی وارزانی آنکا نہیں جا سکتا۔ رب کریم، احسن الخالقین ہے، یقیناً وہی ان کی اس تخلیق کی حقیقی قدر شناسی فرمائے گا۔ اور وہ کہ جو کسی کی کوئی بھی کوشش رائیگاں نہیں کرتا۔ حسین سحر کی اس کوشش کی بھی انہیں بہترین جزاء عطا فرمائے گا۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

والحمد للہ فی الاولیٰ والآخرۃ وصلی اللہ علی النبیؐ وعلی عترتہ الطاہرین

علامہ عبدالعزیز خالد کے ایک خط سے اقتباس

حسین سحر کے نام

آپ نے کیا محیّر العقول کارنامہ انجام دیا ہے۔ میں تو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ آپ کتنے موزوں طبع ہیں کتنے نغز گو ہیں۔ آپ کو قرآنی مطالب پر کس قدر عبور ہے اور عربی زبان پر کس قدر دسترس ہے! مجھے بخدا اس کا اندازہ نہیں تھا۔

اس روز جب آپ آئے تھے اور آپ نے کہا تھا کہ ''میں قرآن کا منظوم ترجمہ کرنے والا ہوں!'' تو میں اسے محض ایک بڑا بول سمجھا تھا۔ مجھے آپ میں چھپے جوہر کا اندازہ نہیں تھا۔ آپ نے اب تک اپنے آپ کو کیسے چھپائے رکھا۔ میں حیران ہوں۔

بہرحال آپ نے ایک عظیم کام کیا ہے۔ خدا آپ کو دونوں جہاں میں اس کا اجر دے۔

مجھے تو اسے دیکھ کر اپنی تنگ مائیگی کا شدید احساس ہوا۔

آپ نے میرے ترجمے کا حوالہ بھی دیا ہے۔ وہ کچھ ایسے حالات میں شائع ہوا تھا کہ اس میں بہت سی فروگزاشتیں رہ گئی تھیں۔ جن پر مجھے بڑی ندامت ہے۔ اس کے بعد حک وترمیم کے بعد میں نے نیا نسخہ تیار کیا ہے۔ خواہش ہے کہ چھپ جائے لیکن کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میری کوئی بھی کتاب اس وقت بازار میں دستیاب نہیں۔

جو چند منظوم ترجمے میرے پاس ہیں۔ علامہ سیماب کا، آغا شاعر قزلباش کا چند پاروں کا، جناب اثر زبیری کا نصف قرآن کا اور جناب شمیم رجز کا۔ آپ کا ترجمہ ان سب پر فوق رکھتا ہے۔ حشو وزوائد سے پاک۔ سلاست اور روانی میں بے مثل۔

پروفیسر حسین سحر بطور مترجم

محمد صادق رضاوی۔ ریاض (سعودی عرب)

ترجمہ کوئی مشکل کام نہیں، ہر کوئی جس کو دلچسپی ہو کر سکتا ہے۔ مگر عربی زبان کا سمجھنا، ایک ایک لفظ جو کیر المعانی ہو اس کو جاننا بہت بڑا کام ہے خصوصاً بدوی شاعری کو سمجھنا۔ خالد الفیصل۔ عبداللہ الفیصل دور جدید کے بڑے نام ہیں۔ حسین سحر صاحب نے نہ صرف ترجمہ کیا بالکل شاعر کی اصل روح کو اندر تک اور روح کے عمق تک جانا ہے۔ خالد الفیصل نے واٹر کلر اور باریک خطوط سے کام لیا۔ ان کا اصل موضوع عشق، جانثاری، ایفاء وپیمان وفا، اصیل عربی گھوڑے محبوب کے عارض ولب۔ آنکھوں کے کنول اور زلف کے گرداب رہے ہیں اور پروفیسر سحر نے بڑی خوش اسلوبی سے بڑی چابکدستی وسلامت زبان سے اردو کے پیکر مین ڈھالا ہے اور کہیں کہیں ترجمہ اصل سے زیادہ گداز لگتا ہے اور یہی سحر کا سحر ہے۔

میں نے اپنی نیم فنی وعلمی رائے شروع کر دی اور اپنے وسحر صاحب کا پس منظر تو بتایا ہی نہیں۔ اپنے ایک مضمون ٹوئن ٹاورز آف ریاض میں نے دو حضرات کا ذکر کیا ہے، ڈاکٹر مرتضیٰ صدیقی وصفدر حسین، ان دو حضرات میں صدیقی صاحب مہربان ڈاکٹروں کی مہربانیوں اور اپنی لاپرواہی کی نذر ہو گئے، صفدر صاحب بچے تھے، ان کی خانقاہ صفدریہ نہیں ہیں کچھ انمول رتن جمع ہوتے تھے اور ملک کج رفتار کو یہ پسند نہیں آیا، وہ بھی موسیٰ ندی کے پہلو میں جا سوئے، ان کی خانقاہ میں سحر صاحب کا ذکر اکثر رہتا۔ سحر صاحب بھی رونق بخشتے تھے، مگر وائے بدنصیبی مری مصروفیت نے مجھے یہ موقع نہ دیا، صفدر مرحومؒ نے اپنی حیات میں مجھے خالد الفیصل کا دیوان دیا اور مجھ حقیر میں انہوں نے نہ جانے کیا دیکھا کہ دیوان خالد، خالد اور پروفیسر سحر پر تبصرہ ومضمون لکھنے کو دیا، وہ اپنی دیدہ زیب کاوش ''دیوان خالد'' مترجم اردو کی رونمائی میں مجھ سے پڑھوانا چاہتے تھے۔ میں نے حکم کی تعمیل کی اور ان کے حوالے کر دیا۔ صفدر صاحب اور خالد کو تقریب میں بلانا چاہتے تھے مگر ایک کرم فرما کی مہربانیوں کے سبب ایسا نہ ہو سکا۔ وائے حسرتا! خالد الفیصل کے لئے ایک

دیدہ زیب گھوڑے کی تصویر بھی تھی، صفدر مرحومؒ کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں اور وہ یہ حسرت ناکام لیکر خالق حقیقی سے جا ملے، وقت پیسہ اور حسرت سب نا تمام وناکام اور ان کی وفات کے بعد میرا مضمون بھی گیا۔

ایک روز میرے کلینک پر جناب ابوظفر صاحب ان حضرت (سحر صاحب) کو لیکر تشریف لائے، بھٹہ صاحب کا میں ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھ حقیر کو یہ سعادت بخشی اور سحر صاحب سے پہلی ملاقات ہوئی۔ مگر وہ میرے لئے اجنبی نہ تھے، زمانوں اور صدیوں کا تعلق لگتا ہے، نسبت بھی خاص رہی "حضرت رکن الدین زکریاؒ اور حضرت شیخ شمس تبریزی رحمت اللہ کے ملتان سے ملتان میں ہم ضرور آنکھ مچولی کھیلتے رہے ہونگے، سحر صاحب میرے میر ہم ہیں، لیکن علم میں کلاں، حیرت کی بات ہے کہ ہمارے ستارے ساتھ ساتھ چلتے رہے ہیں اور ملاقات کا ہونا مری آخر عمر میں تحریر تھا، سموالامیر عبداللہ الفیصل "انت عمری"...... "انی قبل ماشوفک، عمری ضائع "(تم سے نہ ملنے سے پہلے جو بھی عمر گذری وہ عمر کا ضیاع تھا) نے ہماری کیا خوب تفسیر کی ہے۔

یہ تو پس منظر تھا، اب سن تو پہلے سے رہے تھے مگر راست قرآن کریم کا ترجمہ مری نظر سے گزرا اور میں محو تماشا رہ گیا۔ ایک عجمی کا عربی زبان پر عبور ایک حیرت کن قبلہ سے کم نہ تھا، عربی قرآن کریم کا حافظ ہونا اور بات ہے، قاری ہونا ایک اور بات ہے مگر عربی کی نوک پلک کا شعور رکھنا اور افہام و تفہیم رکھنا دوسری، عربی تو وہ زبان ہے جو رب سبحان تعالیٰ اور اہل جنت کی زبان ہے اور ایک ایک لفظ کے ہزار معانی، اصلی اور شدھ عربی صرف اہل یمن و اہل موصل یا پھر بادیہ الشام میں بولی جاتی ہے، متنبی و ابوالفراس الحمدانی، عنترا ابن شداد یا پھر حضر رم کا سمجھنا اتنا آسان نہیں ہے کہ قرآن کریم، کتاب کھولنے سے پہلے میں پس و بے یقینی کے عالم مبتلا تھا، اور میرے اندر کا بدانسان کہہ رہا تھا کہ دیکھنے میں کیا حرج ہے، مگر مقطع میں گستاخانہ بات آپڑی تھی کہ میں نے کچھ پڑھنا بھی ہے اور کرسی پر گران باری بھی کرنی ہے کہ اخلاقی قدروں کی کڑوی کسیلی گولی کھانی پڑی اور اپنی بدخواہشات کا گلہ گھونٹنا پڑا اور اپنی ساری جہالت کے باوصف رات تین بجے

تک جتنا مطالعہ کرسکتا تھا وہ کیا اور جتنا جتنا بڑھتا رہا حیرت کدہ میں داخل ہوتا رہا، سورہ فاتحہ سے بقری، آل عمران، یوسف، حشر، المزمل، رحمٰن، واقعہ اور پھر الملک سے سورہ اخلاص تک، پڑھ تو گیا مگر حیرت برقرار رہی، اس پورے ترجمے میں سحر صاحب کس کس مرحلے سے یعنی قطرے سے گہر ہونے تک کیلیے گزرے ہوں گے۔ اس کے لئے جن جن مراحل، محنت اور عمل کی بھٹی سے گزرنا آسان نہیں، ترجمے کے رموز میں میں واقف ہوں، جن جن ہستیوں سے افادہ کیا وہ معتبر ہیں، الفاظ سلیس، سب سے بڑی بات قرآن کریم جیسی عبارت کو ٹھیس نہیں لگی، معانی سے انحراف نہیں، عام فہم اور روان، سب سے بڑی خوبی ہے خداوند ہزار نعمت ان کو طویل عمر دے کہ وہ الہیات کے موضوع سے مشعل راہ روشن کرسکیں، اللہ انکا اور تمام پاکستان کا محافظ ہو اللہ تعالیٰ پاکستان کی اس طرح حفاظت کرے جیسے قرآن کریم کی کی ہے۔

ترجمان فرقان

ابوالامتیاز ع س مسلم

باری تعالیٰ نے لمحہ ازل میں آدم کو شرف آدمیت اور خلافت ارضی سے نوازا تو بہ کمال رحمت، مکمل اور ابدی ہدایت کا وعدہ فرمایا:

فَاِمَّا یَاتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْف. عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ. (۲،بقر ۳۸)

''پس اگر تمہیں میری جانب سے ہدایت پہنچے (اور وہ یقیناً پہنچے گی) تو جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا سو ان کے لئے کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ہی وہ (کسی خطرہ یا تشویش کے باع) غمگین ہوں گے''۔

اس لطف خاص کے باوصف اس کی مزید تقویت قلب اور استقلال وعزیمت کی استواری کیلئے بار بار یقین دہانی کرائی گئی:

فَاِمَّا یَاتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی. (۲۰، طٰہٰ، ۱۲۳)

''پھر اگر تم کو میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے (اور وہ بالیقین پہنچے گی) تو جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ (دنیا میں) گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) محروم اجر رہے گا (بلکہ وہ میری بخشش سے فیضیاب ہوگا)''۔

یہی نہیں بلکہ بندے کو شرف انسانی سے بہرہ ور کرنے کے بعد اسے کامیابی و کامرانی کی طرف مہمیز کرنے کیلئے اس ارحم الرحمین نے اپنے فور رحمت سے اس یکطرفہ عہد کو ایک میثاق میں منضبط کر کے اس کے ضمیر میں رکھ دیا تا کہ اس عالم ناسوت میں بھی ضرب ضمیر سے اس کی یاددہانی ہوتی رہے اور وہ دوسری غیر مکلف مخلوق کی طرح مجبور محض نہ رہ جائے بلکہ اپنے عقل و اختیار اور وجدان وعرفان کے باع اس پر عالم ہونے اور سب پر اپنا شرف ابت کرنے پر قادر ہو۔

چنانچہ اس جوہر کے اثبات کیلئے اس نے اولاد آدم کی تمام روحوں سے سوال کیا:

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ. (۷،اعراف، ۱۷۲)

''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں'' تو سب نے بیک زبان قرار کیا۔

قَالُوْا بَلٰی. شَهِدْنَا. (۷،اعراف ۱۷۲)

''ہاں (ہم اقرار کرتے ہیں کہ) تو ہی ہمارا رب ہے اور ہم اس کی گواہی دیتے ہیں''۔

''شھدنا'' کو خود باری تعالیٰ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے اس صورت میں ترجمہ ہوگا'' (اللہ نے فرمایا کہ) ہم (بھی) اسکی گواہی دیتے ہیں''۔ اس طرح دہری شہادت ہوگئی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پابند کرتے ہوئے فرمایا:

اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا کُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ. (۷،اعراف: ۱۷۲)

''(یہ اس لئے) کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس (عقیدۂ توحید اور عہد ربوبیت) سے بے خبر تھے''۔

گویا اللہ تعالیٰ نے رحمت وشفقت فراواں سے انسان کو ابتدائے آفرینش ہی سے اس جوہر سے بہرہ ور کر دیا اور عالم ناسوت میں قدم رکھنے سے پہلے ہی اپنے خالق کی الوہیت و ربوبیت پر ایمان اس کی گھٹی میں رچ بس گیا۔ چنانچہ اللہ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ ''ہر بچہ فطرت (یعنی اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا ڈالتے ہیں''۔

(حدی نمبر ۱۸۸۰، صحیح بخاری، جلد ۲، ص ۷۰۴، بہ روایت ابوہریرہؓ)

''فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (۳۰۔روم) اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس (یعنی دین فطرت) پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت غیر متبدل ہے۔''

اب بلوغت کے بعد وہ اس امر کا مکلف ہے کہ وہ اپنی فطرت کی طرف لوٹے اور اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اپنی عبدیت وعبودیت کا اظہار کرے اور اس کی توحید، حمد اور بڑائی بیان کرے۔

یہ الگ بات ہے کہ وہ بوجہ اپنے ضمیر کی رہنمائی کا صحیح عرفان نہ کرپائے اور خیال و واہمے سے لے کر تمایل واصنام، سورج، چاند ستاروں بلکہ سمتوں اور حشرات الارض، حیوانات اور جن وانس کے سامنے سجدہ ریز ہونے لگے۔

بایں ہمہ اس بنیادی میثاق کے باوصف اللہ اپنے لطف وکرم سے اس عالم ہستی میں بھی اپنے بندوں کو اس عہد کی یاددہانی کراتا رہتا ہے ملا: ''اور کیا سبب ہے کہ تم اللہ پر یقین کامل نہیں رکھتے درآنحالیکہ رسول (ﷺ) تمہیں دعوت دے رہے ہیں (اور تم ان سے عہد بھی کر چکے ہو جیسے ہجرت سے تقریباً چودہ ماہ قبل منیٰ کے قریب اور کچھ عرصہ بعد پھر بیعت عقبہ اور بالخصوص بیعت الرضوان ودیگر) کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان (مضبوط) رکھو اور (اللہ خود) تم سے (یوم الست کو) اقرار لے چکا ہے اگر تم مومن ہو''۔ (۵۷، حدید: ۸)

اس عہد ہدایت اور میثاق ازل کی روشنی میں اس نے اپنی حکمت عالیہ کے تحت وقتاً فوقتاً اور کبھی پے بہ پے انبیاء ومرسلین مبعوث فرمائے انکو وحی ہدایت اور صحائف وکتب سے لیس کر کے معجزات ودلائل سے مسلح کیا تاکہ لوگوں پر اتمام حجت ہو جائے اور کسی شک وشبہ یا حیلہ وعذر کی گنجائش نہ رہے مختلف صحائف وکتب اور توریت وانجیل اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔

یہ سلسلہ رشد وہدایت نوع انسانی کے معاشرتی، نیز دینی، علمی، روحانی اور حکمت ودانش کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ہزاروں صدیوں تک مختلف اقوام اور سرزمینوں میں انکے خصوصی حالات کے مطابق الگ الگ جاری رہا۔ قدرتی عوامل، مرور زمانہ اور فطری انسانی کمزوریوں کے باعث اس میں اتار چڑھاؤ آتے رہے لیکن باری تعالیٰ کی رحمت فراواں سے وقتاً فوقتاً اس کی تجدید ہوتی رہی حتی کہ تکمیل دین کا مرحلہ آن پہنچا اور اس کی مشیت علا نے نبی آخر الزماں، ختم الرسل سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بنی نوع انسان کو ایک وحدت کی لڑی میں پروتے ہوئے اپنے ازلی وابدی پیغام ہدایت ''قرآن کریم'' کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

اللہ تعالیٰ زمین، آسمانوں اور کل کائنات کا خالق اور مالک مطلق ہے اس کی ذات والا تبار واحد ولاشریک ہے۔ "سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ". (۵۹، حشر ۲۳) ''اللہ برتر و

پاک ہے اس سے کہ لوگ اس کے ساتھ کسی کو شریک کریں''۔ اسے اپنی شان واحدانیت پر ناز ہے جس کا اظہار اس نے اپنی آخری کتاب ''قرآن کریم'' میں جا بجا فرمایا ہے۔ "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" (۴۲، شوری: ۱۱) ''کوئی شے اس کے مثل نہیں'' وہ اس امر میں اتنا حساس ہے کہ اس کی ذات وصفات میں غیر اللہ کو شریک کرنا ناقابل معافی معصیت ہے ''اللہ ہرگز معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے لیکن وہ اس کے علاوہ جس کو چاہے معاف کردے گا''۔ (۴، نساء: ۴۸)

یوں تو پورا قرآن کریم اس کی توحید وتوصیف سے معمور ہے لیکن آیۃ الکرسی میں جس کمال اعجاز سے یہ بیان ہوا ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ.

(۲، بقرہ: ۲۵۵)

''اللہ (وہ ہے کہ) اس کے سوائی کو سزاوار عبادت نہیں، وہ (ازلی وابدی) زندہ جاوید ہے (اپنی ذات سے) قائم ودائم ہے اسے نہ اونگھ آسکتی ہے نہ نیند (وہ دائم بیدار، ہمہ خبردار ہے) زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے (سب) اسی کی کل ملکیت ہے (کوئی اس کا شریک نہیں) کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرسکے! مخلوقات کے آگے یا پیچھے جو کچھ (بھی) ہے وہ سب جانتا ہے وہ اس کے علم کا (قطعاً) احاطہ نہیں کرسکتے سوائے اس کے جو وہ چاہے۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین (سب) پر وسیع ہے اور اس پر ان کی نگرانی ذرا بھی گراں نہیں اور وہ عالی شان ہے عظیم الشان ہے''۔

اور سورۂ اخلاص تو وہ حرف آخر ہے کہ انسان کیلئے اس سے آگے کچھ کہنا ناممکن ہے:

''آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ اللہ واحد (و یکتا) ہے اللہ (کامل و مطلق اور ازلی و ابدی) بے نیاز ہے۔ اس کے کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور کوئی اس کے برابر کا (یا جوڑیا شریک) نہیں''۔

وہ اپنی ہدایت موعودۂ ازل کو نور سے تعبیر کرتا ہے جس کی روشنی میں اس کے بندے اس کے بتائے ہوئے راستے پر بلا خوف وخطر اپنی منزل دنیوی اور واخروی پر گامزن ہوسکیں چنانچہ تمام صحائف اور توریت وانجیل بھی نور ہدایت ہی کہلائیں تاہم جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری و دائمی ہدایت دے کر مبعوث کیا تو ان کے مرتبے اور اہمیت کے لحاظ سے اعلان خصوصی کا اہتمام فرمایا:

'یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ یَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ. (۵،مائدہ:۱۵)

''اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے (جو) رسول (ﷺ) آئے ہیں یہ تمہارے سامنے (وہ مضامین بھی) کثرت سے کھول دیتے ہیں جنہیں تم (اپنی اپنی) الہامی کتاب میں (سے) اخفاء کرتے رہے ہو حالانکہ وہ (رسول ان میں سے) بہت سے (غیر ضروری) امور سے (تمہاری ندامت اور خجلت کے خیال سے) صرف نظر (بھی) کرجاتے ہیں۔ بیشک (اب) تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور واضح (آسان و خود فہم) کتاب آچکی ہے'' (جس کی تقلید لابدی ہے)۔

جیسا ظاہر ہے ''نور'' کی یہ اصطلاح نہ صرف کتاب مبین ''قرآن کریم'' کیلئے استعمال ہوئی بلکہ رسول اکرم (ﷺ) کی ذات والا صفات کیلئے بھی.....آپ (ﷺ) کی عظمت و رفعت شان کا کیا کہنا کہ اس ذات ملک القدوس نے جو تمام کائنات بہ شمول جن وانس، انبیاء ومرسلین اور آسمانوں اور زمین کا خالق و مالک مطلق ہے اپنے عبد خاص کیلئے بھی ''نور'' کی وہی تمثیل بیان کی جو اس نے اپنی ذات کیلئے مخصوص کررکھی ہے:

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ

نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ. (۲۴،نور:۳۵)

''اللہ (ہی) آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے چراغ قندیل میں ہے قندیل گویا ایک چمکدار ستارہ ہے چراغ روشن کیا جاتا ہے ایک نہایت مبارک درخت زیتون سے نہ اس کا (کوئی) مشرق ہے نہ (ہی) مغرب (وہ محیط کل ہے) اس کا تیل نہایت رخشندہ (و نوربار) ہے اگرچہ آگ اسے نہ بھی چھوئے۔ ''نور علی نور'' (نور ہی نور) ہے اللہ اپنے اس نور تک جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں کیلئے (یہ) مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر شے کا خوب جاننے والا ہے''۔

نُوْرٌ عَلٰی نُوْر: آسان فہمی کے لئے خاندانی بود و باش کے لطیف رموز پر مبنی نور کی یہ عظیم الشان تمثیل، اسرار روحانی کی تہہ در تہہ والہانہ سرمستی کا ایسا اشارہ ہے جس کی ترجمانی سے تمام بیان، وضاحتیں اور تفسیریں عاجز ہیں وہ نور جو ہم چشم ظاہر بیں سے دیکھتے ہیں صد ہزار پردوں سے چھن کر آتا ہوا نور حقیقی کا پرتو محض ہے گویا ''نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ'' ایک لامتناہی سلسلہ ہے لیکن یہاں پہنچ کر تمام اہل علم و دانش بالآخر ایک یم بےخبری میں ڈھل کر معدوم ہوجاتا ہے۔

حذر الحذر! بس کہ حدِ ادب
کہ ہے تاب قوسین رمزِ عجب

ایک مقام پر رسول (ﷺ) کے استفسار کے جواب میں جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ ''میرے اور اللہ کے درمیان نور کے ستر ہزار پردے حائل ہیں''۔ (حدی ۶۸۰، مشکوۃ شریف بہ روایت ابی امامہؓ)......یاد رہے کہ شب معراج میں بھی سدرۃ المنتہٰی تک حضور (ﷺ) کے پابہ رکاب رہنے کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے آگے بڑھنے میں اپنی بےبسی کا اظہار یہ کہہ کر کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ) اس کے آگے میری مجال نہیں آپ تنہا تشریف لے جائیں اگر میں اس سے آگے بڑھا تو تجلی الٰہی سے میرے بال و پر جل جائیں گے۔

سدرۃ المنتہٰی کے ساتھ منتہی کی ترکیب ہی اس امر کی علامت ہے کہ یہ ملائک کی انتہائے پرواز ہے اس سے آگے ان کی رسائی ختم ہے یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے

مطالبے کے باوجود تجلی الٰہی کی تاب نہ لا سکے وہ غش کھا کر گر پڑے اور طور ذرہ ذرہ ہو گیا۔

قرآن کریم کو بھی اسے نازل کرنے والی ذات نے ہدایت، کتاب مبین اور "نور" قرار دیا اور یہ کتاب مبین اور کلام نور وہ ہے کہ "اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تو اس کو دیکھتا کہ وہ (کوہ طور کی طرح) اللہ کے خوف (وجلال) سے دب جاتا، ریزہ ریزہ ہو جاتا"۔ (۵۹، حشر: ۲۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب (ﷺ) کو جن وانس کی ہدایت کیلئے بھیجا تو آپ (ﷺ) کا تعارف بھی "نور" کہہ کرایا۔ "قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین"۔ آپ (ﷺ) وہ نور اولین ہیں جن کی تخلیق، حق تعالیٰ نے آدمؑ سے بلکہ تمام کائنات سے پہلے کی۔

- "میں نبوت کیلئے اس وقت نامزد ہوا ہوں، جب آدم (ابھی) روح اور بدن کے درمیان تھے یعنی روح جسم آدم میں داخل نہ کی گئی تھی"۔ (حدی ۵۴۸، مشکوۃ شریف بہ روایت ابوہریرہؓ)
- "میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت سے خاتم النبیین لکھا ہوا ہوں جب آدم ابھی اپنی گندھی ہوئی مٹی میں پڑے تھے، میری نبوی کا پہلا اظہار حضرت ابراہیم کی دعا تھی (وابعث فیھم رسولا منھم، ۲، بقرہ: ۱۲۹) اور پھر حضرت عیسیٰ کی بشارت (ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد، ۶۱، صف: ۶) پھر میری ماں کا خواب جو انہوں نے مجھے جتنے وقت دیکھا اور میری ماں کے سامنے ایک "نور" ظاہر ہوا جس سے انہیں شام کے محلات نظر آئے"۔ (حدی ۵۴۸، مشکوۃ شریف بہ روایت عرباض بن ساریہؓ)
- Whereupon Adam, turning him self round, saw written above the gate, "There is only one God, and Mohammed is messenger of God." Whereupon, weeping, he said" "May is be pleasing to God, Omy son, that thou come quickly and draw us out of misery."
  (Gospel of Barnabas, Aisha Bawani Trust, pp.54)

اور آپ (ﷺ) ہی نور آخریں ہیں کہ تکمیل دین آپ پر ہوئی اور اس فاطر ارض و سماوات نے اپنی آخرت کتاب آپ پر نازل فرمائی: "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (۵، مائدہ: ۳)

"آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا۔

اس تکمیل دین کے ساتھ نبوت و رسالت آپ پر ختم کر دی گئی۔ "مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ. (۳۳، احزاب: ۴۰)

"محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں البتہ اللہ کے رسول (ﷺ) ہیں اور (سب) نبیوں کے ختم پر (مہر) ہیں"۔

یہ ایک منطقی بات تھی کہ جس ہدایت و نور کی کوئی اور مخلوق متحمل نہ ہو سکتی تھی وہ اسی کے فرستادہ، اولین و آخرین نور مبین ہی کو ودیعت کیا جاتا، جسے آپ نے نہ صرف قبول کیا بلکہ اسے اس کے بندوں تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی بہ احسن طریق پوری کی۔

جہان نبوت کا وہ آفتاب
بڑھی جس سے سارے رسولوں کی آب
وہ پیغام حق، نور ام الکتاب
محمد (ﷺ) سے کون و مکاں فیض یاب
اسی سے ہدایت کا ہو اکتساب
نہ کوہ و جبل کو ہوئی جس کی تاب

لیا اس کو قلب محمد (ﷺ) نے تھام
محمد (ﷺ) پہ لاکھوں درود اور سلام

(زمزمۂ درود)

خالق ارض و سماوات جو نور مطلق ہے، "نور علی نور" ہے جس کی تاب نہ اس کے مستقل پیام پر جبرئیل کو ہے نہ طور کو اور جس کا کلام بھی سرتا سر نور ہے جس کی ذمہ داری سے کوہ و جبل بھی عاجز ہوئے اور جس کا بار امانت بالآخر نبی، اولین و آخرین محمد (ﷺ) کے امی کاندھوں نے اٹھایا اور جو کلام اب ابدالآباد تک، تمام زمانوں کی تمام اقوام کی تمام ضرورتوں کیلئے کفیل قرار دیا گیا، اس کی عالم گیریت

وپہنائی و پنہائی کا تصور بھی محال ہے اس کا زبان حق سے اردو زبان میں ترجمہ ایسا کارعزیمت ہے جس کا متحمل وہی ہوسکتا ہے جس کا انتخاب، وہ صاحب کلام نزول کلام کی طرح خود کرے۔

اہل عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت، شاعری اور شعر کی شیرینی پر وہ ناز تھا کہ وہ ہر غیر عربی کو عجمی یعنی گونگا اور بے زبان کہتے تھے خود لفظ ''عربی'' کے معنی ''لسان فصیح اور تجزیہ'' کے ہیں جو ترتیب و تجزیہ کے عمل سے گزر کر اور خالص ہوکر وجود میں آئی۔ چنانچہ قرآن کریم کو اس کی فصاحت و بلاغت کے باعث کر شاعری کہا گیا لیکن اللہ نے قرآن کے ہدایت ہونے اور اس کی حکمت و دانش کے سبب اسکی سختی سے تردید کی "وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ، اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ". ''ہم نے آپ (ﷺ) کو شاعری نہیں سکھلائی اور نہ ہی وہ آپ کے شایان شان ہے بلکہ یہ (مکمل) پیغام اور قرآن مبین (یعنی کھلی ہوئی الہامی کتاب) ہے''۔ (۳۶، یٰسین:۶۹)

بایں ہمہ قرآن کی شعریت اور شیرینی میں کلام نہیں اس کا آہنگ، لحن داؤدی کی طرح قلب و روح کی فضاؤں کو سرشار اور معطر کر جاتا ہے جن ہوں یا انس سب اس سے یکساں متاثر ہوتے ہیں جناب کی ایک جماعت صرف قرآن کی سماعت سے اس کی حقانیت پر ایمان لے آئی بہت سے غیر مسلموں کے ابواب دل قرات قرآن یا سحر کی خامشی میں گونجتے ہوئے اذان کے آہنگ سے وا ہو جاتے ہیں اور وہ اس پر لبیک کہتے ہوئے ہمیشہ کیلئے قبول کر لیتے ہیں۔ مشہور خلا پیما نیل آرمسٹرانگ نے جو چاند پر اترنے والے پہلے انسان ہیں، ساؤنڈ بیریئر زون (حد رفتار آواز سے پرے) عربی زبان میں اذان سن کر اسلام قبول کیا۔

جتنا "مُفْهَمٌ بِالشَّان" یہ پیغام ہے اتنا ہی لازم ہے کہ اسکی صحیح تفہیم ہوتا کہ ہر کہہ ومہ اس سے ہدایت و نصیحت حاصل کر کے اس کے مطابق اپنی زندگی ڈھال سکے۔ چنانچہ ان لوگوں کیلئے جن کی مادری زبان عربی نہیں ہے آسان اور زود فہم ترجمے کی اہمیت میں کلام نہیں یہ امر باعث اطمینان ہیکہ قرآن کریم کے دنیا کی بیشتر زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں اور یہ کام تسلسل سے جاری ہے ہر چند اس معاملے میں ملت اسلام اہل کیسا سے پیچھے ہے۔

پروفیسر حسین سحر یقیناً اس زمرہ ابرار سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں باری تعالیٰ نے اپنے کلام کی ترجمانی بلکہ اس کی شعریت و شیرینی کے مدنظر شعر میں ترجمانی کیلئے انتخاب کیا۔ ''فرقان عظیم'' کے مکمل اور اپنے معانی سے لبریز عنوان سے انہوں نے ''قرآن کریم کے مطالب و مفاہیم کی منظوم ترجمانی'' کا حق یوں کر دیا کہ وہ اردو کی معمولی شدھ بدھ رکھنے والوں کیلئے بھی تعلم قرآن کا ذریعہ بن

گیا۔ سارا ترجمہ سورۂ فاتحہ سے والناس تک ایک ہی مسلسل بحر میں ایک طویل نظم ہے اور ہر سورہ کے ترجمے کو شروع سے آخر تک ایک ہی سانس میں یکساں تسلسل و روانی کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے۔

ترجمے کی پہلی بنیادی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے کلام ربانی کی ترجمانی کی ہے اور کسی خاص مکتبہ فکر کی نمائندگی کا روگ نہیں پالا اس لئے ہر مسلک و خیال کے لوگ اس سے بلا تکلف استفادہ کر سکتے ہیں۔ دوسرا اہم عامل ان کی سلاست زبان ہے جس میں بھاری بھرکم الفاظ ڈھونڈنے سے نہیں ملتے۔ زبان عام فہم اور جوئے آب کی طرح رواں دواں ہے کہیں الفاظ کی یا گنجلک معانی کی رکاوٹ پیش نہیں آتی مثال کے طور پر چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا.

قسم ہے آپ (ﷺ) کے رب کی، یہ مومن ہو نہیں سکتے کبھی، جب تک نہ منصف آق (ﷺ) کو مانیں یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں، اور پھر آپ (ﷺ) ان میں فیصلہ جو بھی کریں اس سے نہ یہ تنگی کریں محسوس دل میں، اور اسے تسلیم کرلیں خوشدلی سے۔ (۴، نساء:۶۵) (۱۱۴)

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ.

ان کے رب نے کی دعا ان کی قبول، اور ان سے فرمایا کسی کا بھی عمل ہرگز نہیں ضائع کروں گا میں، کوئی عورت ہو یا مرد، تم آپس میں سب اک دوسرے سے ہو، سو جن لوگوں نے کی ہجرت، نکالے جو گئے اپنے گھروں سے، اور جنہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے میرے رستے میں، مری خاطر لڑے، مارے گئے جو درگزر ان کے برے اعمال سے (یقینک) کروں گا میں، انہیں لے جاؤں گا ان جنتوں میں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ہے جزا ان کی اور اللہ ہی کے پاس اچھی جزا ہے۔ (۳، آل عمران:۱۹۵) (ص ۹۷)

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا.

(اے لوگو!) مت کرو اولاد کو تم قتل یوں افلاس کے ڈر سے کہ ہم ہی رزق دیتے ہیں انہیں بھی اور تم کو بھی اور ان کا قتل یقینک ہے بڑی بھاری خطا۔ (۱۷، بنی اسرائیل:۳۱) (ص ۳۷۵)

اور سورۂ رحمان (۵۵) میں تو اس سلاست و روانی نے وہ سماں باندھا ہے کہ ایک طویل سروشی

سمفنی کا احساس ہوتا ہے جو نرم و نازک اور حساس لہروں پر نغمے بکھیرتی ملکوتی فضاؤں میں تیرتی پھرتی ہو۔
چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

اَلرَّحْمٰنُ.	خدا جو ہے نہایت مہرباں (۱)
عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ	اس نے ہی سکھلایا ہے قرآں (۲)
خَلَقَ الْاِنْسَانَ	اور اسی نے خلق فرمایا ہے انساں (۳)
عَلَّمَهُ الْبَيَانَ	اور اسے اس نے عطا کی قوت نطق بیاں (۴)
اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ	شمس و قمر ہیں ایک حساب وحد سے گردش میں رواں (۵)
وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ	ہیں روبرو اس کے درخت اور جھاڑیاں سجدہ کناں (۶)
وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ	اور آسمانوں کو بلند اس نے کیا اور وضع کی میزاں (۷)
اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ	کہ تم اس میں تجاوز کرنہ پاؤ (۸)
وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ	اور رکھو وزن کو انصاف سے، ہرگز نہ کم تولو (۹)
وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ	بنائی ہے اسی نے یہ زمین مخلوق کی خاطر (۱۰)

(ص ۷۰۸، ۷۰۹)

یوں تو اس خاص سورۂ مبارکہ کا سارا ترجمہ حوالے کا متقاضی ہے لیکن عملاً یہ ممکن نہیں تاہم ایک دو اور اقتباسات کے بغیر طبیعت آگے بڑھنے پر مائل نہیں:

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	بھلا جھٹلاؤ گے تم اپنے رب کی نعمتیں کیا کیا؟ (۴۵)
وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ	اور ایسے شخص کی خاطر ہیں دو دو باغ، رب کی بارگاہ میں جو کھڑے
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	ہونے سے ڈرتا تھا (۴۶)
ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ	بھلا جھٹلاؤ گے تم اپنے رب کی نعمتیں کیا کیا؟ (۴۷)
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	بھرے ہیں باغ یہ دونوں نہایت سبز شاخوں سے (۴۸)
فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ	بھلا جھٹلاؤ گے تم اپنے رب کی قدرتیں کیا کیا؟ (۴۹)
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	انہی باغوں میں دو چشمے بھی ہیں جاری (۵۰)
فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ	بھلا جھٹلاؤ گے تم اپنے رب کی نعمتیں کیا کیا؟ (۵۱)
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	ہیں ان باغوں میں ہر اک پھل کی دو قسمیں (۵۲)
مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍ بَطَآئِنُهَا	بھلا جھٹلاؤ گے تم اپنے رب کی نعمتیں کیا کیا (۵۳)
مِنْ اِسْتَبْرَقٍ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ.	وہاں تکیہ لگائے ہوں گے سارے جنتی اطلس کے فرشوں پر اور ان
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	باغوں کے تازہ پھل قریب ان کے جھکے ہوں گے (۵۴)
	بھلا جھٹلاؤ گے تم اپنے رب کی نعمتیں کیا کیا؟ (۵۵) ..... (ص ۷۱۱)

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	بھلا جھٹلاؤ گے تم اپنے رب کی نعمتیں کیا کیا؟ (۵۹)
هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ	بھلائی کا بھلا بدلہ بھلائی کے سوا کیا ہے؟ (۶۰)
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	بھلا جھٹلاؤ گے تم اپنے رب کی نعمتیں کیا کیا؟ (۶۱)
وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ	وہ دو باغ ہوں گے اور بھی ایسے (۶۲)
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	بھلا جھٹلاؤ گے تم اپنے رب کی نعمتیں کیا کیا؟ (۶۳)
مُدْهَآمَّتٰنِ	وہ گہرے سبز اور شاداب ہیں دونوں (۶۴)
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	بھلا جھٹلاؤ گے تم اپنے رب کی نعمتیں کیا کیا؟ (۶۵)
فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ	ہیں ان میں دو ابلنے والے چشمے بھی (۶۶)
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	بھلا جھٹلاؤ گے تم اپنے رب کی نعمتیں کیا کیا؟ (۶۷)
فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ	کھجوریں اور انار اور ہر طرح کے پھل بھی ہیں ان میں (۶۸)
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	بھلا جھٹلاؤ گے تم اپنے رب کی نعمتیں کیا کیا؟ (۶۹)
	(ص ۷۱۲)

اور آخر میں سورۂ نور (۲۴) سے نور الٰہی کا ذکر:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ.	آسمان اور زمین کا نور ہے اللہ، مثال اس نور کی ایسی ہے گویا طاق میں روشن چراغ، اور یہ چراغ ایسا ہے جو شیشے کی ہے قندیل میں، قندیل ایسی ہے کہ موتی کی طرح روشن ستارہ ہے، (چراغ پاک) یہ ہے روغن زیتون سے جلتا، جو بابرکت شجر ہے اور جو شرقی ہے نہ غربی ہے، بھڑک اٹھتا ہے خود ہی روغن اس کا، نور ہے بالائے نور، اللہ جسے چاہے ہدایت اس کو دیتا ہے وہ اپنے نور سے، یہ سب مثالیں وہ بیاں کرتا ہے لوگوں کیلئے، ہر شے سے وہ واقف ہے۔ (۲۴، نور ۳۵)
	(ص ۴۶۹)

تکمیل دین کے علاوہ نزول قرآن کا ایک محل یہ تھا کہ قدیم الہامی کتب میں اتنی تحریف ہو چکی تھی کہ ان کی روح قریب قریب مسخ ہو گئی تھی اور بعض صحائف تو صفحۂ ہستی سے ناپید ہو چکے ہیں اس تحریف کی نمایاں مثال "سب سے زیادہ" چھپنے والی کتاب انجیل ہے۔ اول تو بانی دین مسیحی حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کے نام سے کوئی صحیفہ یا انجیل سرے سے موجود ہی نہیں، سب بعد کے دوسرے لوگوں کی مرتب کی ہوئی ہیں ان کی تعداد کے لحاظ ہی سے ان کی ''صداقت'' کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ طرفہ المیہ یہ ہے کہ ان میں سے بھی کوئی انجیل خود حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی اپنی یا ان کی قوم کی زبان میں دستیاب نہیں۔ صرف تراجم ملتے ہیں وہ بھی ہر مکتبہ خیال کے مطابق لوع بہ لوع اور تمام کے تمام عبرانی سے نہیں بلکہ یونانی زبان سے گئے ہیں جو ہرگز اصل زبان نہ تھی پھر ان کے زبان در زبان ترجمے سے جبکہ اصل متن الٰہی بھی کہیں موجود نہیں بات کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے اور دین کا چہرہ جس طرح مسخ ہو سکتا ہے اور فی الواقع ہوا ہے اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں مختلف ادیان کی ''تعلیمات'' اور ''صحائف'' پر ایک نظر کافی ہے۔

دیگر وجوہات سے قطع نظر اس صورتحال کی ایک وجہ یہ تراجم بھی ہیں چنانچہ از بس لازم ہے کہ وحی الٰہی (یعنی کتاب) کا اصل متن ہمیشہ سامنے رہے ہمارے نام نہاد ''روشن خیال مسلمان'' بھی وقتاً فوقتاً ایسی کوششوں میں ملوث رہے ہیں کہ ہدایت ونور کی اصل زبان، عربی کے بجائے صرف اردو ترجمے سے کام لیا جائے۔ یہ جسارت متواتر کی جاتی ہے کہ نماز پنجگانہ جس کے ہر لفظ کا سرچشمہ قرآن کریم ہے بغیر عربی متن کے اردو میں پڑھی یا پڑھائی جائے تا کہ ''عوام'' سمجھ سکیں گویا ان پر انگریزی تو مسلط کی جا سکتی ہے لیکن عربی ان کے لئے نا قابل فہم ہوگی اس لئے اسے ترک کر کے اردو کو اوڑھ لیا جائے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ملت نے ایسی بدعتوں کو ہمیشہ دھتکار دیا ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ امر ہے کہ اس صورتحال کے برعکس خود اس کتاب، قرآن کریم کے نازل فرمانے والے نے اس کا تحفظ، اپنے فانی اور کمزور بندوں پر نہیں چھوڑا بلکہ بذات خود اس کا ذمہ لیا: ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ. (۱۵، حجر: ۹) ''ہم ہی نے (قرآن کریم) اس پیغام (عظیم) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی (ہر تحریف یا زیاں سے) حفاظت کرنے والے ہیں''۔ چنانچہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال گزر چکے ہیں تمام ادیان کی کتب، محرف، زوال پذیر یا صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہیں لیکن یہ دین حق اور کتاب حق ہر گزند سے پاک روز اول کی طرح تازہ، تابندہ، درخشندہ اور ضیابار ہے۔

حسین سحر تحسین کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اتنے طویل ترجمے میں الوہی متن کا دامن نہیں چھوڑا اور ہر آیت کا شمار کے لحاظ سے الگ ترجمہ دیا ہے سلاست، آسان فہمی اور روانی کے علاوہ انہوں نے الفاظ کی معنوی صداقت کو بالخصوص ملحوظ خاطر رکھا ہے اس کا اندازہ کتابیات کی اس ۶۷ عنوانی اردو اور انگریزی کی فہرست سے ہو سکتا ہے جن سے تقابل کے ساتھ انہوں نے اپنے ذہن اور رخش خیال کو ادھر ادھر نہیں بھٹکنے دیا۔

یہ ایک عظیم کارنامہ ہے جو نہایت استقلال و عزیمت کا متقاضی تھا اور الحمد للہ حسین سحر اس میزان پر پورے اترے۔ ہر مبارک اور تحسین کے بعد اس فقیر کی یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سعی حسنہ کو قبول فرمائے اور انہیں اور ان کے اہل کو جنہوں نے اس میں صبر و استقامت کے ساتھ ان کی اعانت کی، اجر عظیم سے نوازے اور اس رحمت کے چند چھینٹے اس خاک نشین کی بخشش کا باعث بھی ہوں۔

پروفیسر حسین سحر کا عظیم کارنامہ

پروفیسر حسین عسکری کاظمی

فرقان عظیم قرآن کریم کے مطالب و مفاہم کی اردو میں منظوم ترجمانی کی زیارت کرتے ہوئے نگاہوں نے حرف حرف کے بوسے لیے۔ اس زاویۂ نظر سے کہ اردو شاعری میں نظم معریٰ کے پہلو بہ پہلو آزاد نظم بھی صنف شاعری کہلائی اور اس میں کامیاب تجربہ کرنے والوں کی فہرست میں معتبر اسمائے گرامی کی ایک کہکشاں جگمگا رہی ہے لیکن کسی شاعر نے آزاد نظم جیسی صنف سخن کو قرآن پاک کا منظوم ترجمہ کرنے کی خاطر منتخب نہیں کیا تھا۔ یہ کار خیر پاکستان کے معروف دانشور اور قادر الکلام شاعر جناب حسین سحر نے انجام دیا جو دینی شغف رکھنے والوں کے علاوہ عام قاری اور شعر و ادب کا ذوق رکھنے والوں کے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ قرآن پاک کے اردو تراجم و تفاسیر سے متعلق کتابیات پر نظر ڈالیں تو ستر بہتر سے زائد کتابیں پاکستان کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ ان میں منظوم ترجمے بھی آپ کی نظر سے گزریں گے جن میں آغا شاعر قزلباش دہلوی کا منظوم اردو ترجمہ افصح الکلام خاص شہرت رکھتا ہے۔ اسی طرح جناب عبدالعزیز خالد کا منظوم ترجمہ فرقان جاوید اور عہد موجود میں آب رواں کے نام سے منظور اردو ترجمہ سید شمیم رجز شائع ہوا۔ ان سب منظوم ترجموں میں قوافی اور ردیف کا التزام رکھتے ہوئے شعرا کو سخت مشکلات پیش آئیں۔ بیشتر ترجموں کی زبان روزمرہ اور محاورہ کے معیار سے مبرا ہے۔ پڑھتے ہوئے الفاظ و معانی میں ربط پیدا کرنا قاری کے لیے دشوار ہو جاتا ہے۔ پروفیسر حسین سحر نے اس کے برعکس نظم آزاد کی ہیئت میں اور ایک ہی بار میں پورے قرآن کا ترجمہ کیا۔ ان کے بقول پابند سورہ میں شعری حدود و قیود کے باعث مفہوم کو آزادی کے ساتھ ادا نہیں کیا جا سکتا جبکہ آزاد نظم میں یہ پابندی نہیں اور پھر قرآن کا عام اسلوب بھی چونکہ نظم آزاد سے زیادہ قریب ہے اس لیے اسی کو اپنایا گیا ہے۔

قرآن پاک 114 سورتوں پر مشتمل ہے ہر سورت کے لیے دائیں طرف آیات مرتب کی گئیں اور بائیں طرف منظوم ترجمہ ترتیب دیا گیا۔ یہ التزام شروع سے آخر تک فرقان عظیم کے

حسن و جمال کو معراج کمال پر رکھے ہوئے۔ ترجمہ معانی و مفہوم کا آئینہ بن کر پڑھنے والے کے تجسس میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ پوری سورت کی تفہیم اتنی آسان ہو جاتی ہے کہ ہر لفظ کا مطلب کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ حسین سحر نے آیات کے تسلسل کو برقرار رکھنے کی خاطر قوسین کا استعمال کیا اس سے بہتر اسلوب اظہار ممکن نہیں کہ نظم آزاد میں ردھم برقرار رکھنے کی ضرورت رہتی ہے، نیز ترسیل فکر کا مقصود اسی صورت میں پورا ہوتا ہے کہ آیات میں ربط و ضبط کی موجودگی کا لحاظ رکھتے ہوئے روح معانی کو ٹھیس نہ پہنچے۔ ان کا یہ کہنا بجا ہے کہ ان تمام مساعی کا محرک اس عظیم آسمانی کتاب کے آفاقی پیغام کو زیادہ سے زیادہ سمجھنا اور سمجھانا ہے۔ چونکہ قرآن بالعموم تمام عالم انسانیت اور بالخصوص مسلمانوں کے لیے رہنمائے حیات کا درجہ رکھتا ہے۔ اس لیے ہر دور میں قرآن فہمی کی ضرورت بھی محسوس کی گئی یہ کاوش بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

پورے قرآن پاک کا منظوم ترجمہ کرنا ہمت و حوصلے اور تائید ایزدی کے بغیر ممکن نہیں۔ حسین سحر کا تدریسی تجربہ تیس سال سے زائد عرصے پر محیط ہے۔ اس عرصہ حیات میں ان کا تجربہ اور ریاضت ان کے کام آگئے لیکن یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ ملازمت سے فارغ ہو کر وہ ریاض (سعودی عرب) میں اپنے بیٹوں کے پاس رہے جہاں انہیں دینی کتب کھنگالنے کے مواقع میسر آئے، ارض حرمین شریفین میں قیام رحمتوں اور برکتوں کے حصول کا وسیلہ قرار پایا، انہوں نے مولانا شبلی کی طرح اپنا بیشتر وقت کتب خانوں میں بسر کیا۔ مطالعہ و مشاہدہ اور تصنیف کے لیے ایسے مواقع کسی کو کم میسر آتے ہیں۔ ریاض میں جہاں علمی اور ادبی سرگرمیاں عروج پر رہتی ہیں وہاں بیش بہا کتابوں کا ذخیرہ بھی ادب سے شغف رکھنے والے کے لیے مصروفیت کا بہانہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ پروفیسر حسین سحر کو اپنے زمانہ قیام میں یک سوئی کے ساتھ پڑھنے اور کتابوں کی ورق گردانی کے علاوہ غور و فکر کرنے کی مہلت نصیب ہوئی۔

پروفیسر حسین سحر کی شخصیت میں کمال جاذبیت اور ان کی ہنرمندی میں ایسی کشش ہے کہ باید و شاید یہ دو صفات کسی ہم عصر میں یکجا نظر آئیں۔ ان کی طبیعت میں سوز و ساز، رکھ رکھاؤ اور گفتگو میں علمیت کا اعتراف نہ کرنا بخیلی کہلائے گی، ملتان میں اور بھی بہت سے باکمال لوگ موجود

ہیں، ان میں ڈاکٹر عاصی کرنالی اسی سلسلہ صدق و صفا کی روشن مثال ہیں شاعری تنقید اور تحقیق میں ان دونوں صاحبان علم کا نام لینے سے پہلے چشم تصور کا باوضو ہونا ضروری ہے اور اب کہ جناب حسین سحر نے وہ کارنامہ سرانجام دیا کہ ان کے تحفہ عظیم فرقان عظیم کا مطالعہ کرنا تلاوت کرنے کے مترادف ہے۔ انہوں نے اس آزاد نظم کی صورت میں ہر سورت کا ترجمہ کرنے سے پہلے توفیق خداوندی کی دعا مانگی ہوگی اس ترجمے کا معیار اتنا محکم اور سہل ممتنع کے مصداق ہے کہ اس سے بہتر کا تصور ممکن نہیں زبان سلیس با محاورہ عام فہم اور رواں ہے دوسرے یہ کہ منفرد انداز اظہار اور ترجمے کیلئے مخصوص ہیئت اور بحر کو ملحوظ رکھنا اور تمام سورتوں میں ایسی مترنم بحر کا التزام پیش نظر رکھنا ان کے ذوق سلیم کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انہوں نے تمام مروجہ اور مقبول ترجموں کے علاوہ ہر مکتب فکر کے شعری تراجم سے استفادہ کیا ہے اتحاد بین المسلمین کے عظیم تر مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے یہ سعی، مشکور بھی کی کہ فقہی اور مسلکی اختلافات کو کم کرنے پر توجہ کی جائے اور وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

نظم آزاد کی تعریف یہ ہے کہ آغاز سے انجام تک کسی ایک بحر میں مطالب بیان کرتے ہوئے مخصوص آہنگ اور زیر و بم کا تسلسل فہم و ادراک کے دریچے وا کرتا قاری کے ذہن کو تازگی بخشنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ نظم آزاد میں آورد کی بجائے فطری بہاؤ اور صوری حسن و جمال ابھر تا دکھائی دیتا ہے۔ بظاہر یہ تخلیقی عمل آسان لگتا ہے لیکن الفاظ کے انتخاب میں احتیاط ضروری ہوتی ہے۔ مترادف الفاظ میں لفظ کا چناؤ شاعر کے ذوق نظر کی آزمائش اور فکری بصیرت کا مرحلہ جاں گداز ہوتا ہے۔ حسین سحر نے قرآن پاک کی آیات بینات کے ترجمے میں منظوم ترجمانی کے پیش نظر وسعت مطالعہ اور تقابلی مشاہدہ سے کام لیا، ہوسکتا ہے کہ بعض جگہ ترجمہ کرتے ہوئے وہ خود تذبذب میں مبتلا ہوئے ہوں اور بقول حالی:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھئے جا کر نظر کہاں

اس صورتحال میں انہیں بہتر سے بہتر کی تلاش میں نئی لائنیں ترتیب دینے کی ضرورت پڑی

ہوگی اور فرقان عظیم کی عظمت کا خیال انہیں معانی ومفہوم کی وضاحت میں ترمیم کی طرف مبذول کرنا پڑا ہوگا اور یوں آغاز سے انجام تک دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہرا ہونے تک کے مصداق کتنے مراحل طے کرنا پڑے ہوں گے۔

آخر میں حسین سحر کے نظم آزادی کی ہیئت میں ایک مختصر سورۃ کا ترجمہ پیش کرنا اور اس مختصر تبصرے میں شامل کرنے کا خیال آنا لازمی سی بات ہے چنانچہ سورۃ تین 95 کا منظوم ترجمہ ہدیہ قائین ہے۔

خدا کے نام سے جو مہرباں بے حد نہایت رحم والا ہے۔

قسم انجیر کی زیتون کی

اور طور سینا کی

قسم اس امن والے شہر (مکہ) کی

کہ ہم نے بہترین صورت میں انسان کو کیا پیدا

پھر اس کو (کر کے بوڑھا) پست سے بھی پست حالت کی طرف لوٹا دیا ہم نے

مگر جو لائے ایماں اور جنہوں نے نیکیاں کیں

اجر ہے بے انتہا ان کا

پھر اس کے بعد (اے مرسل) بھلا کون آپ کو جھٹلائے گا۔

روز جزا کے سلسلے میں؟

کیا نہیں اللہ سارے حاکموں کا حاکم اعلیٰ؟

پروفیسر حسین سحر نے یہ آزاد نظم کی دل آویز ہیئت اختیار کر کے منظوم ترجمہ کیا یقیناً بارگاہ خداوندی میں شرف قبولیت حاصل کر چکا ہے، ہم اس خیر عمل کے بجالانے پر دل کی گہرائی سے ان کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں ان کو اجر عظیم اور ان کے نیک فرزندوں کو رزق بے بہا مرحمت فرمائے کہ اس کار خیر کے جملہ مصارف انہوں نے بخوشی برداشت کیے ہیں۔

فرقان عظیم.....حسین سحر کا قابل قدر کارنامہ

ازسید عارف معین بلے (لاہور)

قرآن حکیم رُشد و ہدایت کا ابدی سرچشمہ' جملہ علوم کا مخزن' عرفان و حکمت کا منبع اور معرفت کا بحر ذخار ہے، یہ انعام بھی ہے اور عطا بھی، شفا بھی ہے اور غذا بھی، لطف بھی ہے اور مزا بھی، ہمسفر بھی ہے اور رہنما بھی۔ اس کی آیات بینات ہی میں نہیں اس کے حرف حرف میں بلکہ حرف حرف کے ہر زیر، زبر، پیش، جزم، شوشے اور نقطے میں مطالب اور معانی کے جہان آباد ہیں۔

سن دو ہزار ایک میں 9\11 کا جو سانحہ ہوا۔ اس سے کون واقف نہیں۔ قرآن حکیم کی ایک آیت میں بلند و بالا عمارات کی تباہی و بربادی کا ذکر ہے، اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ وہ آیت قرآن پاک کے گیارہویں پارے اور سورۃ نمبر 9 یعنی سورہ توبہ میں ہے اور اس سورۃ میں کل الفاظ 2001 ہیں۔ اس سے بھی حیران کن بات یہ ہے کہ اس آیت کا نمبر 110 ہے اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی عمارت بھی 110 منزلہ تھی۔

بلا شبہ قرآن حکیم میں صدیوں بعد پیش آنے والے واقعات اور سانحات کے واضح اشارے موجود ہیں لیکن قرآنی آیات پر تفکر اور تدبر کے نتیجے ہی میں یہ اسرار کھلے۔

قرآن حکیم محض الہامی کتاب، مستطاب نہیں، ام الکتاب ہے۔ جو ہر دور کی ضروریات اور تقاضوں میں رہنما ثابت ہوئی ہے اور آنے والے ہر دور میں رہنما رہے گی۔ یہ محض مقدس کتاب سمجھ کر حلف اٹھانے کے لئے نہیں ہے اور نہ ہی اس لئے ہے کہ اس پر خوبصورت جزوان چڑھا کر اسے کسی شوکیس کی زینت بنا دیا جائے۔ یہ قدم قدم پر رہنمائی کے لئے ہے، مشکل کشائی کیلئے ہے، کمزور لمحوں میں توانائی کیلئے ہے، برائی سے بچنے کے ساتھ ساتھ نیکی، خیر اور اچھائی کیلئے ہے۔

قرآن حکیم کی 6236، آیات، 558 رکوعات اور 114 سورتیں نزول کے بعد سے تبدیل نہیں ہوئیں اور نہ ہی قیامت تک ان میں کسی ترمیم' تبدیلی یا تحریف کا کوئی امکان ہے کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب قرآن وہی ہے جو چودہ سو برس

پہلے بتدریج مدینۃ العلم والحکمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تو پھر اس کے ایک زبان میں ایک سے زیادہ تراجم کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ کیا ایک ترجمہ کافی نہیں؟ کیا ہر ترجمہ کسی الگ مسلک یا فرقے کا ترجمان ہے؟ اگر اسے بھی درست مان لیا جائے تو پھر ایک ہی مسلک کے پیروکاروں نے ایک سے زیادہ تراجم کیوں کئے؟ اور یہ سلسلہ ہنوز کیوں جاری ہے؟ اس کیوں کا جواب عقل کے بجائے قرآن حکیم سے معلوم کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے تسلسل اور تواتر کے ساتھ قرآنی مضامین اور اس کی آیات پر غور وفکر کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ انسان کا شعور جتنا بڑھتا جاتا ہے، سوچ کے نئے دروا ہوتے جاتے ہیں اور سوچ کے نئے در کھلنے سے قرآن حکیم کے نئے اسرار، نئے مطالب' نئے رموز اور نئے معانی کھلتے جاتے ہیں، یہ قرآن پاک کا اعجاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کیلئے ہمیں ایک جامع دستور' انسانیت کی اصلاح وفلاح کا منشور بتوسل حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرحمت فرما دیا ہے اور ہر مترجم اپنے شعور کی آنکھ سے جب اسے دیکھتا، پڑھتا، سمجھتا اور اس پر غور کرتا ہے تو اس پر بہت سے مخفی مفاہیم روشن ہو جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ عہد رسالتؐ سے شروع ہوا اور قیامت تک جاری رہے گا کیونکہ یہ منشائے مشیت بھی ہے اور منشائے رسالتؐ بھی، اسی میں نجات بھی ہے اور ہماری عافیت بھی، دین اور دنیا میں کامرانی بھی ہے اور ہر شعبہ زندگی میں آسانی بھی، اسی بات میں اللہ تعالیٰ کی ان گنت حکمتیں بھی مضمر ہیں اور ہمارے لئے بصیرت کا سامان بھی۔

پروفیسر حسین سحر نے قرآن حکیم کا منظوم اردو ترجمہ فرقان عظیم کے عنوان کے تحت کیا ہے، یہ عنوان ہی ایسا ہے جسے پڑھ کر قرآن حکیم کا نسخہ کیمیا نظروں کے سامنے آجاتا ہے، اس عظیم الشان ادب پارے میں قرآن حکیم کے معانی کی تجلیات، اللہ رب العزت کے ارشادات اور ابدی احکامات کا حسن بڑے دلکش پیرائے میں موجود ہے۔ بلاشبہ قرآن حکیم کے جو منظوم تراجم اس سے پہلے کئے گئے۔ ان کی اپنی جگہ اہمیت ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس باب میں یہ ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ جس سے اردو ادب کا دامن وسیع بھی ہوا ہے اور وقیع بھی۔ جو اہل شوق اور صاحبان ذوق قرآنی تعلیمات سے مستفید اور اس کی آیات بینات کے مفاہیم و معانی

سے مستفیض ہونا چاہتے ہیں، انہیں عربی متن کے ساتھ تمام آیات قرآنی کے مطالب منظوم پیرائے میں دستیاب ہو گئے ہیں اور جو دلدادگان ادب قرآنی تعلیمات سے دور ہیں۔ انہیں اس فن پارے کی صورت میں قرآنی مفاہیم ومطالب سے آگاہی ہو سکے گی، اللہ تعالیٰ کے آخری کلام کا ادراک ہو سکے گا اور اس طرح ان کا دل اور دماغ بھی وسوسوں اور اندیشوں سے پاک ہو سکے گا، ادبی ذوق کی تسکین کے سامان کے ساتھ ساتھ قرآن وفرقان کا عرفان اور حق وباطل کے امتیاز کی شکل میں خیر وشر کا گیان حاصل ہو سکے گا۔ حسین سحر نے اسے محض ترجمہ نہیں' قرآنی معانی کی ترجمانی کا نام دیا ہے۔ ہر زبان کا اپنا حسن، اپنا رنگ، اپنا آہنگ اور اپنا انداز ہوتا ہے، کسی دوسری زبان میں ترجمہ کر بھی دیا جائے تو بعض اوقات مفاہیم ومعانی کا ابلاغ نہیں ہو پاتا۔ اسی لئے حسین سحر نے ترجمے کے ساتھ ساتھ مطالب اور معانی کی ترجمانی بھی کی ہے۔ اس فن پارے کی ایک انفرادیت یہ بھی ہے کہ حسین سحر نے آزاد نظم کو وسیلہ اظہار بنایا ہے۔ اس سے پہلے اردو میں قرآن پاک کے جو منظوم تراجم ہوئے۔ وہ پابند شاعری کے تحت کئے گئے اور جب بھی ردیف وقوافی کو لے کر کوئی فنکار آگے بڑھتا ہے تو وہ ردیف وقوافی کا پابند ہو جاتا ہے۔ جبکہ ضروری نہیں کہ دستیاب ردیف و قوافی قرآنی مفاہیم اور معانی کی ترجمانی کر سکیں۔ اس طرح ادبی سطح پر کوئی ترجمہ جاندار بلکہ شاندار بھی رہا تو دوسری طرف ترجمانی کے تقاضے کہاں تک پورے ہو سکے ہوں گے؟ اس حوالے سے ان تراجم پر غور کر کے ہی آپ کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ آزاد نظم لکھ کر حسین سحر ترجمے اور ترجمانی میں بڑی حد تک آزاد رہے۔ وہاں انہیں اپنے مقصد کی تکمیل میں بھی آسانی کے ساتھ خاطر خواہ کامرانی نصیب ہوئی۔ قرآن حکیم کے مطالب ومعانی کی ترجمانی بھی درحقیقت قرآن مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔

شرح آیات حدیث نبویؐ ہوتی ہے
آپؐ کہتے ہیں وہی کچھ جو وحی ہوتی ہے

سید فخر الدین بلے مرحوم نے اس شعر میں اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ بلاشبہ امی لقب مدینۃ العلم والحکمت اور صاحبؐ ام الکتاب نے کھول کھول کر قرآنی مطالب ومفاہیم کو بیان فرمایا،

بایوں کہیے کہ قرآن حکیم جس زبان میں نازل ہوا۔اسی میں اس کی ایک ایک آیت کی ترجمانی کو ضروری سمجھا گیا،احادی مبارکہ کی صورت میں ہمارے پاس جوعلمی خزائن موجود ہیں۔ان کے بغیر قرآن تعلیمات کو سمجھا ہی نہیں جاسکتا اورانہیں احادی۔مقدسہ کی بناء پر قرآن کی تعلیم اوراس کی آیات کی تفہیم آسان ہوئی۔عبداللہ ابن عباسؓ نے بھی اسی سنت کی پیروی میں ''ترجمان القرآن'' کی حیثیت سے قابل قدر خدمات انجام دیکر نام مقام اوراحترام کمایا۔اسلام کی کرنیں سرزمین عرب کی حدوں اورسرحدوں سے باہر نکلیں تو دوسری زبانوں میں اس کی ترجمانی اوران کے معانی کی تفہیم کی ضرورت محسوس ہوئی،باب العلم حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے خلیفہ حضرت سلمان فارسیؓ نے فارسی زبان میں قرآنی آیات کا ترجمہ اورترجمانی کر کے اہل فارس کواس کتاب عظیم قرآن حکیم کے معانی سے روشناس کرانے کا اعزاز حاصل کیا،پھر جس جس دیس میں اسلام پھیلتا گیا۔وہاں کی زبانوں میں قرآن حکیم کے تراجم کالامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا،جو نیوز جاری ہےاور قیامت تک جاری رہے گا۔حسین سحر کی یہ قابل قدر کاوش بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

فرقان عظیم .....دراصل ایک مکمل اورطویل نظم ہے۔ہرآیت کے سامنے اردو میں منظوم ترجمہ ہے۔اس سے کسی بھی آیت کے مفہوم کو سمجھنا یقیناً آسان ہوگیا ہے۔اس لئے کہ قرآنی عبارت سامنے نہ ہوتی اور ہرآیت کے سامنے اس کا منظوم ترجمہ درج نہ کیا جاتا تو قرآن کے مطالب اورمعانی کو پڑھنا۔پرکھنااورسمجھنا آسان نہ ہوتا۔بلاشبہ یہ منظوم ترجمہ اتنا سادہ،اتنارواں ،اتنا بھرپور۔اتنا دلکش اوراتنا رسیلا ہے کہ قاری اس کے ساتھ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے کب کوئی سورۃ ختم ہوئی اورکہاں سے نئی سورۃ شروع ہوئی۔اس کا احساس تک نہیں رہتا۔ایسا لگتا ہے کہ حسین سحر نے قاری کی انگلی کوتھام رکھا ہےاوروہ اسے اپنے ساتھ لے کرچل رہے ہیں۔اس ادبی کارنامے کی ایک اورانفرادیت یہ ہے کہ حسین سحر نے مدینۃ الاولیاء سے مدینۃ النبیؐ میں منتقل ہونے کے بعد دیار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مطالب قرآنی کو اردو کی زبان اوراردو ادب کونئی جان بخشی۔جس سرزمین پراللہ تعالیٰ کی آخری کتاب نازل ہوئی۔وہیں قیام کیا..... اللہ کے کلام سے کلام کیا۔اپنی تخلیقی صلاحیتوں کواحسن الخالقین کے نام کیااورقرآنی معانی کومنظوم

کرنے کا اہتمام کیا۔جو سعادت حسین سحر کوحجاز مقدس میں حاصل ہوئی۔وہ بلاشبہ ایک بڑی عبادت ہے۔شاید انہیں اذن سفر ہی اس لئے ملا تا کہ وہ دنیا کے سب سے متبرک مقام پر یہ کارخیر انجام دے سکیں۔آقائے نامدار سے غیر معمولی عقیدت اہل بیت اطہار سے والہانہ محبت اورام الکتاب سے دلی مودت ہی فرقان عظیم کی تشکیل وتدوین کا موجب بنی اور بلاشبہ ان رنگوں نے اسے مزید رعنائی اورحسین سحر کے قوت اظہار کودلکشا توانائی عطا کی ہے۔اسی لئے اسے جتنی توجہ اور محبت سے پڑھا جائے یہ دل پراثر کرتا بلکہ دل وجاں میں گھر کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

اردو ادب کا بلاشبہ یہ قابل قدر کارنامہ ہے،حسین سحر کو چاہے ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا نہ ہولیکن انہوں نے برسوں کی ریاضت سے اپنی خداداد تخلیقی صلاحیتوں اورتوانائیوں کو جو جلد بخشی تھی۔اس کی ''تنویر'' اور ''تجلی'' اس کے آئینے میں دیکھی اورمحسوس کی جاسکتی ہے۔یہ اداروں کا کام ہے جوانہوں نے تن تنہا کیا ہےاوراس لئے کرلیا ہے کہ انہیں غیبی مدد حاصل رہی ہےاور بلاشبہ غیبی مدد کے بغیر قرآن حکیم کے حوالے سے اتنا بڑا کام انجام نہیں دیا جاسکتا۔حسین سحر نے اس سے پہلے بھی زمین شعر میں تقدیس 'تطہیر' توصیف' تجلی 'مودت' سعادت اورتنویر کی صورت میں جوتخم ریزی کی تھی۔یہ تناورپیڑ انہی سے پھوٹا ہے،یہ ایک شجر نہیں بلکہ سرسبز وشاداب باغ ہے۔جس کی رنگارنگی وقت گذرنے کے ساتھ کم نہیں ہوگی بلکہ مزید نکھر کر سامنے آئے گی اوراس کی خوشبو شام جان کومہکاتی رہے گی۔قرآن حکیم کے معانی کی منظوم ترجمانی کے حوالے سے اردو ادب کی تاریخ حسین سحر کے ذکر کے بغیر ادھوری رہے گی اور یہ ایک اتنا بڑا اعزاز اورامتیاز ہے جو ہمیشہ ان کا مقدر رہے گا۔

فرقان عظیم

ابن کلیم

حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم فرقان حمید کی آیات کا نثر میں ترجمہ کرنا بھی مشکل امر ہے چہ جائے کہ قرآنی مفاہیم و مطالب کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ نظم میں بیان کیا جائے۔ نثر کے مقابلے میں عام طور پر نظم کا پیرایہ بیان کے لئے زیادہ دلکش اور موثر ہوتا ہے، چنانچہ جب منظوم ترجموں کا ذوق قبل ازیں بیدار ہوا تو کئی قادر الکلام شعراء کرام نے اس سعادت میں حصہ لیا لیکن سوائے چند ایک کے اکثر مترجمین نے یہ کام جزوی طور پر کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ ان میں سے بیشتر ترجموں کی زبان زیادہ سہل، رواں اور با محاورہ نہیں۔ تیسری بات یہ کہ اکثر مترجمین کے یہاں فطری طور پر اپنے اپنے مکتب فکر کی چھاپ دکھائی دیتی ہے اور یوں شاید ہی کوئی ایسا ترجمہ ہوگا جو مسلکی اختلافات سے بالاتر ہو اور ہر مکتب فکر کے لئے قابل قبول ہو۔

حسین سحر صاحب کی قلبی، فکری اور روحانی کاوش بار آور ہوئی تو یہ ترجمہ قرآن ''فرقان عظیم'' کے نام سے موسوم معرض وجود میں آیا جو آپ حضرات کے سامنے جلوہ گر ہے۔ جو اردو میں قرآن پاک کا مکمل منظوم ترجمہ ہے بلکہ اسے ترجمے کی بجائے قرآنی مطالب مفاہیم کی ترجمانی کہا جائے تو زیادہ موزوں اور مناسب ہوگا۔ کلام اللہ تو معانی و مطالب کا وسیع سمندر ہے اور پھر عربی زبان جو کہ فصاحت و بلاغت کا منبع ہے، اس مقدس کتاب اللہ کا کسی زبان میں بھی ترجمہ کرنے والا ہر چند کوشش کے باوجود ترجمہ کا حق ادا نہیں کر پاتا۔ سیماب اکبر آبادی اور عبدالعزیز خالد نے بھی منظوم تراجم قرآن کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔

جناب حسین سحر نے ''فرقان عظیم'' کی ترتیب و تشکیل سے قبل خود کو بڑی تحقیق و جستجو سے گزارا۔ کم و بیش 67 تراجم و تشریح والے قرآن پاک جو مختلف ادوار میں صاحبان علم و فہم نے ترتیب دیتے تھے ان سب کا حتی الامکان بنظر عمیق مطالعہ مشاہدہ اور موازنہ کیا۔ تب کہیں جا کر انہوں نے حجاز مقدس میں رہ کر اس ترجمہ کا بیڑا اٹھایا اور اس میں یقیناً صاحب قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانی رہنمائی بھی انہیں میسر آئی ہوگی، کیونکہ اس نوعیت کے بڑے کام بتوفیق ایزدی اور بنظر نبویؐ ہی ہوتے ہیں، اس ترجمے کی جو خوبیاں میں نے پائی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں زبان سلیس ہے، عام فہم اور رواں ہے، کسی خاص مسلک کا ترجمان نہیں ہے یعنی

کوئی مخصوص مسلکی چھاپ نہیں لگی اس لئے یہ ترجمہ ہمارے معروف مکاتب فکر شیعہ، سنی (دیوبندی، بریلوی) اور اہلحدیث ان سب کے لئے زیادہ سے زیادہ قابل قبول ہوگا۔

یہاں یہ امر بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ فقہی اور مسلکی اختلافات کو اگرچہ پورے طور پر ختم نہیں کیا جا سکتا مگر اتحاد بین المسلمین کے عظیم تر مقصد کے پیش نظر اگر کوشش کی جائے تو ان اختلافات کو کم تو کیا جا سکتا ہے۔ اسی مخلصانہ نظریہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جناب حسین سحر نے اس ترجمے میں یہی کوشش کی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ بہت حد تک کامیاب اور حسین کوشش ہے، جہاں تک اسلوب کا تعلق ہے پابند یا مقفیٰ کی بجائے آزاد نظم کی ہیئت میں ایک ہی بحر میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کا ترجمہ دیکھئے:۔ ''خدا کے نام سے جو مہربان بے حد نہایت رحم والا ہے۔'' سورۂ الرحمٰن کی معروف آیت جو بار بار دہرائی گئی ہے ''فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰن'' کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے ''بھلا جھٹلاؤ گے تم اپنے رب کی نعمتیں کیا کیا؟''

اسی طرح یہ آیت دیکھئے:۔

''يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْر'' ترجمہ ہے:۔

''وہ تو آنکھوں کی خیانت اور سینوں میں چھپی باتوں کو بھی ہے جانتا۔'' ایک اور آیت اس طرح سے ہے۔ ''خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ'' O مفہوم یوں ہے:۔ ''اسی نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا ہے برحق''

وَ صَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ O

ترجمہ حسین سحر صاحب نے یوں کیا ہے:۔

''اور تمہاری صورتیں اس نے بنائی ہیں بہت اچھی''

قرآن کریم کے بارے میں ایک یہ آیت مبارکہ:۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا O

ترجمہ کا مفہوم یوں ہے:۔ ''اتارا آپ پر آہستہ آہستہ یہ قرآن ہم نے اے مرسل''

اور آخر میں اس آیۂ مبارکہ کا حوالہ:۔

''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ''

ترجمہ ''تو نیکی جس نے ذرہ بھر بھی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا''

حسین سحر کا منفرد منظوم ترجمہ قرآن

شاکر حسین شاکر

آٹھ سال پہلے پروفیسر حسین سحر نے محکمہ تعلیم سے ریٹائرمنٹ حاصل کرنے کے بعد پاکستان سے سعودی عرب ہجرت کی تو احباب کا خیال تھا کہ پروفیسر حسین سحر اپنے نامکمل تخلیقی کاموں کو فرصت میں مکمل کریں گے۔ سعودی عرب جانے کے ایک سال بعد وہ واپس آئے تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اپنی فراغت کو مصروفیت میں یوں تبدیل کیا کہ وہ آج کل قرآن پاک کا منظوم ترجمہ کر رہے ہیں۔ ان کے اس کارنامے کی خبر جب دوستوں کو ہوئی تو انہوں نے حیرت کی بجائے خوشی کا اظہار یوں کیا کہ اکر لوگ ریٹائرمنٹ کے بعد باریش ہو جاتے ہیں اور حسین سحر نے قرآن پاک کا منظوم ترجمہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ملتان میں ان کے اعزاز میں پہلی تقریب کرنے کا اعزاز معروف قانون دان اور عاشق رسولؐ پیر زادہ عبدالسعید کو حاصل ہوا۔ جس میں انہوں نے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو اپنے گھر میں جمع کیا، وہاں پر پہلی مرتبہ حسین سحر نے قرآن پاک کے منظوم ترجمے کے اقتباسات سنائے، قرآن پاک کا منظوم ترجمہ پابند یا مقفیٰ کی بجائے آزاد نظم کی صورت میں ایک ہی بحر میں کہا گیا تھا جو منظوم ترجمہ قرآن کی صورت میں پہلی بار سامنے آیا۔ حسین سحر کے اس منظوم ترجمہ سے پہلے سیماب اکبرآبادی کا ''وحی منظوم'' ایسے منظوم ترجمہ تھا جس کو عوام الناس سے لے کر خواص تک پسند کیا گیا، اس سے پہلے عبدالعزیز خالد نے ''فرقان جاوید'' کے نام سے منظوم ترجمہ کیا۔ وہ ترجمہ اس لئے پذیرائی حاصل نہ کر سکا کہ ترجمہ کا اسلوب مشکل پسندی کا شکار ہو گیا۔ اس کے علاوہ ماضی بعید میں بہت سے نامور شعراء کرام نے قرآن پاک کے منظوم ترجمے کئے لیکن ان کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔

''فرقان عظیم'' پر بات کرنے سے پہلے میں ملتان کی شعری روایت کو دیکھتا ہوں تو مجھے یہاں قادرالکلام شعراء کی ایک طویل فہرست ملتی ہے۔ کوئی نعت رسول مقبولؐ کے ذریعے دھڑا دھڑ

شہرت کے زینے طے کرتا دکھائی دیتا ہے تو کسی نے غزل و نظم کے میدان میں اپنی شناخت بنائی مرثیے بھی کہے گئے اور سلام، منقبت اور مسدس کی کتب بھی سامنے آئیں۔ صد شکر کہ پروفیسر حسین سحر نے محکمہ تعلیم سے ریٹائرمنٹ لینے کے بعد پی ایچ ڈی کا نہیں سوچا ورنہ شعری دنیا کے قارئین فرقان عظیم سے محروم رہ جاتے۔ پروفیسر حسین سحر نے قرآن پاک کا منظوم ترجمہ کیوں کیا، اس کا جواب وہ فرقان عظیم کے دیباچے میں یوں دیتے ہیں کہ ''اگرچہ قرآن مجید سے مجھے شروع ہی سے ایک ذہنی لگاؤ تھا، لیکن جب میں نے علوم اسلامیہ میں ایم اے کرنے کا ارادہ کیا تو اس عظیم الہامی کتاب کے مطالعے میں میری دلچسپی اور بڑھ گئی۔ اس عرصے میں اس کے مختلف تراجم و تفاسیر کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا ترجمہ بھی ہونا چاہیے جس میں تمام اہم مکاتب فکر کے تراجم کی خصوصیات موجود ہوں اور یوں وہ سب کے لئے قابل قبول ہو۔ چنانچہ اس ترجمہ کا بنیادی محرک بھی یہی احساس ہے''۔

پروفیسر حسین سحر کو قرآن پاک کا منظوم ترجمہ میں آسانی اس لئے بھی ہوئی کہ وہ پہلے سے ہی حمد، نعت، سلام، منقبت، غزل اور نظم میں طبع آزمائی کر رہے تھے۔ ان کے بے شمار شعری مجموعے بھی منظر عام پر آ چکے تھے۔ وہ اب ایسا تخلیقی کام کرنا چاہتے تھے جس سے ان کے شعری جوہر مزید نکھر کر سامنے آتے۔ حجاز مقدس میں قیام کے دوران اگر وہ تبلیغ دین کی طرف آ جاتے، وہاں جا کر کسی ادارے سے وابستہ ہو جاتے۔ عربی زبان و ادب کی تاریخ میں نئے مباحث تلاش کرتے۔ یہ سب کچھ ان کے لئے بہت آسان تھا لیکن انہوں نے ایک ایسا راستہ اپنایا جو بہت مشکل تھا، جہاں پر ایک لفظ کی غلطی دین اسلام سے بغاوت کہلاتی ہے، انہوں نے اپنے سامنے بے شمار تراجم قرآن رکھے، منظوم تراجم قرآن کا مطالعہ بھی کیا اور پھر ایک ایسا ترجمہ کیا جو عام فہم ہے، فرقہ واریت سے بالاتر ہے، پڑھنے میں لطف آتا ہے، جو شعری محاسن ان کی شاعری میں ملتے ہیں وہی ہمیں ان کے منظوم ترجمہ قرآن میں دکھائی دیتے ہیں، اب یوں لگتا ہے وہ حسین سحر جو حمد و نعت، نظم و غزل کے ذریعے جانا پہچانا جاتا تھا۔ اس کی مستقل پہچان اب فرقان عظیم ہی ہو گی۔ ''فرقان عظیم'' کا جب مطالعہ کیا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں ایک ایسا ترجمہ قرآن پڑھ رہا ہوں جس کو

پڑھتے ہوئے مجھے یہ احساس بالکل نہیں ہوا کہ میرا اس مکتبہ فکر سے تعلق ہے۔ پروفیسر حسین سحر نے ترجمہ کے آغاز میں لکھا ہے کہ ''قرآن کا عام اسلوب بھی چونکہ نظم آزاد سے زیادہ قریب ہے۔ اس لئے میں نے ترجمہ کے لئے یہی اسلوب اپنایا۔ اگر چہ اس ہیئت کو اپنانے کے باوجود بھی کہیں کہیں مجھے اپنے بیان کی تنگ دامانی کا احساس بھی ہوا لیکن میں نے ہر جگہ زبان کو روزمرہ اور محاورے کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں میں نے شعریت کی زیادہ پروا نہ کرتے ہوئے مطالب ومفہوم کی ترجمانی کو مقدم رکھا ہے، یوں اول تا آخر تمام ترجمہ گویا ایک بحر میں ایک طویل نظم کی شکل میں ہے'' آخر میں پروفیسر حسین سحر کا سورۃ زلزال کا کیا ہوا ترجمہ ملاحظہ کریں اور دیکھیں پروفیسر حسین سحر نے کتنا مشکل ترجمہ کتنی آسانی سے کیا ہے۔ خدا کے نام سے جو مہرباں بے حد' نہایت رحم والا ہے، ہلا دی جائے گی ساری زمیں جب زلزلے سے (1) اور زمین اندر کے سارے بوجھ باہر پھینک دے گی (2) اور انساں پھر کہے گا' یہ اسے کیا ہو گیا ہے؟ (3) وہ بیاں کر دے گی سب حالات اس دن (4) کیونکہ اس کو (اے پیمبر) آپ کا رب حکم یہ دے گا (5) اور اس دن لوگ اک اک کر کے قبروں سے نکل اٹھیں گے تا کہ ان کے سب اعمال ظاہر کر دیئے جائیں (6) تو نیکی جس نے ذرہ بھر بھی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا (7) اور برائی جس نے ذرہ بھر بھی کی ہوگی تو اس کو دیکھ لے گا وہ (8)۔

فرقان عظیم اور حسین سحر

(کتاب ایسی ہے یہ جس میں نہیں ہے شک کوئی)

ڈاکٹر خان محمد ساجد

کائنات کے بارے میں اب تک کا انسانی علم بتاتا ہے کہ تمام کائناتی نظام کچھ ازلی اور ابدی اصولوں یا قوانین کے تحت چل رہا ہے کیونکہ جو ربط و تعاون ہمیں مظاہر مادی کے درمیان نظر آتا ہے وہ ان قوانین کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہی یہ کائنات قائم رہ سکتی تھی۔ ان قوانین میں سے کچھ انسان نے اپنے طویل تجربے، تحقیق اور مشاہدات کی مدد سے دریافت کر لئے ہیں۔ انسان کی تمدنی ترقی انہی قوانین کو کسی حد تک سمجھنے کی وجہ سے ممکن ہوئی ہے ہماری زمین، تمام روشن و تاریک کہکشائیں، اجرام فلکی، بلیک ہولز سب انہیں قوانین میں جکڑے ہوئے ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ ان کی چار دیواری سے باہر جا سکے انہی قوانین کی بدولت ہمیں کائنات کے اندر ایک وحدت اور تعاون نظر آتا ہے۔ اسی کائناتی تعاون کے نتیجے میں آج سے کروڑوں سال پہلے ظہور حیات ہوا۔ اس کی ابتدائی صورت نفس واحدہ (unicellular arganism) کی شکل میں تھی۔ حیات کی اس ابتدائی شکل کی بنیاد بھی ازلی اور ابدی اصولوں پر تھی لیکن یہ ان کائناتی قوانین کی چار دیواری میں تغیر پذیر بھی تھی اور مختلف پیکروں میں ڈھلتی گئی یہاں تک کہ اسے شعور ذات حاصل ہوا۔ شعور ذات کے ساتھ اسے اختیار و ارادہ کی قوت بھی عطاء ہوئی دوسرے لفظوں میں حیات ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد انسانی پیکر کی شکل اختیار کر گئی اور بالآخر اس قابل ہو گئی کہ قدرت کی مختلف تخلیقی قوتوں کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کر سکے۔ اسی سے اس کائنات میں فساد پیدا ہونے کا خطرہ پیدا ہوا (جس کی طرف قرآن میں اشارات موجود ہیں) چونکہ انسان اپنے مقاصد کو اپنی عقل کی مدد سے وضع کرتا ہے اور تنہا عقل انسان کو مکمل طور پر صحیح سمت میں نہیں لے جا سکتی لہٰذا اس سے اس کی سماجی اور معاشرتی زندگی میں بھی فساد کا اندیشہ تھا اور انسان کی ابتدائی غیر متمدن اور بعد کی متمدن تاریخ اس کی گواہی بھی دیتی ہے اس فساد کو دور کرنے کے لئے خالق

کائنات نے انبیاء ورسل بھیجے جنہوں نے انسان کو بتایا کہ بے زمام عقل سے انسانی مسائل حل نہیں ہو سکتے۔اس کے ساتھ انہوں نے انسان کے اختیار وارادہ کے استعمال کے بارے میں انسان کو ابدی اصول اور قوانین بتائے انہی نفوس قدسیہ نے انسان کو سمجھایا کہ انسان اگر اپنے اختیار وارادہ کو تنہا عقل کی بنیاد پر اپنی مرضی سے استعمال کرے گا تو اس سے کائناتی اور سماجی فساد جنم لے گا جس کا انجام انسان کی داخلی اور خارجی دنیا کی تباہی ہے۔اس کے علاوہ چونکہ حیات ایک مسلسل عمل ہے اور انسانی موت سے مراد فنا نہیں بلکہ زندگی کی ایک شکل کا دوسری شکل میں منتقل ہونا ہے اس لئے اس دنیاوی زندگی کا فساد اخروی زندگی کے ارتقاء کو بھی متاثر کرے گا۔انبیاء نے یہ اصول و قوانین اپنے دور کی زبان میں تحریری شکل میں اپنی مخاطب اقوام کو دیئے (ان کا منبع وحی الٰہی تھا) ان تحریری شکلوں کو کتب سماویہ کہا جاتا ہے۔قرآن مجید اس سلسلے کی آخری کتاب ہے جو عربی مبین میں نازل ہوئی کیونکہ اس کے اولین مخاطب عرب تھے۔قرآن کی زبان اس قدر سادہ تھی کہ اس دور کے متمدن اور غیر متمدن (اعراب) لوگ اس کو بغیر کسی دقت کے سمجھ سکتے تھے گویا زبان بہت سادہ تھی لیکن اس میں فصاحت اور بلاغت کا عنصر تمام زبانوں سے زیادہ تھا یہی وجہ تھی کہ اس دور کے بڑے بڑے شعراء اور زبان دانوں کو بے اختیار کہنا پڑا کہ یہ انسان کا قول نہیں ہو سکتا۔(ماہذا قول البشر) چونکہ اصحاب رسول کا فہم قرآن بلند تھا اور انہیں صحبت رسول بھی میسر تھی اس لئے انہوں نے اپنی زندگیوں کو اس کی تعلیمات کے مطابق ڈھال لیا اور اس سے ان میں وہ اخلاقی اور تمدنی قوت پیدا ہوئی جس نے دنیا کے تمام انسانوں کی فکر کو متاثر کیا اور اس طرح تقریباً تین براعظم عرب کہ ان صحرانشینوں کے زیر نگین آ گئے۔

قرآن جب عرب سے عجم میں داخل ہوا تو متن کے لحاظ سے تو مکمل لیکن مفہوم کے اعتبار سے اس میں varability موجود تھی اس لئے عجمی لوگوں کو مفہوم کو صحیح روح کے ساتھ اپنے اندر اتارنے میں دشواریاں پیش آئیں گو بہت سے عجمی علماء نے عربی زبان میں مہارت حاصل کی اور اس کتاب کے مفاہیم (جو اس وقت متعین تھے) کو عوام الناس تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا لیکن عجمی مسلمانوں کی براہ راست قرآن تک رسائی تقریباً ناممکن تھی جو مذہب مسلمانوں میں فروغ

پایا وہ زیادہ تر فقہی تعبیرات وتصریحات پر مبنی تھا (اور ان کے بارے میں ان کے ماننے والوں کا عقیدہ تھا کہ یہ غیر متبدل ہیں) جن میں سے اکثر کی بنیاد فرقہ وارانہ تھی۔اسی وجہ سے عجم میں عجمی رسومات وعقائد اسلامی فکر کے ساتھ مل گئے اور مسلمانوں پر علاقائی تہذیبوں کا اثر کسی نہ کسی طرح موجود رہا (علامہ کے الفاظ میں، عجم ہنوز نہ داند رموز دیں) ان حالات میں ضرورت اس امر کی تھی کہ قرآن خالص کو رواج دیا جائے اور مسلمانوں میں قرآنی تفہیم کو اس انداز سے فروغ دیا جائے کہ ہر شخص دین کی مبادیات سے براہ راست آشنا ہو۔ایسا صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ قرآن کو مقامی زبانوں میں منتقل کر دیا جائے اس لئے بہت سے مسلمان علماء نے اس طرف توجہ دی اور قرآنی ترجموں کا آغاز ہوا۔برصغیر میں سب سے پہلے شاہ ولی اللہؒ نے قرآن پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔فارسی اس زمانے میں برصغیر کی سرکاری زبان تھی اور ہندوستان میں کافی سمجھی جاتی تھی۔ان کے بعد اسیر مالٹا مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے قرآن کا پہلی دفعہ اردو میں ترجمہ کیا۔اس کے بعد اردو تراجم کا ایک سلسلہ چل نکلا اور اب تک قرآن پاک کے ہزاروں تراجم ہو چکے ہیں ان تراجم سے عام مسلمانوں نے کس حد تک استفادہ کیا ہے؟ یہ سوال تحقیق طلب ہے کیونکہ ہمارے دور کے مسلمانوں پر قرآنی اثرات بہت کم نظر آتے ہیں مثلاً قرآن فرقہ بندی کو شرک قرار دیتا ہے لیکن ہمارے دور کے مسلمان فرقہ وارانہ وابستگیوں کو اپنے لئے فخر سمجھتے ہیں مختلف فرقوں کی آپس میں سر پھٹول قرآن سے دوری کی وجہ سے ہے (اس کے باوجود کہ سارے مسلمان بڑے احترام سے قرآن کو طاقوں سجا کر رکھتے ہیں) قرآن سے یہ دوری اس لئے ہے کہ مسلمانوں کو جو تراجم پڑھنے کو ملتے ہیں ان کی حیثیت عالمانہ تو ہو سکتی ہے لیکن ان پر کسی ایک فرقے کی چھاپ لگی ہوتی ہے اور یہ عوام کے اندر موجود فرقہ وارانہ تعصبات کو کم کرنے میں بہت کم کردار ادا کرتے ہیں بعض علماء نے تراجم کے ساتھ تفاسیر (جن کا انداز اکثر وبیشتر فرقہ وارانہ ہوتا ہے) بھی شامل کر دی ہیں جس کی وجہ سے تراجم کی کتب کی ضخامت بہت زیادہ ہو گئی ہے اور عام قاری کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ قیل وقال کی بحثوں پر غور کر کے ان کو پرکھ اور سمجھ سکے۔ضرورت اس امر کی تھی کہ قرآن کا ترجمہ ایسا ہو جو عام مسلمانوں کو آسانی سے سمجھ آ سکے اور اس میں کسی خاص فرقہ یا جماعت

کی تصریحات کو بنیاد نہ بنایا گیا ہو بلکہ یہ ایسا ہو جسے ہر مسلمان اور ہر عام انسان معقول خیال کرے اور امت مسلمہ میں تفرقہ کی خرابیوں کو ختم کرے تا کہ تمام مسلمان قرآن کے الفاظ میں بنیان مرصوص (سیسلہ پلائی دیوار) بن جائیں۔ یہ مقصد مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔ یہ مقصد علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری میں کسی حد تک حاصل کیا ہے۔ (بعد میں قائداعظمؒ نے اسی روح کو عملی طور پر آگے بڑھا کر پاکستان حاصل کیا) ان کی شاعری کی بنیاد قرآن ہے لیکن کسی فرقے کا مسلمان ان کی شاعری سے مشکل سے ہی اختلاف کرے گا۔ شیعہ، بریلوی، وہابی، دیوبندی سب اپنی تقریروں اور خطبوں میں علامہ کے اشعار دیوانہ وار گنگناتے اور حوالے کے طور پر پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی سے مسلمانان برصغیر میں ایک خاص عملیت پیدا ہوئی اور وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے میرے خیال میں اعجاز قرآنی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا لیکن انکی شاعری قرآنی آیات کا نفرادی مفہوم نہ تھی بلکہ ایک مجموعی پیغام تھی البتہ اس پیغام کی بنیادی خصوصیت اس کا غیر فرقہ وارانہ ہونا ہے۔ اس پیغام سے کم از کم یہ حقیقت ضرور ظاہر ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان دوریاں اتنی نہیں ہیں جتنی کہ قربتیں لہٰذا علامہ کی اس عظیم خدمت کے باوجود اس بات کی ضرورت موجود تھی کہ قرآن کی ایک ایک آیت کو لیا جائے اور اس کا مفہوم سادہ، عام فہم اور بالکل علامہ کی تقلید میں شعری زبان میں بیان کیا جائے تا کہ اس کی تفہیم کے ساتھ اس میں وہ اثر انگیزی پیدا ہو جو علامہ کے شعروں میں ہمیں نظر آتی ہے اس کے ساتھ یہ مفہوم ایسا ہو جو مسلمانوں کے تمام فرقوں کے نزدیک متفق علیہ ہو یعنی جس طرح تمام مسلمان قرآن کے متن پر متفق ہیں اس کے مفہوم پر بھی متفق ہوں یہ مقصد اگر حاصل ہو جاتا ہے تو مسلمان ایک جسد واحد کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ قرآنی اخلاق و کردار میں ڈھلے ہوئے یہ پیکر دنیا کو اسی طرح متاثر کر سکتے ہیں جس طرح قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے کیا تھا اور آج جو ایک دوسرے کا گلہ کاٹ رہے ہیں اس مفہوم کے زیر اثر ایک دوسرے پر جان دینے والے بن سکتے ہیں۔ میرا ذہن لاشعوری طور پر کسی ایسی ہی شخصیت کا منتظر تھا جو یہ کام کر دکھائے۔ آج جب میرے سامنے پروفیسر حسین سحر (خدا انہیں اجر عظیم عطاء کرے) کا کیا ہوا منظوم قرآنی ترجمہ فرقان

عظیم میرے سامنے آیا تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ علمی اور ادبی شخصیت حسین سحر ہی کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے گذشتہ دنوں ان سے گفتگو کے دوران مجھے اندازہ ہوا کہ یہ ترجمہ کرتے ہوئے انہیں بے حساب مشکل گھاٹیوں سے گزرنا پڑا ہوگا۔ زیادہ تر کام انہوں نے سعودی عرب میں کیا جہاں وہ اپنی قابلیتوں کی بنیاد پر بڑی پرکشش ملازمت بھی کر سکتے تھے لیکن انہوں نے حرمین شریفین میں بیٹھ کر اس عظیم کام کو مجاہدانہ ہمت اور اپنے فرزندان کے مالی تعاون کے ساتھ سرانجام دیا اور آٹھ سال سے زیادہ عرصہ اس عظیم علمی خدمت کی نظر کیا۔ کتاب کے آخر میں دی گئی فہرست کتب سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک ایک آیت کا مفہوم متعین کرنے میں قواعد عربی کے ساتھ ساتھ انہوں نے بیسیوں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اس کے علاوہ انہوں نے سائنسی حقائق کو بھی مدنظر رکھا ہے۔ اس ترجمے کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ ترجمہ وسیع حاشیوں سے بے نیاز ہے اس کے باوجود اس میں وہ تمام سامان موجود ہے جو تمام بڑی بڑی تفاسیر کا مقصود تھا۔ آخر میں چند آیات (یا آیات کے ٹکڑوں) کا ترجمہ نقل کرنا چاہتا ہوں۔ ان الفاظ کی سادگی، موسیقیت اور معنویت پر جتنا غور کرتے جائیں اتنی ہی روح جھومتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ھل جزآء الاحسان الا الاحسان فبای آء ربکما تکذبن	خدا کے نام سے جو مہرباں بے حد نہایت رحم والا ہے بھلائی کا بھلا بدلہ بھلائی کے سوا کیا ہے (رحمٰن، ۶۰) بھلا جھٹلاؤ گے تم اپنے رب کی نعمتیں کیا کیا (رحمٰن، ۶۱)
یمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطٰن فبای آء ربکما تکذبن	نکل بھاگو زمین و آسماں کے تم کناروں سے، اگر ہمت ہے تم میں اے گروہ جن و انساں! تم مگر جا ہی نہیں سکتے بغیر اس زور و قوت کے (جو تم رکھتے نہیں ہرگز)، (رحمٰن، ۳۳) بھلا جھٹلاؤ گے تم اپنے رب کی قدرتیں کیا کیا۔ (رحمٰن، ۳۴)

فیومئذ الا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان	کسی جن وبشر سے پوچھنے کی پھر ضرورت ہی نہیں ہوگی۔(رحمٰن،۴۰)
فبای الآء ربکما تکذبن	بھلا جھٹلاؤ گے تم اپنے رب کی حکمتیں کیا کیا۔ (رحمٰن،۳۴)
انی اخاف اللہ رب العلمین وھو الطیف الخبیر	کہ میں اللہ رب العالمین سے خوف کھاتا ہوں بہت باریک بیں اور باخبر ہے وہ (انعام،۱۰۳)
فینبئکم بما کانو یعملون	وہ بتلائے گا ان کو جو وہ کرتے تھے (انعام،۱۰۸)
فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین ولو الکفرون	تو اللہ کو پکارو تم عبادت کر کے خالص، چاہے یہ کافر برا مانیں۔(مومن،۱۴)

اوپر دی گئی آیات میں (الآء) کا ترجمہ کرتے ہوئے تین مختلف الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔نعمتیں،قدرتیں،حکمتیں۔اس سے ان آیات اور پچھلی آیات کے درمیان جہاں ایک معنوی ربط پیدا ہوگیا ہے وہاں ترجمہ کی خوبصورتی میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا ہے (الآء) کے یہ تینوں معانی قدیم عربی زبان میں ملتے ہیں۔آخر میں پروفیسر حسین سحر کو اس لافانی کام پر مبارکباد پیش کرتا ہوں مجھے امید ہے کہ اگر مسلمانان پاک و ہند اس منظوم ترجمانی کا مطالعہ کریں تو وہ اس حقیقت کو پالیں گے جو ہماری راہ عمل متعین کرتی ہے۔

تو اگر می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

ترجمے میں مزید بہتری لانے کیلئے میں اپنے آپ کو کسی تجویز کے قابل تو نہیں سمجھتا لیکن کچھ تجاویز ذہن میں ابھرتی ہیں جو نہایت احترام کے ساتھ پیش کرنا چاہتا ہوں:

(۱) اس ترجمے میں ایک چیز جو میں نے محسوس کی ہے کہ اگر کوئی ایک آیت حوالے کے طور پر کہیں لکھنی ہو تو اس آیت کا ترجمہ لکھتے وقت اکثر دفعہ ایک رکن آدھا یا تہائی لکھا جائے گا کیونکہ آیات کو مسلسل بحر جوڑ دیتی ہے میری ناقص رائے میں اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

(۲) ہمارے دور میں سائنسی ترقی نے ان قدیم تصورات کو بالکل بدل کر رکھ دیا ہے جو قدیم زمانے سے زندگی اور کائنات کے بارے میں چلے آرہے تھے لہٰذا اب نئے تصورات کو ذہن میں رکھتے ہوئے یا ان کی روشنی میں قرآنی آیات کے مفہوم و مطالب میں مزید وسعت کی گنجائش میرے خیال میں باقی ہے۔مصنف کو اس طرف مزید توجہ دینی چاہئے (گویا اس میں شک نہیں انہوں نے اس طرف قابل ستائش حد تک توجہ دی ہے)۔میرے خیال میں قرآن کو زیادہ سمجھنے کیلئے قدیم عربی جو قدیم عرب شاعری میں ملتی ہے (کیونکہ کسی زبان کے الفاظ کا مفہوم بھی وقت کے ساتھ بدلتا ہے) اور سائنسی علوم سے مدد لی جائے تو اور بھی اچھا ہے۔مسالک کی تشریحات ایک خاص عہد کی نمائندگی کرتی ہیں۔ہمارے عہد میں ان کو ہو بہو مان لینا مناسب نہیں۔قرآن کو قرآن سے اور سائنسی علوم کی روشنی میں سمجھنا زیادہ ضروری ہے۔اس سلسلے میں علامہ غلام احمد پرویز صاحب کی بہت سی کتابیں مثلاً لغات القرآن، مفہوم القرآن اور ڈاکٹر عبدالودود کی کتاب Koran and the phenomenon of nature مطالعے کے قابل ہیں۔میرے خیال میں انسانی علم جیسے جیسے ترقی کرتا جائے گا قرآنی مفہوم اسی نسبت سے زیادہ واضح ہوتا جائے گا۔اس بات کی وضاحت میں قرآنی آیت "الشمس تجری لمستقر لھا" کے حوالے سے کرنا چاہوں گا۔زمانہ ماضی میں اس کا مفہوم یہ لیا گیا کہ سورج متحرک ہے اور زمین ساکن ہے اور یہ کہ سورج زمین کے مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے لیکن موجودہ سائنسی اور جغرافیائی معلومات اس مفہوم کی نفی کرتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ زمین اور سورج دونوں متحرک ہیں اور اپنے اپنے راستوں پر گامزن ہیں سورج کا طلوع و غروب سورج کی زمین کے مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کی وجہ سے نہیں بلکہ زمین کی اپنے محور کے گرد حرکت (rotation) کی وجہ سے ہے لہٰذا ان سائنسی حقائق کو ذہن میں رکھیں گے تو ہمیں قدیم مفہوم میں تبدیلی لانی پڑے گی اس طرح "مستقر" کا مفہوم اگر Orbit یا Plane لیا جائے تو بات زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

پھول اور تارے

عابد نظامی

''بچوں کے لئے لکھنا بڑا مشکل ہے'' یہ جملہ دن میں کئی بار سننے میں آتا ہے لیکن جب بچوں کے لٹریچر پر نظر ڈالتے ہیں، تو وہاں اور چیز مشاہدے میں آتی ہے یعنی بچوں کے لٹریچر لکھنے والے سب ہی بچے ہوتے ہیں، کوئی پرائمری کا طالب علم اور کوئی مڈل کا، گویا بچوں کے لئے لکھنا محض بچوں کا کھیل ہے، یا اگر بچوں کے لئے لکھنا بہت مشکل ہے تو اس مشکل کو محض بچے ہی آسان کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بچوں کی غلط سلط نظم ونثر کے نمونے آئے دن پاکستان کے بڑے بڑے پرچوں میں نظر آتے رہتے ہیں۔

میرے خیال میں محض یہی بات بچوں کے ادب میں جمود کا باعث ہے، ہمارے بڑے ادباء اور شعراء جن میں سید عابد علی عابد، حفیظ جالندھری، احمد ندیم قاسمی وغیرہ شامل ہیں، اپنے ادبی آغاز کے زمانے میں تو بچوں کیلئے بہت کچھ لکھا کرتے تھے، لیکن جب انہیں یہ یقین ہوا کہ اب ہمیں لکھنا آگیا ہے تو پھر انہوں نے بھولے سے بھی کبھی بچوں کیلئے کچھ لکھنے کی کوشش نہیں کی، ایک صوفی تبسم اس سے مستثنیٰ ہیں خدا انہیں خوش رکھے، وہی اس دور میں بچوں کے لکھنے والوں کے پیرومرشد ہیں۔

بہر حال مقصد میرے لکھنے کا یہ ہے کہ حسین سحر جنہوں نے اب صوفی تبسم نمبر 2 بننے کی ٹھان لی ہے، مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ وہ بچوں کے ادب سے اپنا ناطہ نہیں توڑیں گے بلکہ ساری عمر اس کی خدمت کریں گے۔

سحر صاحب گزشتہ کئی برسوں سے بچوں کے لئے لکھ رہے ہیں، غالباً 1956ء میں میرا ان سے ملتان میں تعارف ہوا، اس وقت بھی وہ بچوں کے لئے نظمیں لکھا کرتے تھے، آہستہ آہستہ مشق سے انہوں نے اس میں کمال حاصل کر لیا اور اب تو وہ بہت اچھے شاعر ہیں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی، گزشتہ بیس سالوں میں انہوں نے سینکڑوں نظمیں لکھی ہیں، یہ مجموعہ گویا ان تمام نظموں کا انتخاب ہے، اس میں بہت ہی اعلیٰ درجے کی نظمیں شامل ہیں، جو بچوں کی نفسیات کے عین مطابق ہیں، زیر نظر مضمون میں میرے سامنے محض ان کی یہ کتاب نہیں ہے، بلکہ ان کی تمام نظمیں اور پوری شخصیت پیش نظر ہے

بچوں کا ادب

حسین سحر بنیادی طور پر بڑے دیندار اور شریف طینت نوجوان ہیں وہ بظاہر ''چاندنی'' ''کہکشاں'' اور ''ناؤ'' پر قلم اٹھاتے ہیں، لیکن ان کی فطری پاکیزگی ہر جگہ ان کے ساتھ ہے اور وہ عام موضوعات پر ہنسی مذاق کی باتیں کرتے ہوئے بھی بچوں کو بڑی کام کی باتیں بتا جاتے ہیں، کہیں انہیں عزم و استقلال کا سبق دیتے ہیں، کہیں انہیں نیکی اور خدا ترسی کی ہدایت کرتے ہیں، یہ سب کچھ پردے ہی پردے میں ہوتا ہے، یعنی کھانے والا شکر سمجھ کر کھائے لیکن فائدے کونین کے پائے۔

اسی طرح ان کی بعض نظمیں بچوں میں حب الوطنی کے جذبات پیدا کرنے کا بڑا اچھا ذریعہ ہیں، یہ ایک بنیادی چیز ہے جسے بچوں کے لکھنے والوں نے بھلا رکھا ہے، بچوں میں اگر حب الوطنی کے صحیح جذبات پیدا کر دیئے جائیں تو یہ ملک و ملت کیلئے بے حد مفید بات ہے، مثلاً بچوں کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی جائے کہ ہمارے دین اسلام میں حب الوطنی ایمان کا ایک حصہ ہے، اور تمہارے لئے حب الوطنی کے اظہار کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ تم خوب محنت سے علم حاصل کرو تاکہ بڑے ہو کر اس ملک کے لئے بہتر اور مفید ابت ہو، یہ بات حسین سحر جیسے ذہین نوجوان سے کیسے چھپی رہ سکتی ہے چنانچہ ان کی نظموں میں حب الوطنی کا عنصر نمایاں ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے بڑی کامیاب نظمیں لکھی ہیں۔

حسین سحر کی دو ایک نظمیں ایسی بھی ہیں، جنہیں ''براہ راست تبلیغ'' کہا جا سکتا ہے، یعنی نماز روزہ وغیرہ پر نظمیں، خود میں نے بھی ان کی طرح ایک زمانے میں ان موضوعات پر نظمیں لکھی ہیں، لیکن اب میرا خیال ہے کہ بچوں کے لئے یہ انداز قطعی موزوں نہیں ہے، بچوں کو اگر نماز پڑھنے کی تلقین کرنی ہے، تو اس کے لئے ''صبح'' پر نظم لکھی جائے، صبح کے مناظر ایسے اچھے انداز سے لکھے جائیں کہ بچہ ان میں کھو سا جائے، پھر چپکے سے اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی جائے کہ ان مناظر فطرت کے پیدا کرنے والے کا شکر بھی لازمی ہے، ظاہر ہے کہ اس کا ذریعہ محض نماز ہی ہے، اصلاح اخلاق کے لئے اگر اس قسم کا طریقہ اختیار کیا جائے، تو اس سے خدا کے اس حکم کی تعمیل بھی ہوگی جس میں مسلمان کو حکمت سے دین پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے، خوشی کی بات ہے کہ سحر صاحب کی نظموں میں ''براہ راست تلقین'' کی مثالیں بہت ہی کم ہیں، ورنہ آج کل شعراء اس انداز کی نظمیں لکھتے ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا

ہے کہ بچے ان کو پڑھنے کی بجائے ان سے دور بھاگتے ہیں، بچے سب سے زیادہ تفریحی نظمیں پسند کرتے ہیں، بچوں کے ادب میں اس نوع کی سب سے کامیاب نظمیں صوفی تبسم صاحب نے لکھی ہیں، ان کا ٹوٹ بٹوٹ بڑا نٹ کھٹ اور شریر ہے و بٹوٹ کی شرارتوں کو پڑھ کر بچے ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ تفریحی اور ہنسی مذاق کی نظمیں بچے سب سے زیادہ پسند کرتے ہیں، لیکن محض بچوں کی پسند ہی کا تابع ہونا تو کوئی اچھی بات نہیں ہے، کچھ تھوڑا سا آپ کو بھی بچوں کو تابع کرنا چاہیے، محض بچوں کو ہنسا دینا تو شاعر کا کام نہیں ہے، شاعر کا کام تو کچھ اور ہے، سحر صاحب بچوں کے لئے لکھ کر واقعی ایک اچھے شاعر کا فرض ادا کر رہے ہیں ان کی نظموں میں اسماعیل میرٹھی اور صوفی تبسم کی شاعری کا بڑا حسین امتزاج نظر آتا ہے، یعنی وہ بچوں کو ہنساتے بھی ہیں اور انہیں اچھی باتیں بھی سکھاتے ہیں، خدا کرے وہ بچوں کو ہنسانے اور ان کی اصلاح کرنے کا کام ہمیشہ کرتے رہیں، ہماری تو یہی دعا ہے.....!

پیارے رسول ﷺ

تحریر: ڈاکٹر محمد امین

عظیم مسلمان صوفی فلسفی امام غزالی نے بچوں کی تربیت کے بارے میں خصوصی توجہ دلائی ،بچوں کی تعلیم وتربیت کی اہمیت سے کسی کو بھی انکار نہیں، اس لئے کہ آج کا بچہ کل کا باپ ہے، بچہ ہی میراپدر کا حامل ہوتا ہے،بچوں کی تعلیم وتربیت کے مختلف ذرائع ہیں، رسمی ذرائع کے علاوہ خاص طور پر بچوں کے سلسلے میں غیر رسمی ذرائع زیادہ اہم ہیں، آج کے ترقی یافتہ دور میں میں جب کہ وسائل کی فراوانی ہے بچوں کے بارے میں مختلف پہلوؤں سے بہت زیادہ ریسرچ کی جارہی ہے، جاپان میں تو ایک بہت بڑا ادارہ ہے جس کے زیر نگرانی مختلف عمروں کے بچوں کے مسائل، مشاغل ،میلانات اور تعلیم وتربیت کے بارے میں تحقیق کی جاتی ہے، مختلف عمروں کے بچوں کے لئے مختلف قسم کے کھلونے بنائے جاتے ہیں اوران کی ذہنی استعداد کے مطابق کتابیں اور رسالے تیار کئے جاتے ہیں، ہمارے ہاں کوئی ادارہ نہیں ہے یہ حقیقت ہے اگر آج کے بچوں کی صحیح نشو ونما اور مناسب تعلیم وتربیت ہوجائے تو کل ایک بہتر قوم وجود میں آسکتی ہے۔

بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے ادب اہم کردار ادا کرتا ہے بچوں کو پڑھنے کے لئے اچھے مواد کی ضرورت ہے، اچھی کہانیاں اچھے مضامین اور اچھی شاعری جہاں بچوں میں پڑھنے کی عادت پیدا کرتی ہے وہاں ان میں ایک اچھے ذوق کی تربیت بھی ہوتی ہے، پاکستان میں بچوں کا ادب بہت کم لکھا جاتا ہے، اور معیاری ادب بہت کم دستیاب ہے، اس کی کئی وجوہات ہیں، ایک سبب یہ بھی ہے کہ بچوں کے لئے لکھنا آسان نہیں کافی مشکل ہوتا ہے اور اس سلسلے میں جس ریاضت اور تربیت کی ضرورت ہوتی ہے وہ فراہم نہیں کی جاتی، ہمارے یہاں بہت کم ادیبوں نے بچوں کے ادب کی طرف توجہ دی ہے ان ادیبوں میں ایک معتبر نام حسین سحر کا ہے۔

حسین سحر کو بچوں کے ادب سے بڑی دلچسپی ہے انہوں نے نظم ونثر دونوں میں بچوں کے لئے بہت کچھ لکھا ہے، ان کی ایک کتاب ''پھول اور تارے'' بہت مقبول ہوئی، اس کتاب میں بچوں کے لئے نظمیں لکھی گئی ہیں اس کتاب کو پاکستان رائٹرز گلڈ کی طرف سے 1977ء میں انعام دیا گیا ہے، ''پیارے رسول ؐ'' اسی سلسلے کی دوسری کتاب ہے اس کتاب پر بھی سیرت کا قومی سطح پر اصدارتی

ایوارڈ دیا گیا ہے، دین کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے مگر دین اسلام کے بارے میں بچوں کے لئے بہت کم کتابیں میسر ہیں، دینیات میں سیرت نبوی ؐ ایک نہایت اہم موضوع ہے، سیرت نبوی کا مطالعہ تربیت کا اہم وسیلہ ہے، اس اعتبار سے ''پیارے رسول ؐ'' بہت اہم کتاب ہے، یہ کتاب وقت کی ضرورت کو پورا کرتی ہے، یہ کتاب سیرت رسول ؐ کا مکمل مطالعہ پیش کرتی ہے، پرائمری کا طالب علم بھی اس کتاب کو بآسانی پڑھ کر سمجھ سکتا ہے، بچوں کی کتاب کے لئے مواد کا انتخاب ایک مشکل مرحلہ ہے، حسین سحر نے سیرت نبوی ؐ سے ایسے مواد کو منتخب کیا ہے جسے بچے بھی آسانی سے سمجھ سکیں، عنوانات پر ایک نظر ڈالتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ حسین سحر نے آسان عنوانات کے تحت سیرت کو تقسیم کیا ہے، یہ عنوانات جو کتاب کے مختلف ابواب ہیں بچوں کی فہم کے مطابق چنے گئے ہیں، مثلاً آپ سے پہلے' خاندان' پیدائش' پرورش' بچپن' جوانی' تجارت' شادی وغیرہ، یہ سارے عنوانات عام فہم ہیں، ان کے معانی تلاش کرنے کی ضرورت نہیں یہ تمام الفاظ ہماری روزمرہ زندگی میں عام بولے اور سمجھے جاتے ہیں اور بچہ بھی ان کا مفہوم سمجھتا ہے، کتاب کے آخر میں ''آپ کیسے تھے'' کے عنوان کے تحت اخلاق نبی کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے ''اور آپ نے فرمایا'' کے عنوان کے تحت آپ کے چند ایسے ارشادات کو جمع کیا گیا جو تربیت اخلاق کے لئے بہت ضروری ہے، بچہ تفصیلات کو پسند نہیں کرتا اور جزئیات سے گھبراتا ہے اس لئے ''پیارے رسول'' میں تفصیلات کی بجائے اختصار سے کام لیا گیا ہے اور بچے کی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے زبان نہایت سادہ سلیس اور آسان اختیار کی گئی ہے، پرائمری کے ایک طالب علم کے پاس جتنا الفاظ کا ذخیرہ ہوتا ہے وہ ذخیرہ اس کتاب کی تفہیم کے لئے کافی ہے، واقعات کو بیان کرتے وقت کہانی کا انداز اختیار کیا گیا ہے، نمونے کے طور پر ایک اقتباس دیکھئے۔

''اس عرصے میں ایک مرتبہ آپ ؐ طائف کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے طائف تشریف لے گئے، آپ کے غلام حضرت زید بن حارثہ آپ کے ساتھ تھے، آپ نے جب اللہ کا پیغام دینا شروع کیا تو لوگوں نے آپ کی بات نہ مانی اور شرارتی لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا، آپ جس طرف سے گزرتے لوگ گالیاں بکتے اور پتھر مارتے اتنے پتھر لگے کہ آپ کے مبارک پاؤں لہولہان ہوگئے، آپ کے ساتھی حضرت زید بھی زخمی ہوگئے، آخر تھک ہار کر آپ نے ایک باغ میں پناہ لی یہ ظلم برداشت کر کے بھی آپ نے طائف کے لوگوں کے حق میں بد عا نہیں کیں، بلکہ ہر گامی کے بدلے میں

آپ انہیں دعائیں دیتے تھے''۔

یہ اقتباس حسین سحر کے پیرایہ بیان کے نمونے کے طور پر دیا گیا ہے۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے بچوں کے معیار کے مطابق زبان استعمال کی ہے اور طریقہ بھی وہی اختیار کیا ہے جسے بچے پسند کرتے ہیں، بچوں کے لئے سیرت کی یہ ایک مفید کتاب ہے جس کا مقصد بچوں میں سیرت نبی سے واقفیت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاق پیدا کرنا ہے، حسین سحر نے کتاب سے پہلے ''چند باتیں'' میں تحریر کیا ہے۔

''بچوں کے لئے سیرت اس لئے ضروری ہے کہ وہ ہمارا مستقبل ہیں اور کون نہیں چاہتا کہ اس کا مستقبل روشن ہو۔ پھر آج کے مادی دور میں یہ تعلیم اور بھی ضروری ہو جاتی ہے کہ اس کے بغیر ہم انسانیت کا مفہوم ہی نہیں سمجھ سکتے، آج کے مادی دور میں جبکہ نژاد نو اخلاقی بحران کا شکار ہے، بچوں کے لئے سیرت پاک کا مطالعہ بہت ضروری ہے، اس کے مطالعے سے یقیناً بچوں میں اخلاق حسنہ پیدا ہو سکتے ہیں، یہ کتاب ان کی تعمیر کردار میں مدد دے سکتی ہے، بچوں کو ہمیشہ ایسا مواد پڑھنے کے لئے دینا چاہئے جس سے ان میں مطالعے کی عادت کے ساتھ ساتھ ان کے کردار کی بہتر تشکیل بھی ہو سکے اس اعتبار سے یہ کتاب بہت مفید ہے'' حسین سحر نے دیباچے میں لکھا ہے۔

''اس کتاب کو لکھتے ہوئے میرے پیش نظر اس موضوع پر تقریباً وہ سب کتابیں تھیں جو بچوں کے لئے لکھی گئی ہیں۔اس لئے میں نے کوشش کی ہے کہ ایک تو اس کتاب کی زبان آسان سے آسان رکھی جائے دوسرے مواد میں کوئی ایسی بات نہ آنے پائے جو متنازعہ یا قابل اعتراض ہو، پھر واقعات کو دلچسپ پیرائے میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس طرح امید ہے یہ کتاب بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق اور ان کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگی۔

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حسین سحر نے یہ کتاب لکھتے وقت بچوں کے لئے سیرت پر لکھی گئی کتابوں کو پیش نظر رکھا ہے اور انہوں نے اپنی کتاب کو بہتر بنانے کی کوشش کی ہے اور اس میں کامیاب رہے ہیں، مواد میں جس احتیاط کی ضرورت تھی اس احتیاط پر عمل کیا گیا ہے اور متنازعہ باتیں شامل نہیں کی گئیں، زبان آسان سے آسان رکھی گئی ہے اور پیرایہ بیان کو دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے، حسین سحر نے اپنے لئے جس معیار کو اپنایا اور جس معیار کا دیباچہ میں اعلان کیا یہ کتاب اس معیار کے مطابق لکھی گئی ہے یہ کتاب بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق تحریر کی گئی ہے، کتاب کی ان خوبیوں کے پیش نظر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ''پیارے رسولؐ'' بچوں کے لئے سیرت پر لکھی گئی کتابوں میں ایک مفید اور قابل قدر اضافہ ہے۔

حسین سحر اور بچوں کا ادب

از سمیرا گل

حسین سحر نے بچوں کے لیے نظمیں، کہانیاں گیت، ڈرامے بھی لکھے، بچوں کے لیے ادب تخلیق کرنا آسان کام نہیں ہے۔اس کے لیے ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ ادیب یا شاعر بچوں کی ذہنی سطح پر آ کر ان کے لیے کہانیاں یا نظمیں تخلیق کرے اس کے لیے بچوں کی نفسیات اور ان کی پسند ناپسند کو سمجھنا بے حد ضروری ہوتا ہے تا کہ بچے اس تخلیق سے لطف اندوز ہو سکیں۔

حسین سحر نے چونکہ اپنی شاعری کی ابتداء ہی کم عمری میں بچوں کے لیے نظمیں لکھنے سے کی۔ حسین سحر بچوں کے دلوں اور ذہنوں میں اسلام، ملک اور قوم کے علاوہ اخلاق اور نیکی سے محبت پیدا کرنا چاہتے ہیں اور حسین سحر نے نہایت سادہ اور آسان انداز سے بچوں کے لیے بہت سی پیاری نظمیں لکھی ہیں اور یہ نظمیں بچوں کے مختلف رسالوں میں چھپ چکی ہیں۔مثلاً بچوں کی دنیا، تعلیم و تربیت اور دہلی کے ایک رسالہ کھلونا میں بھی اکثر ان کی نظمیں چھپتی رہی ہیں۔

حسین سحر بچوں میں علم اور نیکی عام کرنا چاہتے ہیں جیسے ان کی نظمیں ''کتاب''، ''آرزو''، ''ملتان کی سیر''، ''اچھی باتیں''، ''ارادے''، ''سویرا''، ''نیا سال''، ''چھوٹی چھوٹی باتیں'' اور ''توڑ رہی ہے وہ پھول'' وغیرہ

حسین سحر نے جب بچوں کے لیے حمد لکھی تو مناظر کی خوبصورتی اور ساتھ ہی خدا کی عظمت کا ذکر کیا ہے حسین سحر اپنے دلنشیں لہجے اور پر خلوص جذبات سے بچوں کو اپنی مذہبی، اخلاقی اور روحانی اقدار کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں کہ باوقار معاشرے، اعلیٰ اخلاق کے حامل انسانوں سے مل کر ہی تشکیل پاتے ہیں۔

یہ چاند، یہ ستارے	یہ پھول، یہ نظارے
یہ کوہ اور صحرا	میدان، باغ، دریا
چلی ہوئی ہوائیں	مہکی ہوئی فضائیں۔
سب میں ہے تیری قدرت	سب میں ہے تیری حکمت

ہر چیز میں نہاں تو ہر چیز سے عیاں تو

(حمد از پھول اور تارے، ص ۱۲)

بچوں میں رسول پاکؐ سے محبت کا جذبہ بھی اس طرح پیدا کرتے ہیں۔

زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے انہی کی بدولت خدا نے بنائے

(نعت از پھول اور تارے، ص ۱۴)

حسین سحر نے قائداعظم پر بھی نظمیں لکھیں۔ حسین سحر نے بچوں میں وطن سے محبت کے جذبے کو بیدار کرنے کے لیے خوبصورت نظمیں لکھی ہیں۔ بچے کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ آئندہ چل کر ملک وملت کی باگ دوڑ انہی سے سنبھالنی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ان کی تعلیم وتربیت ناگزیر ہے۔ حسین سحر کو اس بات کا شدت سے احساس ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ موضوع انکی نظموں میں بیان کیا گیا ہے۔ ''پاکستان''، ''نغمہ آزادی''، ''وطن کا نغمہ''، ''اپنا وطن ہے پاکستان''، اونچا رہے گا پرچم ہمارا''۔

لاکھوں کی قربانی دے کر لی ہمیں آزادی
اس دنیا میں ہم نے پائی جنت کی یہ وادی

(نغمہ آزادی از پھول اور تارے، ص ۲۴)

اس کی پیاری پاک زمین ذرہ ذرہ ہے مہ پارا
ہر سو سبزہ اور ہریالی جیسے جنت کا نظارا
اس کی خاک کا اک اک ذرہ قدرت کا رنگین اشارا
یارب اونچا رہے یہ پرچم چمکے اس کا چاند ستارا

(پاکستان از پھول اور تارے، ص ۲۳)

''سویرا'' ایسی نظم ہے جو خیال اور بیان کے لحاظ سے بڑی پیاری نظم ہے اور بچوں کے دل لبھانے کے لئے اس کا آہنگ بڑا رچا ہوا ہے۔

سورج کیسی شان سے نکلا جیسے سونا پگھلا پگھلا
اپنے گھر کو چلا اندھیرا ہوا سویرا ہوا سویرا
شبنم لائی بکھرے موتی پیارے پیارے نکھرے موتی

(سویرا از پھول اور تارے، ص ۲۵)

حسین سحر بچوں کی نفسیات کو بخوبی جانتے ہیں اس وجہ سے انہوں نے بچوں کی دلچسپی کے موضوعات جیسے ''آکاش''، ''جگنو''، ''چندا ماموں''، ''لوری''، ''آنکھ مچولی'' اور ''سرگم کا گیت'' وغیرہ پر لکھا ہے تاکہ بچے دلچسپی محسوس کریں اور ان سے لطف اندوز بھی ہوں۔ حسین سحر نے ''سردی''، ''گرمی''، ''بہار''، ''برسات'' کے ناموں سے بھی خوبصورت نظمیں لکھیں ہیں۔ ''شہزاد''، ''فوزی''، ''عافی''، ''مہراد'' وغیرہ ان کی دلچسپ نظمیں ہیں۔

بحیثیت مجموعی حسین سحر دبستان ملتان کے ایک معروف اور اہم شاعر ہیں۔ جن کی شاعری کی کئی جہتیں ہیں ان کی شاعری نصف صدی سے زیادہ عرصے پر محیط ہے اور تقریباً ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کے موضوعات میں تنوع ہے اور اسلوب سادہ اور رواں ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے وہ بلاشبہ ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ملتان کی کوئی ادبی تاریخ ان کے حوالے سے بغیر مکمل نہیں کہلا سکتی۔

پنجابی ادب

پروفیسر حسین سحر دے سوچ وچار

ڈاکٹر شوکت علی قمر

پروفیسر حسین سحر اردو تے پنجابی دے سرکڈھ لکھاری نیں، تے اوہناں دیاں نظم نثر دیاں کئی کتاباں چھپ چکیاں نیں، پچھلیاں تن دہائیاں توں اوہناں دیاں لکھتاں معروف ادبی پرچیاں وچ چھپ رہیاں نیں، پنجابی ادب دے حوالے نال ملتان وچ اوہناں دی اک معتبر تے بھرویں پچھان بن دی اے ہتھلی کتاب ''سوچ وچار'' وچ اوہناں دے 19 پرکھ لیکھ شامل نیں جنہاں دے سرناویں انج نیں: ملتان وچ پنجابی ادب دی ٹور، پنل، پنجاب دا لوک کردار، سی حرفی، علی حیدر ملتانی، سلطان باہو، میاں محمد بخش، منشی غلام حسین شہید، خواجہ فرید، شخصیت تے شاعری میاں برکت علی، اک فطری شاعر، چاچا جگ، اک عوامی شاعر، چانن دا کھڑکار، (نذیر چوہدری) حیدر گردیزی، شخصیت تے فن، دکھ دی چھاں (دلدار بلوچ)، پیلے تیر (ابوسلمان رشدی)، میاں مقبول احمد دی شاعری بنجیاں سالہیں (حسن راضا گردیزی)، حرفاں دا بت ساز، آذر شہزاد قیصر دی شاعری تے دلاں دا چانن (عبدالمجید خاں ساجد)

ایہناں مضموناں بارے اوہ ''گل بات'' (صفحہ 9) دے سرناویں ہیٹھ لکھدے نیں:

''ایہناں مضموناں وچ جتھے میں کلاسیکی پنجابی شاعری نوں موضوع بنایا اے او تھے اپنے دور دی شاعری بارے وی اپنے خیالاں دا اظہار کیتا اے۔ خاص طور تے جنوبی پنجاب دے تے ہم عصر شاعراں بارے۔ ایہناں وچوں کجھ شاعر تاں ایسے وی نیں جنہاں بارے پہلی واری کوئی مضمون لکھیا گیا اے۔

مجموعی طور تے ایہناں مضموناں وچ پروفیسر حسین سحر ہوراں بڑے چوویں تے بھرویں رنگ وچ کلاسیکل تے اجوکے شاعراں دی حیاتی تے فکر نوں نتاریا اے تے زمانی حوالے نال بڑی سوہنی تشریحی تنقید کیتی اے۔

کلاسیکل پنجابی شاعراں۔ علی حیدر ملتانی، سلطان باہو، میاں محمد بخش تے خواجہ فرید

بارے اوہناں بھردیں لیکھ لکھے نیں۔ اپنے ہم عصر شاعراں بارے اوہناں دے فکری ویر دے جاندار تے شاندار نیں۔ اوہناں دے مضموناں وچ کھوج تے پرکھ دی سوہنی سانجھ ملدی اے۔ اوہناں دی علمی ادبی چاشنی تے زبان تے بیان دی روانی فکراں نوں تہندی اے۔ اوہناں دا معیاری تنقیدی لہجہ پرکھدے شیخ موتی ونڈ دا نظر آؤندا اے۔ ملتان دے حوالے نال اوہناں پہلی وار کئی شاعراں دی بھرویں ادبی پہچان کروائی اے تے انج جنوبی پنجاب دی پنجابی شاعری دا سنگھار روپ سامنے لیاندا اے۔ پر زبان دے حوالے نال پروفیسر حسین سحر ہوریں مصلحت دا شکار ہو گئے نیں کیوں جے ''گل بات'' وچ تے اوہ کلاسیکل شاعراں نوں پنجابی لکھدے نیں پر مضمون وچ اوہ خواجہ فرید نوں سرائیکی دا شاعر کہندے نیں۔ اوہناں دا ایہہ رویہ مضمون ''ملتان وچ پنجابی ادب دی ٹور'' وچ وی نظر آؤندا اے۔ معروف لسانی ماہراں دا اتفاق اے کہ سرائیکی پنجابی زبان دا لہجہ اے تے ایہہ وکھری زبان نہیں تے آپوں حسین سحر ہوریں وی زمانے تو ایس گل دے قائل نیں کہ پنجابی تے سرائیکی وچ کوئی فرق نہیں تے سرائیکی پنجاب زبان دا ای لہجہ اے۔ پر کتاب چھپان ویلے پتہ نہیں اوہ کس مصلحت دا شکار ہو گئے نیں۔ لکھاری نوں قلم چکیاں ادبی دیانت داری تے مصلحت دی دھوڑ نہیں پاؤنی چاہیدی! پروفیسر ہوریں جدوں صفحہ 16 تے آپوں علی حیدر نوں پنجابی دا عظیم صوفی شاعر مندے نیں تے فیر علی حیدر دے لہجے رنگ دے دوجے شاعراں، منشی غلام حسین شہید، خواجہ فرید حیدر گردیزی، دلدار بلوچ تے حسن رضا گردیزی نوں پنجابی دا شاعر منن دی تھاں سرائیکی دا شاعر کیوں لکھدے نیں، ایہو جیہی لسانی مصلحت ادب لئی فائدے مند نہیں۔ پروفیسر حسین سحر ہوراں حضرت علی حیدر نوں سید لکھیا اے جدکہ کھوج مطابق حضرت علی حیدر قریشی نیں، انج ای اوہناں میاں محمد بخش دی تاریخ وفات 1904ء لکھی اے جدکہ معتبر پنجابی کتاباں وچ ایہ 1907ء درج اے اوہ ایہناں مضموناں وچ حوالے دے کے گل کردے تے گل ہور معتبر ہو جاندی ''پنل'' والے مضمون نوں پروفیسر صاحب دے اچیچ دھیان دی لوڑ سی۔ انج تے ساڈے شاعراں نے لوک داستاناں دے کرداراں نوں سانجھا نیا دتا اے پر تاریخی حوالے نال پنل پنجاب دا نہیں بلوچستان دا کردار اے۔ رومانی حوالے نال تے سیف الملوک دی پنجاب دا کردار بن

جاندا اے۔ ایس مضمون وچ پنل دے کرداری پکھاں نوں اگھیڑن دی لوڑ سی۔ مجموعی طور تے پروفیسر حسین سحر ہوراں دے ایہہ پرکھ لیکھ سراہن جوگ نیں تے ایہناں دا پنجابی تنقیدی ادب وچ اک اہم مقام بن دا اے۔

پروفیسر حسین سحر چوہیں رنگ ڈھنگ نال چھپی پنجابی تنقیدی کتاب ''سوچ و چار'' دے 128 صفحے نیں ایہدی قیمت 100 روپے اے تے ایہوں کتاب نگر حسن آرکیڈ ملتان کینٹ نے چھاپیا اے۔

پروفیسر حسین سحر دیاں پنجابی نظماں دا مختصر فکری ویروا

ڈاکٹر نوید شہزاد

نظم اُہ صنفِ سخن اے جیہدے وچ شاعر اپنے خیالات سوچ تے فکر نوں سوکھے، سچے تے سنکھے ڈھنگ نال جس طرحاں بیان کرسکدا اے غورے کسے ہور صنفِ سخن وچ نہ کر سکے۔ ایہدے کئی کارن نیں اک تے اہ کہ نظم اُہ صنفِ سخن اے جیہنوں صنفِ سخن دی کسے وی ہیئت وچ لکھیا جاسکدا اے چاہے اُہ غزل ہووے یا ہائیکو، ڈھولا ہووے یا ماہیا، گیت ہووے یا بولی ٹپہ وغیرہ۔ دوجی گل اہ کہ نظم وچ کوئی پابندی نہیں کہ اہ پابندی ای ہووے۔ اہ قافیے ردیف دی پابندیوں بناں یا پابندی سنے کسے اک بحر وچ وی لکھی جاسکدی اے تے مختلف بحراں وچ وی۔ بحر دی پابندی وی ضروری نہیں۔ نظم نثری ڈھنگ نال وی لکھی جاندی اے۔ فیر اہ وی ضروری نہیں کہ ہر نظم دا سرنانواں ای دتا جاوے بلکہ ودھیرے نظم گو شاعر نظم دا سرنانواں دین دی تھاں ''نظم'' لکھ دیون ای کافی سمجھدے نیں۔

نظم وچ کوئی موضوعاتی قید وی نہیں۔ گھر توں لے کے پوری دنیا تے فرد وا حد توں لے کے اجتماعی حیاتی دے سیاسی، مذہبی، اخلاقی، ثقافتی، معاشرتی، معاشی، جنسی، نفسیاتی تے ہور کسے وی پکھ نوں بیان کیتا جاسکدا اے۔

نظم دے حوالے نال ویکھیا جاوے تاں پروفیسر حسین سحر ہوراں دا شمار وی پنجابی دے جدید نظم گو شاعراں وچ ہوندا اے جیہناں فکری تے فنی اعتبار نال جدید پنجابی نظم لکھ کے اپنے آپ نوں جدید نظم گو شاعر دی حیثیت نال منوایا۔ سحر ہوراں دے نجرے پنجابی شعری پور ''دھپاں چھانواں'' دے تن وڈے حصے نیں......غزل، نظم تے گیت، بھاویں اُہناں دے فن دے اہ سارے پکھ ڈھیر مضبوط تے Perfect نیں پر میں ایتھے صرف اُہناں دیاں نظماں بارے فکری حوالے نال گل کرانگا۔ کیوں جے میتھوں اُہناں دے ایس پکھ نے بہتا بلونیا اے۔ آؤ ہن ''دھپاں چھانواں'' دیاں نظماں دیاں کجھ فکری مورتاں تکنے آں۔

''بے وس'' اک نکی نظم ایں۔ آکھدے نیں کہ......

''روز کہناواں او تھے نہیں جانا
فیر وی چلنا میں اوسے رستے تے۔''

شاعر روز اہ فیصلہ کردا اے کہ اوس ہن کدی وی اس رستے نہیں جانا جیہدے تے چلدیاں عمراں بیت گیاں نیں تے پندھ کٹھن دی بجائے ہور وی ڈونگھا ہوندا جاندا اے۔ پر اُہ نت ای بے وس ہوجاندا اے تے فیر اوسے رستے پیر جا دھردا اے۔ اہ وی اک گوہ گوچری گل اے کیہ ایس بے وسی پچھے دل کم کررہیا اے یا دماغ یقیناً دل ای کم کررہیا اے کیوں جے عشق دے وپار وچ دل دی سرداری اینی پکی ہوندی اے کہ اُہدے اگے دماغ رعیت دا درجہ رکھدا اے۔ دماغ دل دا آکھا ٹالنہیں سکدا تے انج پیار پریت دے راہی گھاٹیاں وادھیاں تو بے نیاز ہو جاندے نیں۔

''بے وس'' دی آخری لائن وچ شاعر اپنی بے وسی دا کارن دسدیاں آکھدا اے......

''خبرے کیہ ہویا اے دل نوں۔''

''چنڈ دی کڑی'' وی اک نکی تے سنکھی نظم ایں۔ ایس نظم وچ اوس دکھ نوں بیانیا گیا اے جیہڑا اہر پردیسی ڈھول دے لڑلگن والی الھڑ تے واپردا اے۔ اہ بڑی عجیب جہی گھڑی دا ذکر کیتا گیا اے۔ اہ اُہ لمحہ ہوندا اے جدوں اک پاسے تے پیار پریت دے آپ مہارے گھبرو جذبے پھن کھلار کھڑے نیں تے دوجے پاسے ساہواں نال جڑیاں ہوئیاں من جوگ اُہ لوڑاں جیہناں نوں نندن حیاتی دی نندیا کرن والی گل اے۔ ایس درو پچی گھڑی دی اکھری مورت تکو......

''چنڈ دی سڑک تے اُہر ویلے دھوڑاں پھکدی رہندی اے
شہر چوں آون والی۔
ہر لاری نوں تکدی رہندی اے''

''نظم'' میں کلا آں وچ اکلاپے دے اک شدید احساس نوں ''پینٹ'' کیتا گیا اے۔ شاعر نوں دنیا اک چپ چپیتے جنگل وانگر جاپدی اے۔ جس وچ سکھے تے ہرے رکھ وی نیں تے جنور، پنچھی وی پر اُہدی گل سنن تے سمجھن والا کوئی نہیں۔ اُہنوں دنیا اوس تھل وانگر جاپدی اے

جیہدی ریت دے ذرے تیز ہواواں نال گلوکڑیاں پا کے اڈاریاں مار رہے نیں پر اوہ ذرہ ہوندیاں ہویاں وی کلم کلا اے۔ تے اُہدے اکلاپے دا کارن اوہ اے کہ اوس اپنی دھرتی نال گلوکڑی پائی ہوئی اے۔ اوس دوجے ذریاں وانگر اپنی متھی منزل تے اپڑن لئی ہواواں دے ہتھے چڑھ کے اپنی ذات نوں وناہیں لگن دتا۔ اوہ اکلاپے نوں گل نال لا کے وی اپنے پیر اپنی دھرتی اتے گڈی کھلوتا اے۔ دراصل اوہ اوہ اکلاپا اے جیہڑا ہر بااصول تے ہر دھرتی پیارے دی تقدیر بن جاندا اے۔

نظم ''سمندر'' عروج تے زوال دی اک مکمل کہانی اے۔ اوہ اک شام دے رکے ہوئے چپ چاپ سمندر دی تصویر اے۔ جیہدی تہہ وچ چانن اپنے سارے رنگاں سنے دھسدا جارہیا اے۔

نظم ''ترے بغیر'' وچ اوس پل نوں حنوط کیتا گیا اے جس وچ چیتا دے تیر جیہڑے روح نوں چھیکو چھیک کر چھڈدے نیں تے فیر چار چفیرا اکوروپ سروپ دا گہنا بن جاندا اے......'

''فضا اچ واشنا اے مہندی رنگے ہتھاں دی
کلی کھڑے تاں تیرے ہونٹھ مینوں دسدے نیں
کنول جو ویکھاں تاں اکھاں تیری نظر آون
گلاب مہکے تاں آندی اے تیری یاد بہت
جے دھپ نکلے تاں گلھاں دی روشنی چمکے
جے ابر چھائے تاں زلفاں سیاہ لہراون
جے چن نکلے تاں دسے تیرا حسیں مکھڑا۔''

''چن اے اک اکلا'' پڑھ کے انج محسوس ہوندا اے کہ ایس نظم راہیں ودھدی ہوئی آبادی دے طوفان نوں ڈکن دا آہر کیتا گیا اے۔ پر گوہ کیتیاں نظم دیاں کئی ہور پرتاں وی کھلدیاں نیں جویں جیون دے ہر انگ وچ میانہ روی تے اعتدال۔ کیوں جے زندگی دے ہر انگ تے رنگ دا حسن اُہدے اعتدال نال ای اے تے ہر شے اپنی حد تے اپنے مقام تے ای جچدی اے۔ جویں......'

''اک دو پھل نیں شاخ دی رونق
اک دو پھل سہارا
ڈھیر پھلاں دے نالوں چنگا
اک پھل دا نظارا

☆☆☆

حدوں باہر نہ ٹھیک ہنیرا
حدوں باہر نہ چانن
اپنی تھاں تے ٹھیک ہنیرا
چانن دی تھاں چانن

☆☆☆

حدوں باہر نہ چنگا سوکا
حدوں باہر نہ پانی
سوکے دی تھاں سوکا چنگا
پانی دی تھاں پانی......''

☆☆☆

سحر ہوراں دیاں نظماں وچ سورج دا استعارا کئی تھائیں چلدا اے...... جویں نظم ''دھپاں چھانواں'' وچ آکھدے نیں......'

''سورج دی تکھی اکھاں تے پٹی بنھ کے
سورج اگے بدل پچھے
نسدے نسدے اکدوجے توں دور گئے
فیر نیڑے آئے۔''

☆☆☆

نظم ......’’جادو‘ وچ آکھدے نیں .....؎

’’سورج چڑھیا
ہر اک پاسے دھپ دے تکھے رنگاں دی
اک نہرا ے جاری.....‘‘

☆☆☆

نظم ’’اعلان‘ وچ انج اعلان کردے نیں .....؎

’’اُچے اُچے محل منارے
کندھاں کوٹھے تے چوبارے
روک نہیں سکدے
ٹوک نہیں سکدے
سورج دی تکھی رشنائی ۔‘‘

☆☆☆

نظم ’’سورج دا آرٹ‘‘ دا ڈھا سراں دسیا گیا اے کہ.....؎

’’سورج اک مصورا ے
جیہدیاں تصویراں .....چن تے تارے
پھلاں دے دلکش نظارے
دریا لہراں‘ اُڈدے بدل‘ سردھواواں ۔‘‘

☆☆☆

’’پرچھانویں‘‘ وچ سورج دے ڈبن دا جھورا انج کیتا گیا اے.....؎

’’سورج ڈب گیا اے
رات دا تیز ہنیرا
سردھوا بن کے
ہر پاسے پھیل رہیا اے۔‘‘

☆☆☆

نظم ’’ہالی‘‘ وچ سورج تکو.....؎

’’متھے تے مڑھکا وگدا اے
محنت دا سورج جگمدا اے
کیہ کہنا ایہدی عظمت دا
چہرے تے تھجدی لالی اے
اِہ دیس میرے دا ہالی اے۔‘‘

☆☆☆

حضرت ’’اقبال‘‘ دے ساہمنے سورج دا رنگ ڈھنگ کیہ اے.....ویکھو.....؎

’’تارے بن بن سوچاں اُہدیاں جو جگمگ جگمگ کردیاں نیں سورج دیاں تکھیاں کرناں وی اُہدے ساہمنے آن توں ڈردیاں نیں ۔۔‘‘

☆☆☆

اہناں نظماں راہیں ’’سورج‘‘ دے دو روپ ساہمنے آوندے نیں ۔اک تے حیاتی تے چانن دا روپ تے دوجا فرعونیت تے ظلم دا روپ ۔ تے اِہ دوویں روپ برحق نیں ۔اسیں اہناں چوں کسے دا وی انکار نہیں کر سکدے ۔سحر ہوراں اپنی ذاتی پسند تے ناپسندی توں بالاتر ہو کے سورج دے اہناں دوہاں پکھاں نوں نبھیا اے تے انج اُہ لاشعوری طور تے اپنی شخصیت تے مزاج دی حقیقت پسندی بارے وی دس پا گئے نیں ۔

اس توں وکھ اُہناں دیاں دوجیاں نظماں وی مثبت قدراں دی پالنا کر رہیاں نیں ۔اُہ چانن نال محبت کردے نیں پر ہنیرے نال وی نفرت نہیں کردے کیوں جے اُہ جان دے نیں کہ ہنیرے دی اک نکی جہی چادر ہیٹھاں وی سردیاں والاں جنے اُہ کوجھ لک سکدے نیں جیہناں نوں کجنا کئی وار حیاتی دی حیاتی لئی ڈاھڈا ضروری ہو جاندا اے ۔

مینوں پک اے کہ ’’دھپاں چھانواں‘‘ دیاں نظماں ہوا دا اُہ بلا اے جیہدی انگل پھڑ کے کئی دھرتی وا س سکے پتر فیر گدھے پاوندیاں لگراں اتے جالگن گے ۔

پروفیسر حسین سحر تے پنجابی ادب

شفیق آصف

پروفیسر حسین سحر اردو تے پنجابی ادب دا اک معروف تے معتبر ناں اے اونہاں دا تخلیقی جہان بہت وسیع اے اُردو زبان دے بھرویں کم توں علاوہ اونہاں پنجابی زبان وچ وی خاصا کم کیتا اے جیہڑا اپنے معیار تے انفرادیت پاروں خصوصی اہمیت دا حامل اے۔ پنجابی وچ پروفیسر حسین سحر نے شعری تے نثری حوالے نال جو کم کیتا اے اوہ کتابی روپ وچ وی سامنے آیا اے ہن تیکر سحر صاحب دیاں چار پنجابی کتاباں چھپ چکیاں نیں جنھاں وچ تن کتاباں شاعری دیاں نیں تے اک کتاب پنجابی نثر دی اے۔ پنجابی زبان وچ پروفیسر حسین سحر دی پہلی کتاب ''دو جگ دا والی'' اے جیہدے وچ اونہاں دیاں حمداں تے نعتاں شامل نیں پروفیسر حسین سحر نے دی حمد یہ تے نعتیہ شاعری عقیدت تے محبت دی مظہر ہوون دے نال نال فکر تے فن دا اک نویکلا شاہکار وی اے۔ پروفیسر حسین سحر دی ایہہ مذہبی شاعری جدت تے کلاسیکی روایت دا حسین امتزاج اے۔ اونہاں نے اپنا نعت وچ نبی کریم ﷺ دی سیرت نوں وی سمویا اے تے اپنی بے کراں عقیدتاں دا وی ذکر کیتا اے سحر صاحب دیاں ایہہ نعتاں پڑھ کے احساس ہوندا اے کہ اوہ اک سچے عاشق رسول ﷺ نیں۔ پروفیسر حسین سحر دی دوجی پنجابی کتاب ''سوچ وچار'' اے ایس کتاب وچ سحر صاحب دے تنقیدی تے تحقیقی مضامین شامل نیں۔ کجھ مضمون جنوبی پنجاب دی ادبی ٹور دے بارے نیں تے کجھ پنجابی تحقیق تے تنقید دا احاطہ کردے نیں پروفیسر حسین سحر نے اپنے اپنے تحقیقی تے تنقیدی کم وچ غیر جانبداری دا ثبوت دتا اے اوہ تحقیقی تے تنقید نوں اک ذمہ دارانہ کم سمجھدے نیں تے اپنا نقطہ نظر واضح طور تے بیان کردے نیں ایہو وجہ اے کہ اونہاں دی ایہہ کتاب ''سوچ وچار'' پنجابی تحقیق تے تنقید وچ اہم حوالے دا کم دے رہی اے۔ پنجابی شعری ادب وچ پروفیسر حسین سحر دا اہم ترین کم اونہاں دی پنجابی غزلاں تے نظماں دا مجموعہ ''دھپاں چھانواں'' اے۔ پروفیسر حسین سحر دی پنجابی نظم تے غزل اک نویں جہانِ معنی نوں قاری تے آشکار کردی اے ''دھپاں چھانواں'' وچ سحر صاحب نے حیاتی

نوں اک نویں زاویے نال ویکھیا اے اونہاں دیاں غزلاں اک نویں طرز احساس دیاں ترجمان نیں جد کہ نظماں معاشرے وچ کھلریاں ہویاں حقیقتاں نوں بیان کردیاں نیں پروفیسر حسین سحر دا اسلوب تے وکھرا اے ای پر انہاں دی لفظیات وی منفرد تے خوبصورت اے اونہاں دے چند شعر ویکھو

خبرے سورج تے بدل دی لکن میٹی کیہہ اے
بندے نالوں ودھدا جاوے بندے دا پرچھانواں

غیراں نے ساڈوں کیہں لٹیا
چور تاں اپنے گھر دے پے نیں

دل اے عرش معلیٰ اندر
ست زمین اسمان سماوے

سحؔر اساڈے قصے اُتے
جچدا اے دُکھ دا پرچھانواں

پروفیسر حسین سحر دی چوتھی پنجابی کتاب ''پھل کلیاں'' اے ایہہ بالاں لئی لکھیاں گئیاں خوبصورت نظماں نیں اونہاں دی نظماں وچ بچیاں دی نفسیات نوں سامنے رکھیا گیا اے زبان سادہ تے پر کشش اے ''پھل کلیاں'' وچ سحر صاحب دا فن چمکدا ہویا نظر آندا اے۔

''دو جگ داوالی'' بارے کجھ وچار

ڈاکٹر خان محمد ساجد

میں 1985ء وچ ملتان آیاں ساں۔ اتھے آون تو پہلا اپنی ملازمت دے سلسلے وچ سندھ ساں۔ ملتان آون دا مقصد وی ملازمتی ذمہ داریاں سن۔ پر ملتان نال میرا تعلق اپنے شہر دے حوالے نال وی اے جہڑا ملتان ڈویژن دا اک حصہ اے۔ ایس لحاظ نال میں پیدائشی ملتانی آں۔ کیوں جے ملتان اک شہر یا زبان داناں نئیں اک تہذیب تے فکر داناں اے۔ جس دیاں بنیاداں وچ شیخ فریدالدین مسعود شکر گنج ملتانیؒ، بابا بہاءالدین زکریا ملتانیؒ، خواجہ فریدؒ، بابا وارث شاہؒ، بابا بلھے شاہ شتاریؒ، بابا سری گرو نانک دیو جی مہاراج تے بہت سارے ولیاں تے بھگتاں دے زہد تے فقر نیں۔ جہاں دی فکر دا بنیاد ی محور انسانی محبت تے بھائی چارہ ہی۔ ادب دے نال میری دلچسپی میرے بچپنے توں اے۔ پر شاید ایہہ ملتان دی ہوا دا اثر ہی کہ اتھے آ کے مینوں ادب نال کوئی زیادہ ہی دلچسپی پیدا ہوئی تے میں ادب دے اسمان ول تکنا شروع کر دتا۔ میری نظر جہاں چن تاریاں تے پئی انہاں وچ حسین سحر دا ناں بہت نمایاں سی۔ گو اونہاں دے میں کوئی ایناں قریب نہیں رہیا پر میرے دل وچ اونہاں دی کشش ودھ دی رہی۔ ایس کشش وچ اونہاں دی کتاب ''فرقان عظیم'' نے ایناں اضافہ کیتا کہ میں اونہاں نوں باقاعدگی نال ملن تے پڑھن لگ پیا۔ اونہاں دی ہر ملاقات نے اک الگ تاثر میرے ذہن تے دل تے چھڈیا۔ تے ہر بیٹھک نے اک نواں گوشہ اونہاں دی شخصیت دا میرے اُتے کھولیا۔ اونہاں نال ملاقات توں بعد مینوں ایویں لگیا کہ اوہ میرے وجود دا ہی حصہ نیں کیوں جے اونہاں دا آبائی تعلق وی اوس علاقے نال اے جتھوں میرا خمیر اٹھیا۔ اونہاں نال ہر ملاقات توں بعد مینوں اپنی فکری محرومی دا بڑی شدت نال احساس ہویا۔ اک دن جدوں اوہ سعودی عرب جا رہے سن، اونہاں نے مینوں بڑی اہم نصیحت کیتی۔ کہن لگے ساجد صاحب تساں کجھ اپنی ماں بولی (پنجابی) وچ وی لکھیا کرو۔ اوس دن توں میں پنجابی زبان تے ادب نوں کھوجن لگ پیا۔ تے اک پنجابی شعری مجموعے تے کم کرنا شروع کر

دتا۔ کجھ دن پہلاں جد اونہاں نال میری ملاقات ہوئی تاں اونہاں نے میرے پنجابی کم دے بارے پچھیا تے میں اونہاں نوں دسیا کہ مسودہ تقریباً مکمل اے۔ اوہ بڑے خوش ہوئے تے نال ای اپنا پنجابی نعتاں دا مجموعہ بڑی محبت نال عطا کیتا۔ ایس پنجابی مجموعے نے میرے اندر سوچاں دی ایک نویں دنیا روشن کر دتی۔ مینوں ایہ کتاب پڑھ کے ہی ایہ گل سمجھ آئی کہ حسین سحر ایناں عظیم کیوں اے۔ اونہاں دے ایس شعر نے تے میرے اندر ان گنت دیوے بال دتے۔

روضہ ویکھاں تے یاد طور آوے
میری اکھیاں دے وچ اوہ نور آوے

حضور نبی کریمؐ دی رحمت نوں ایس توں بہتر کس طراں بیان کیتا جا سکدا اے:

طائف اچ پتھراں دی بارش نال
آپ دا سی لہولہان بدن
فروی کوئی نہ بددعا کیتی

حسین سحر دا طبعی حسن تے اونہاں دے فن دا نور انسان نوں بار بار اونہاں ول ویکھن تے مجبور کر دیندا اے۔ اونہاں دا جسمانی حسن تے خدا دا عطیہ اے۔ پر اونہاں دے فن دے نور وچ عطائے خداوندی تو علاوہ اونہاں دی مسلسل محنت، مطالعہ، حب رسول تے ثنائے رسول دا وی حصہ اے۔ بلکہ جے ایہ کہیا جاوے کہ اونہاں دی فکری تکون توحید الٰہی، حب رسول تے ثنائے رسول نال ترتیب پاندی اے تے غلط نہ ہووے گا۔ یا رکانِ ثلاثہ اونہاں دی سب لکھتاں وچ اپنی پوری آب تے تاب نال موجود نیں۔ حقیقت ایہ وے کہ کوئی انسان اوس وقت تک دنیا تے آخرت وچ اُچا مقام حاصل نہیں کر سکدا جد تک اوہ اوس ذاتِ بابرکات توں فیض حاصل نہ کرے۔ حسین فرماندے نیں۔

ایہ کرامت ہے نعت مرسل دی
چھا گیا اے سحر دے فن دا نور

انسانی تریخ دے ورقے پھرولئے تے سانوں پتہ لگدا اے کہ دنیا دا کوئی مہان آدمی ایسا نئیں جہدے

حضور نبی کریم دی ذات توں شعوری یا غیر شعوری طور تے فیض نہ لیا ہووے، اس چیز دا جدید تحقیق توں وی ثبوت ملدا اے۔ جہدے وچ ایس حقیقت دا اعتراف موجود اے کہ حضور نبی کریم دی ذات نے سب توں زیادہ انسانی تاریخ تے تہذیب نوں متاثر کیتا اے۔ حسین سحر ایس حقیقت تے مکمل ایمان رکھدے نیں فرماندے نیں:

نقش سارا عظمت انسان دا
مصطفےٰ دی عظمتاں دا عکس اے

اک ہور جگہ فرماندینیں:

دشمناں نے وی من لیا دل توں
کیسا کردار پاک روشن اے
آپ صادق وی نیں امین وی نیں

حسین سحر دے تصور دین وی اساس اس عقیدے تے ہے کہ حضور نبی کریم دی ذات قرآن دا مکمل نمونہ ہی بلکہ اصل قرآن حضور ای سن۔ قرآن وی ایس حقیقت دی تصدیق کردا اے مثلاً قرآن وچ تحریر اے ''یہ رسول اپنی خواہش نال گل نئیں کردا بلکہ جو کچھ کہندا اے اوہ وحی اے جہڑی رب دی طرفوں آندی اے'' حسین سحر ایس اٹل حقیقت نوں ایس طراں نکھار کے سامنے لیاندے نیں:

جو آپ دا ہے عمل اوہ ہے آیۂ یزداں
جو کہن آپ خدا دا کلام ہو جائے

حسین سحر دیا جنیاں وی تحریراں پڑھن دا اتفاق ہویا اے اونہاں توں اک چیز جیہڑی نکھر کے سامنے آؤندی اے اوہ اے وے کہ اوہ اک غیر فرقہ وارانہ ذہن رکھن والے مسلمان نیں۔ اسلامی وحدت بلکہ انسانی وحدت تے اونہاں دا ایمان کامل ہے۔ اونہاں دی ایہ کتاب ایس حقیقت دا مکمل اظہار اے۔ ویکھو کنی خوبصورتی نال ایس حقیقت نوں واضح کردے نیں:

مخلوق خدا دی تے خدا سوہنے نبی دا

کونین چ رتبہ اے بڑا سوہنے نبی دا

اونہاں دے نزدیک انسانیت نوں جوڑن دا صرف اکو ای نسخہ اے۔ یعنی نبی سوہنے دی محبت نوں عام کیتا جاوے۔ تے اونہاں دی کتاب چ ایس حقیقت دا بھرپور اظہار موجود اے۔ میری دعا اے کہ رب اونہاں دے قلم نوں قیامت تک حرکت وچ رکھے تاں جے ایس طراح دیاں لکھتاں دے تخمے سانوں ملدے رہن۔

اونہاں دی کتاب دی منفرد خصوصیت اونہاں دا خالص پنجابی لب ولہجہ اے۔ جہدے وچ اوس مٹی دی خوشبو اے جس تے آ کے تیمور جیہے ظالم تے جابر وی اپنی تلوار نیویں کر لیندے سن۔ میری مراد بابا فریدؒ تے بابا وارث دا خطہ اے جتھوں اج وی محبت تے معرفت دے چشمے پھٹ رہے نیں تے قیامت تک پھٹدے رہن گے۔ مینوں امید اے کہ پنجابی جیہڑی اولیاء، بھگتاں تے سنتاں دی زبان اے اوہدے خزانے وچ ایہ کتاب اک بے بہا اضافہ ثابت ہووے گی۔

THE DAILY JANG &
PUNJAB GROUP OF COLLEGES
PRESENT
TALENT AWARD-93.
IN RECOGNITION OF YOUR
OUTSTANDING ACHIEVEMENT
IN THE FIELD OF PERFORMANCE
ESPERANTO-KLUBO
MEK